ISSN 2455-636X

امام باڑہ حاجی محمد جواد اصفہانی، پونہ مہاراشٹر
حسینیہ میں مجلس کو
خطاب کرتے ہوئے۔
جامعۃ الرضا ضیاء العلوم
مدرسہ جامعۃ الرضا ضیاء العلوم
پونہ مہاراشٹر
سفرِ آخرت
مرحوم اپنے فرزند ارجمند
فرحت عباس رضوی کے ساتھ
مرحوم اپنے خویش
دلبر رضا رضوی کے ساتھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
زیر سر پرستی حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف
کجھوہ ضلع سیوان بہار کا قدیمی علمی ودینی جریدہ
ماہنامہ
اصلاح
لکھنؤ
جلد (۱۹)
قیام ادارہ
۱۵/شعبان المعظم
۱۲۹۲ھ
پنجشنبہ ۱۶/ستمبر
۱۸۷۵ء
شمارہ (۸)
اجراء جریدہ
۱۵/شعبان المعظم
۱۳۱۵ھ
یکشنبہ ۹/جنوری
۱۸۹۸ء
عرفان فطرت نمبر
جون 2020 عیسوی
مدیر اعزازی
سید محمد حسنین باقری
9598956660
مدیر
سید محمد جابر جوراسی
09415152649
مدیر مسئول
سید محمد مہدی باقری
9415465237
ذیقعدۃ الحرام ۱۴۴۱ھ
۱۳۸۱ شہادت حسینی
اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳ انڈیا

بانیِ اصلاح

فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ

مدیر اول

حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر صاحب قبلہ طیب اللہ رمسہٗ

مدیر دوم

مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

سابق معاون خاص

زبدۃ الافاضل مولانا سید آغا جعفر نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

سابق نگراں

محسنِ اسلام مولانا سید محمد باقر جوراسی صاحب قبلہ طاب ثراہ

زرِ سالانہ

اندرون ملک	پانچ سو روپے	500/-
یوروپ، امریکہ، کناڈا	دو ہزار روپے	2000/ -
خلیجی ممالک	سترہ سو روپے	1700/-
ایشیائی پاکستان	تیرہ سو روپے	1300/-
پاکستان (زمینی ڈاک)	گیارہ سو روپے	1300/-

اس شمارے کی قیمت: 80 روپیہ صفحات: 140

Bank Detail

Name: ISLAH

A/c No. 108702000000462

IFS Code : IOBA0001087

INDIAN OVERSEAS BANK

GoldarwazaChowk Branc h Lucknow

فون و فیکس ادارہ: 0091 522 4077872

website: www.islah.in

E-mail: mahnamaislah@gmail.com

Islah_lucknow@yahoo.co.in

مطبوعہ امپریشن پرنٹ ہاؤس لکھنؤ

ماہنامہ اصلاح میں شائع شدہ مواد سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارہ سے متعلق تمام قانونی معاملات صرف لکھنؤ کی عدالت میں طے ہوں گے

ISSN No. 2455 - 636X

مدیر نگراں

الحاج مولانا مقبول احمد نوگانوی

0046707440192

مدیر اعزازی

سید محمد حسنین باقری جوراسی 09598956660

مدیر مسئول

سید محمد مہدی باقری 09415465237

اعزازی محاسب

سید علی مہدی نقوی 09415197218

مسئول دفتر

سید محمد نازش رضوی 09889328121

مجلس مشاورت

☆ حجۃ الاسلام علامہ سید رضی جعفر نقوی
☆ عالیجناب مولانا سید محمد غافر باقری جوراسی
☆ حجۃ الاسلام مولانا سید حسنین مہدی حسینی
☆ حجۃ الاسلام مولانا شمشاد حسین رضوی
☆ حجۃ الاسلام مولانا شجاعت حسین رضوی
☆ مولانا غلام السیدین باقری جوراسی
☆ مولانا سید قائم مہدی بارہ بنکوی
☆ مولانا سید علی حسین رضوی
☆ جناب ذاکر زوار حسین پٹنہ
☆ جناب سید علی حیدر نقوی پٹنہ
☆ ڈاکٹر سید امانت حسین نقوی
☆ ڈاکٹر سید اسد عباس رضوی

کور ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد وصی اختر معروفی 9305652568

R.N.I. No.-UPURD/2001/07094 POSTAL No. SSP/L.W/N.P-483/2020-2022

Printer & Publisher Syed Mohammad Mehdi Baqri for ISLAH Printed at Impression Print House,UG 15,Kulbhaskar Complex 78 G.B. Road, Lucknow and Published at Masjid Diwan Nasir Ali Murtaza Husain Road, Lucknow-226003, UP (INDIA) Editor: Syed Mohd. Jabir Jaurasi

پرنٹر و پبلشر سید محمد مہدی باقری نے اصلاح کے لئے امپریشن پرنٹ ہاؤس، یو جی ۱۵ کلبھاسکر کامپلیکس ۷۸ جی بی روڈ لکھنؤ سے چھپوا کر مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ یوپی (انڈیا) سے شائع کیا۔ مدیر: سید محمد جابر جوراسی

ISSN No.2455-636X

اصلاح کے بیرون ملک نمائندے

نمائندہ	فون
آسٹریلیا: ڈاکٹر سید حسن مسعود (میلبورن)	0061 423 439 665
افریقہ: جناب شہر عباس رضوی (تنزانیہ)	00255 713352383
امریکہ: ڈاکٹر منظور تقی رضوی (نیوجرسی)	001 9736328369
انگلینڈ: مولانا مختار عباس دصایا (لندن)	0044 7424251823
ایران: مولانا سید محمد فائز باقری (قم)	0098 9198505582
بنگلہ دیش: مولانا سید ابراہیم خلیل رضوی (کھلنا)	0088 1715002288
جرمنی: جناب علی حیدر عابدی (برلن)	0049 15782578176
عراق: مولانا سید قمر اعظم جعفری (نجف اشرف)	00964 7711600842
کناڈا: مولانا سید احمد رضا حسینی (ٹورنٹو)	001 6472892469
یورپ: ڈاکٹر سید محمد حسین رضوی (ناروے)	

اندرون ملک نمائندے

نمائندہ	فون
یوپی: مولانا سید محمد سبطین باقری (لکھنؤ)	+91 8726254727
(۲) مولانا سید محمد عازم جوراسی (فیض آباد)	+91 8174810335
دہلی: پروفیسر عزق رضا زیدی (دہلی)	+91 9816818215
بہار: ڈاکٹر عارف عباس (مظفر پور)	+91 8303110786
آندھرا پردیش: جناب سید جعفر حسین (حیدرآباد)	+91 9346938539
تمل ناڈو: قاضی مولانا غلام محمد مہدی خان (چنئی)	+91 9840463645
گجرات: مولانا سید محمد رضا غروی (احمد آباد)	+91 9724737865
مہاراشٹرا: مولانا سید روح ظفر روحی (ممبئی)	+91 9594451455
کشمیر: مولانا ڈاکٹر شعیب رضوی (سری نگر)	+91 9806685395
(۲) جناب عباس علی (کارگل)	+91 9469207163
کرناٹک: جناب میر سجاد علی (میسور)	+91 9591589124
(۲) مولانا سلمان عابدی (علی پور)	+91 9916733603
ہماچل پردیش: جناب سید سرفراز حسین (کلو)	+91 9816098786
مدھیہ پردیش: جناب نجم الحسن (اندور)	+91 7869910305
اترا کھنڈ: جناب مصطفیٰ حسین زیدی (دہرادون)	+91 9412053083
بنگال: مولانا ڈاکٹر محسن رضا عابدی (ہوگلی)	+91 9831542924
چھتیس گڑھ: محترمہ انیس فاطمہ زیدی (بلاس پور)	+91 9303671385
جھارکھنڈ: جناب سید جواد حیدر نقوی (رانچی)	+91 9835575393
راجستھان: مولانا علی حیدر اجمیری (دھول پور)	+91 9414645126
پنجاب: جناب شیخ شبیر حسین جگا (مالیر کوٹلہ)	+91 9876160462
دمن دیپ: جناب غلام شبیر (دمن دیپ)	+91 9824791109

دعائے فرج

کفعمی نے بلد الامین میں فرمایا ہے کہ یہ دعائے حضرت صاحب الامرؑ ہے۔

پریشانی وگرفتاری کے وقت اس دعا کا پڑھنا مفید ہے:

إِلٰهِي عَظُمَ الْبَلَاءُ، وَبَرِحَ الْخَفَاءُ، وَانْكَشَفَ الْغِطَاءُ، وَانْقَطَعَ الرَّجَاءُ، وَضَاقَتِ الْأَرْضُ، وَمُنِعَتِ السَّمَاءُ، وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ، وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكَى، وَعَلَيْكَ الْمُعَوَّلُ فِي الشِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ.

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ أُولِي الْأَمْرِ الَّذِينَ فَرَضْتَ عَلَيْنَا طَاعَتَهُمْ، وَعَرَّفْتَنَا بِذٰلِكَ مَنْزِلَتَهُمْ، فَفَرِّجْ عَنَّا بِحَقِّهِمْ فَرَجاً عَاجِلاً قَرِيباً كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ.

يَا مُحَمَّدُ يَا عَلِيُّ، يَا عَلِيُّ يَا مُحَمَّدُ اكْفِيَانِي فَإِنَّكُمَا كَافِيَانِ، وَانْصُرَانِي فَإِنَّكُمَا نَاصِرَانِ، يَا مَوْلَانَا يَا صَاحِبَ الزَّمَانِ، الْغَوْثَ الْغَوْثَ الْغَوْثَ، أَدْرِكْنِي أَدْرِكْنِي أَدْرِكْنِي، السَّاعَةَ السَّاعَةَ السَّاعَةَ، الْعَجَلَ الْعَجَلَ الْعَجَلَ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.

(مفاتیح الجنان)

اشاریہ

عرفانِ فطرت نمبر

آیت ۳: (اللہ) سب پر مہربان بخشنے والا ہے: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

معنی "رحمٰن" و "رحیم" اور ان دونوں لفظوں کے درمیان فرق کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر میں ہم نے بیان کیا۔ یہاں ایک مسئلہ اور لکھنا مناسب ہے کہ یہ دونوں کلمے ہماری روزانہ کی نمازوں میں اقلاً تیس بار تکرار کے ساتھ آتے ہیں۔ (نماز کی ہر پہلی دو رکعتوں میں بارہ بار)۔ اس طرح ہم ساٹھ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت سے تعریف کرتے ہیں۔ یہ ہم انسانوں کے لئے ایک درس ہے کہ ہر چیز سے زیادہ اپنی زندگی کو اسی رحمت و مہربانی کی صفت سے سنوارنے کی کوشش کریں۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اگر ہم خود کو اللہ تعالیٰ کا عبد اور بندہ جانتے ہیں تو اپنے غلاموں کے ساتھ بے رحم مالکوں کے کردار اور طور طریقے کی خرابیوں کو بھی نظر میں رکھیں۔

ایک بات اور ہے کہ رحمن و رحیم "رب العالمین" کے بعد آئے ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہو سکتا ہے کہ تمام اختیارات کے باوجود ہمیں چاہئے کہ اپنے سے کم رتبہ افراد کے ساتھ لطف و مہربانی کو اپنا مطمح نظر قرار دیں۔

دین اسلام کی ایک اور اصل قیامت

آیت ۴: روز جزا کا حاکم: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

اس جگہ اللہ تعالیٰ کی مالکیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو اس روز (قیامت میں) خدا کے تمام چیزوں اور تمام افراد پر انتہائی تسلط، اختیار و نفوذ کی غمازی کرتا ہے اس روز سب انسان اس عظیم عدالت میں حساب کے لئے حاضر ہوں گے اور اپنے حقیقی مالک کے سامنے کھڑے ہوں گے دنیا میں جو باتیں کی ہیں اور جو کام ان کے اعضاء و جوارح کے ذریعہ پورے ہوئے ہیں یہاں تک کہ جو ان میں تمنائیں اور فکریں تھیں وہ سب وہاں موجود پائیں گے۔ کوئی چیز سوئی کی نوک کے برابر بھی نابود نہیں ہوگی اور فراموش نہیں کی جائے گی۔ اس روز انسان اپنے تمام اعمال کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مالکیت جہان ہستی کی نسبت حقیقی مالکیت ہے انسانوں کی مالکیت کی طرح اعتباری مالکیت نہیں ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ مالکیت الٰہی خالقیت و ربوبیت کا نتیجہ ہے۔ وہ جس نے موجودات کو پیدا کیا اور لحظہ بہ لحظہ انہیں وجود ہستی کا فیض انہیں عطا کرتا ہے وہی موجودات کا حقیقی مالک ہے۔

اس جگہ خود بخود یہ سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس مکمل جہان کا مالک نہیں ہے کہ ہم اسے مالک روز جزا سے تعبیر کریں؟

اس سوال کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مالکیت اگرچہ دونوں عالم کو شامل ہے لیکن اس مالکیت کا ظہور روز بدیہ قیامت میں بیشتر ہے کیونکہ اس روز سب مادی رابطے اور اعتباری مالکیت قطع کر دیئے جائیں گے اور لوگوں کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہوگی یہاں تک کہ اگر شفاعت کی کوئی صورت نظر آئے گی تو وہ بھی خدا کے حکم سے ظاہر ہوگی۔ **بقیہ صفحہ 77 پر**

ISSN: 2454-5392

انوار الحدیث

مرتب: مولانا سید محمد حسنین باقری استاذ جامعہ ناظمیہ لکھنؤ

(۲۳) امام محمد باقر علیہ السلام: خداوند عالم کے کچھ خاص الخاص بندے ایسے ہیں جنھیں وہ بلاؤں میں آزماتا ہے اور عافیت (ایمان) میں زندگی، عاقبت (ایمان) میں روزی اور عافیت (ایمان) میں موت عطا فرماتا ہے۔(المستدرک ج۲،ص۱۴۱،ح۲)

(۲۴) یزید بن خلیفہ ناقل ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے جو فیصلہ بھی مومن کے لئے فرمایا اس میں مومن کی بہتری ہے۔(بحار، ج۷۱،ص۱۵۸،ح۷۵)

(۲۵) ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم اپنے بندۂ مومن کو اس کی پسند اور ناپسند سے یوں روکتا ہے، جیسے کوئی شخص اپنے اونٹوں میں دوسرے اونٹ کو نہ آنے دے۔(بحار، ج۶۷،ص۲۴۳،ح۸۰)

(۲۶) امامؑ نے فرمایا: خداوند عالم مومن کی نگہداشت فرماتا ہے چالیس دن گزر جاتے ہیں تو حفاظت کے طور پر یا تو جسمانی بیماری میں مبتلا فرماتا ہے، یا اہل وعیال، مال واسباب پر کوئی مصیبت ڈال دیتا ہے، یا کسی اور دنیاوی زحمت میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اسے اچھا اجر اور اچھا بدلہ دے۔
(بحار، ج۶۷،ص۲۳۶؛ جامع الاخبار،ص۱۳۳)

(۲۷) ابن حمران نے معصوم سے سنا۔کوئی مومن ایسا نہ ہوگا جس پر چالیس راتیں گزریں مگر یہ کہ کوئی چیز ایسی نہ آئے جو اس کو یاد دہانی کرائے اور اس پر اجر دیا جائے کم از کم یہی ہوگا کہ وہ بھول جائے کہ کہاں اور کس عالم میں ہے۔(بحار، ۶۷،ص ۲۳۷؛ جامع الاخبار،ص ۱۳۳)

(۲۸) ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: مومن چالیس دن تک ایک حالت میں رہ ہی نہیں سکتا۔خدا ضرور اس کی نگہداشت فرمائے گا یا جسم کو تکلیف ہوگی، یا مال جاتا رہے گا، یا کوئی ایسا صدمہ ہوگا جس کا اسے اجر دیا جائے گا۔(التمحیص، ح۱۱)

(۲۹) امام علیہ السلام نے فرمایا: تین باتوں میں سے تینوں یا کم از کم ایک بات تو مومن کے لئے ضروری ہوگی کوئی ساتھی جو اس کے لئے گھر کا دروازہ بند کردے، یا پڑوسی جو اسے دکھ دے یا کوئی شخص اس کی راہ میں رکاوٹ بنے۔مومن تو اگر پہاڑ کی چوٹی پر چلا جائے جب بھی کوئی شیطان اُسے اذیت دینے کے لئے پہنچ جائے گا،ہاں خدا اس کا ایمان اس کی ڈھارس بنادے گا۔(المستدرک، ج۲،ص۸۷،ح۷؛ بحار، ج۶۸،ص۲۱۸،ح۷)

(۳۰) محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا حضور فرماتے تھے: مومن چالیس راتوں کے گزرنے سے پہلے کسی ایسی بات سے ضرور دوچار ہوگا جو اسے تکلیف دے اور یاد خدا کا باعث ہو۔(بحار، ج۶۷،ص۲۱۱،ح۱۴؛ وسائل، ج۲،ص۹۰۷،ح۷؛ اصول کافی، ج۲،ص۲۵۴،ح۱۱)

(۳۱) ابو الصباح کہتے ہیں۔میں حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے اپنے مشکلات بیان کرتے ہوئے کہا میرے والد نے عاق کردیا، بھائیوں نے چھوڑ دیا، دوستوں نے بے وفائی کی امامؑ نے فرمایا: حق کو بھی اقتدار حاصل ہوتا ہے، باطل کا بھی دور اقتدار ہوتا ہے۔ہر شخص اپنے حریف کے اقتدار میں ذلیل ہوتا ہے۔مومن کو باطل کے اقتدار میں کم از کم یہ نقصان پہنچتا ہے کہ اس کے باپ بھائی اسے چھوڑ دیں، دوست احباب بے وفائی کریں۔مومن کو باطل کے اقتدار میں فارغ البالی نصیب ہی نہیں ہوسکتی اور اگر اسے اس دور میں خوش حالی مل جائے تو خداوند عالم اسے جسم، مال یا اہل وعیال کے بارے میں کسی نہ کسی آزمائش میں ضرور مبتلا کرے گا یہاں تک کہ اسے حکومت باطل میں حاصل ہونے والی خوش حالی سے نجات دے تاکہ حق کے دور اقتدار میں اس کا حصہ زیادہ ہو۔صبر کو شعار بناؤ اور بشارتیں قبول کرو۔(اصول کافی، ج۲،ص۴۴۷،ح۱۲)

(۳۲) امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہما السلام سے منقول ہے: جب میت نہلائی جارہی ہوگی اس وقت مومن کہے گا، اے روح! تجھے جسم سے رشتہ توڑنا کتنا آسان معلوم ہوا؟ روح کہے گی۔میں بلا نقصان اور غم کے ساتھ رہ کر کیا کرتی۔(بحار، ج۶،ص۲۴۳،ح۶۷) ✿✿✿

ISSN No.2455-636X

آیت اللہ العظمیٰ السید علی سیستانی مدظلہ العالی

مسئلہ 643: اگر کوئی شخص مردہ انسان کے بدن کو مس کرے یعنی اپنے بدن کے کسی حصے کو اس تک پہونچائے تو دو شرط کے ساتھ غسل مس میت کرنا ضروری ہے: الف: جب میت کا پورا بدن سرد ہو گیا ہو۔ ب: میت کو غسل نہ دیا گیا ہو یا ابھی غسل مکمل نہ ہوا ہو۔

اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے چاہے میت مسلمان کی ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا یہاں تک ساقط ہونے والا بچہ جس میں روح آگئی ہے وہ بھی شامل ہے چاہے نیند میں مس کرے یا بیداری میں: اختیار سے مس کرے یا بغیر اختیار کے یہاں تک کہ اگر اس کا ناخن یا دانت میت کے ناخن یا دانت یا ہڈی جو بدن سے جدا نہ ہوئی ہو اس تک پہونچ جائے تو غسل ضروری ہے اور بال کے بارے میں جو حکم ہے وہ آئندہ مسئلہ میں آئے گا۔

مسئلہ 644: اگر اپنے بال کو میت کے بدن سے یا اپنے بدن کو میت کے بال سے یا اپنے بال کو میت کے بال سے مس کرے تو غسل مس میت واجب نہیں ہے۔

مسئلہ 656: جو شیعہ اثنا عشری محتضر ہے یعنی جان کنی کے عالم میں ہے چاہے مرد ہو یا عورت بڑا ہو یا چھوٹا اس کو قبلہ کی طرف کرنا ہر مسلمان پر احتیاط واجب کی بنا پر لازم ہے یعنی بصورت امکان احتیاط کی بنا پر اس کو اس طرح پشت کے بل لٹانا چاہیے کہ اس کے پیر کے تلوے قبلہ کی طرف ہوں چنانچہ جانتا ہو کہ خود محتضر راضی ہے اور محتضر ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو قاصر ہیں مثلاً نابالغ بچہ یا دیوانہ نہ ہو تو اس کام کے لیے ولی سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے اس کے علاوہ دوسری صورت میں ولی سے اجازت لینا احتیاط کی بنا پر لازم ہے۔

مسئلہ 657: احتضار کی حالت میں خود محتضر پر قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ احتیاط مستحب یہ ہے کہ بصورت امکان محتضر اپنے کو قبلہ کی طرف کرے۔

مسئلہ 658: بہتر ہے کہ جب تک میت کا غسل مکمل نہ ہوا ہو میت کو اس طرح جو مسئلہ نمبر 656 میں ذکر ہوا ہے قبلہ کی طرف لٹائیں اور غسل کے مکمل ہونے کے بعد بہتر ہے کہ اس کو اس طرح لٹائیں جس طرح نماز جنازہ پڑھتے وقت لٹاتے ہیں۔

مسئلہ 659: مستحب ہے شہادتین، بارہ اماموں کا اقرار اور دوسرے عقائد حقہ اس کے سامنے جو جان کنی کے عالم میں اس طرح تلقین کرے کہ سمجھ لے اور مستحب ہے ان چیزوں کی مرتے وقت بھی تکرار کرے اور دعائے عدیلہ کا پڑھنا بھی مناسب ہے۔

مسئلہ 660: مستحب ہے اس دعا کو اس طرح محتضر کو تلقین کریں کہ وہ سمجھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیَ الْكَثِیْرَ مِنْ مَعَاصِیْكَ وَاقْبَلْ مِنِّی الْیَسِیْرَ مِنْ طَاعَتِكَ، یَا مَنْ یَقْبَلُ الْیَسِیْرَ وَیَعْفُوْ عَنِ الْكَثِیْرِ، اِقْبَلْ مِنِّی الْیَسِیْرَ وَاعْفُ عَنِّی الْكَثِیْرَ، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَفُوُّ الْغَفُوْرُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ فَاِنَّكَ رَحِیْمٌ" اور کلمات فرج کو محتضر کے لیے تلقین کرنا مستحب ہے اور اس سے مراد یہ دعا ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا فِیْهِنَّ وَمَا بَیْنَهُنَّ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"

مسئلہ 661: محتضر کی آسانی کے لیے اس کے سرہانے سورہ مبارکہ یاسین اور سورہ صافات سورہ احزاب اور آیۃ الکرسی اور سورہ اعراف کی چوّنویں آیت اور سورہ بقرہ کی آخری تین آیتیں پڑھنا مستحب ہے بلکہ قرآن مجید جتنا ممکن ہو پڑھے۔

مسئلہ 662: مستحب ہے جس کی جان سختی سے نکل رہی ہو اگر میت کو اذیت نہ ہو تو جہاں وہ نماز پڑھتا ہو اسے لے جائیں۔

ISSN No.: 2348-483X

زیارات: مقدس مقامات میں انبیاء و رسول ائمہ اطہارؑ و خاصان خدا کی قبروں کی زیارت خصوصی حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل یہ شعائر اللہ ہیں جو ہمارے ذہنوں کو اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

روضۂ رسولؐ: حضرت خاتم انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا روضۂ اطہر، اس کا سبز گنبد آج بھی مومنین و مسلمین کے دلوں کو اپنی جانب جذب کرتا ہے۔ اس زیارت کی کتنی اہمیت ہے خود ہمارے نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مَن حجّ ولم یزر قبری فقد جفانی (التوسل والزیارۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ محمد الفقی، ص ۴۸ و ۴۹)'' جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر جفا کی''۔ لیکن اس عالمی وبا کووڈ 19 کی وجہ سے حرم خدا کے ساتھ ساتھ حرم رسول ﷺ بھی طویل عرصہ تک بند رہا۔ یہ بھی ایک اشارہ ہے ان دعویداران عاشقان رسولؐ کے لئے کہ جو آثار رسول کو تو کسی حد تک اہمیت دیتے ہیں۔ لیکن اصل میں ذاتی مصلحتوں اور اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے تعلیمات رسول کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج دنیا بھر میں ان عناصر کے ذریعہ جو اپنی نسبت رسولؐ کی طرف دیتے ہیں لیکن اپنی حرکتوں کے ذریعہ رسولؐ اور ان کے پیغام کو دنیا بھر میں بدنام کرکے رکھ دیا۔ انہیں کے باطل نظریات کی وجہ سے خدام حرم کا دعویٰ کرنے والے شہنشاہیت و بادشاہت کے پیرائے میں ہر وہ عمل بدانجام دے رہے ہیں جو روح رسولؐ کی اذیت کا سبب ہے۔ یہ تعطل اگر راہ صواب سے ہٹ جانے والوں کو راہ راست پہ لے آئے تو کورونا وبا عذاب نہیں بلکہ امت مرحومہ کے لئے رحمت بن جائے۔

مزارات ائمہ اطہار و اولیاء اللہ علیہم السلام: ان مزارات کے ذریعہ ہم پہ منکشف ہوتا ہے کہ ان کی ابدی آرام گاہیں ہیں کہ جنہوں نے پیغام توحید کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیاں دے کر اسلام کے چہرے کو سرخرو کیا۔ نجف میں روضہ امیر المومنینؑ کیا مقدس جگہ ہے جس کی زیارت کے لئے مخبر صادقؐ کا ارشاد موجود ہے: ''مَن زارَ علیّاً بعد وفاتہ فلہ الجنۃ'': جو بھی علیؑ کی رحلت کے بعد ان کی زیارت کرے اس کے لیے جنت ہے (موسوعہ زیارات المعصومینؑ، ج ۲، ص ۳۹، ح ۵۰۷) معصومہ کونینؑ سلام اللہ علیہا کی مزار مقدس نگاہوں سے پنہاں ہے۔ پیغمبر کی حدیث ہے: مَا بَیْنَ قَبْرِی وَمِنْبَرِی رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ (الحدائق الناضرۃ، المحقق البحرانی، ج ۷، ص ۴۱۶) میرے منبر و قبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اجل علماء کا خیال ہے کہ یہی جگہ قبر معصومہ کونین سلام اللہ علیہا ہے۔ بقیع میں آپ کی قبر مطہر کے تاریخی حوالے بھی موجود ہیں۔ وہاں قبر نہ بھی ہو تو جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا اور ائمہ اطہارؑ امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادق علیہم السلام کی پاکیزہ قبروں نے جنت البقیع کو درحقیقت جنت البقیع بنا دیا ہے۔ کربلائے معلیٰ میں امام حسین علیہ السلام کے روضے و دیگر شہدائے کربلا کے مزارات کی وجہ سے حدیث میں اس خطہ کو جنت کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رسول اکرم ﷺ ہے: ''یا جابر! زُر قبر الحسین بکربلاء فانّ کربلا قطعۃ من الجنۃ'': اے جابر کربلا میں قبر حسینؑ کی زیارت کرو، اس لیے کہ کربلا جنت کا ایک

ISSN No.2455-636X

لکھوا ہے' (پرتوی از عظمت حسینؑ ص ۸۴) اسی طرح کاظمین شریفین میں زیارت قبور امام موسیٰ کاظمؑ و امام تقی علیہما السلام کی بڑی اہمیت ہے۔ امام معصوم کا ارشاد ہے: "مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبِي الْحَسَنِ (ع) فَلَهُ الْجَنَّةُ" "جس بغداد غرب میں ابو الحسن کی زیارت اس کے لیے جنت ہے (کامل الزیارات، ص ۳۰۱)۔ اس سرزمین پر مزارات علمائے حقہ کی بھی بڑی تعداد موجود ہے۔ اسی طرح سامرہ میں اگر امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے مزارات کا شاندار گنبد آج بھی دعوت فکر و نظر دے رہا ہے۔ تو سرداب مقدس کا وجود آئندہ ایک ایسی ظہور فرمانے والی شخصیت کی جانب اشارہ کر رہا ہے جو حدیث پیغمبر ﷺ کے مطابق دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم و جور سے پُر ہے: "یملؤ الأرض عدلا وقسطا كما ملئت ظلما وجورا"۔ (بحار الانوار: ج ۵۲ ص ۳۹۰ ب ۲۷ ح ۲۱۲) اسی طرح مشہد مقدس میں ثامن الائمہ کا پر وقار وسیع روضہ، قم مقدسہ میں معصومۂ قم فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا روضہ امام زادوں کے دیگر مزارات۔ تہران میں شاہ عبد العظیم الحسنیؑ کا وہ روضہ کہ جس کی زیارت، زیارت امام حسینؑ کے مثل قرار دی گئی ہے۔ دیگر دو امام زادوں کے روضے اسی تہران میں بانی انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کا مزار بھی ہے کہ جنہوں نے شہنشاہیت کے تاج کو ٹھوکروں میں لاکر صرف وقار عمامہ رسولؐ ہی کو برقرار نہیں رکھا بلکہ ان کی با عظمت شریعت کو پورے ملک میں نافذ کرا کے باغیان شریعت کے چہرے پر وہ طمانچہ رسید کیا ہے کہ جس کی اذیت وہ تا حیات محسوس کرتے رہیں گے۔ اب وہ تمام مزارات جہاں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی وہاں سناٹا اتنا زیادہ رہا کہ لوگوں کو گھٹن محسوس ہونے لگی۔ لیکن یہ بھی ایک پیغام تھا ان لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے زیارات کو رسم بنالیا تھا۔ زیارت گاہوں پر عقیدت مند جس جذبے اور خلوص سے حاضر ہوتے تھے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کو لے جانے والے کاروان زیارات پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں بعض نے زائرین کی اس طرح خدمت کی کہ ان کی تعریف میں ان قافلوں میں جانے والوں کی زبانیں نہیں تھکتیں۔ لیکن بعض کارواں ایسے بھی سامنے آئے کہ جنہوں نے اس مقدس سفر کو ذریعۂ اقتدار بنادیا۔ اور زائرین کو لوٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس سفر زیارت سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا تو اندازہ ہی نہیں۔ لیکن سوء استفادہ کرنے والوں کی بھی ایک تعداد موجود ہے۔ جو یہ جسارت کر بیٹھتے ہیں کہ اپنے جرائم پر حج و سفر زیارت کا مقدس پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس عظیم نعمت کی قدر نہ کرنے کی وجہ سے اس شرف سے طویل المدت محرومی رہی ہے۔

خدائے متعال وہ ذات گرامی ہے اور خاصان خدا رسولؐ و آل رسولؐ کی وہ مقدس بارگاہیں ہیں کہ جہاں اگر توبہ و ندامت کا سہارا لیا جائے تو کوتاہیوں کا با آسانی جبران ہوسکتا ہے۔ اور سلب شدہ نعمتیں پھر واپس آسکتی ہیں جزوی طور پر جیسا کہ ہوا بھی۔

دینی اجتماعات: دینی اجتماعات بھی اللہ کی وہ نعمتیں تھیں کہ جن کے ذریعہ دامن ایمانی پُر تھا لیکن افسوس کہ ان اجتماعات کی نعمتوں کی قدر دانی نہ ہوئی عصر حاضر میں یہ نعمات الٰہی ہم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ مدح اہل بیت اطہار علیہم السلام کی بعض مقدس محفلیں سوء استفادہ کا شکار ہوگئیں بلکہ حد تو ہوگئی کہ حرام و نجس مشروب کے دلدادہ افراد نے بھی مدح خوانی میں جھجک محسوس نہیں کی۔ نماز دین کا ستون ہے۔ افضل اعمال ہے، اس کے سلسلے میں بھی شرط ہے: "لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ"۔ (سورہ نساء، آیت ۴۳) نشے کی حالت میں نماز کے قریب تک نہ جانا۔ اور بے حب اہل بیتؑ عبادت حرام ہے اور نماز کے تشہد میں محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر صلوات نہ ہو تو نماز قابل قبول نہیں۔ تو پھر انہیں ذوات قدسیہ کی ثنا خوانی بعض جسور افراد کے ذریعہ نجس زبانوں سے کرنے کی اگر کوشش کی جائے تو کیا یہ بہت بڑا ارتکاب جرم نہیں ہے؟ اشعار بھی ویسے ہی ہونا چاہئے کہ جن میں وہ میٹر ہو جو خوشنودی خدا و رسولؐ اور معصومین علیہم السلام کا سبب ہو۔ اگر اس کے برعکس ہو تو اس کو عمل مستحسن نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مدح گوئی میں نمونۂ عمل حسان و فرزدق، دعبل خزاعی، سید حمیری، انیس و دبیر و فراست ہونا چاہئے کوئی اور نہیں۔ لیکن گزشتہ زمانے میں جو صورت حال رہی ہے کیا اس نے اس نعمت کے ہاتھوں کو چھن جانے کی دعوت نہیں دی ہے؟

مجالس عزا:

مجالس عزا، ایسے منفرد اجتماعات رہے ہیں کہ جن کے اندر قوم کے عقائد و اعمال کو نکتہ کمال پر پہنچانے کی مکمل صلاحیت رہی ہے۔ مخلصین کو چھوڑ کر بعض خود غرض اور نام و نمود کے دلدادہ افراد نے مذکر مقدس کی اہمیت اور اسکے مثبت اثرات پر توجہ دی اور نہ احترام منبر رسولؐ پیش نظر رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے دینی شعور کا دامن خالی ہوتا رہا۔ اور بعض جیبیں بھرتی رہیں۔ اسے ان کی دین اور رہنمایان دین سے وفاداری نہ کہا جائے گا بلکہ اپنی مادیت کی وفاداری شمار ہوگی۔ ہم نے دیکھا کہ بعض حضرات نے اس عظیم نعمت کے استعمال میں معصومینؑ کی ایما کا خیال نہ کیا۔ بلکہ اپنے خواہشات کو دینی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے ایسے افراد ہیں جن کے اندر مظاہرہ دینداری تو بہت رہا ساتھ دنیاداری بھی بہت زیادہ دیکھی گئی۔ اسی طرح سے بعض دعویداران محبت عملی میدان میں ثبوت محبت و مودت پیش کرنے میں قاصر رہے۔ ان کے جو تعلیمات تھے ان پر اپنے ضروریات و خواہشات کو ترجیح دی۔ یہ حضرات معصومینؑ ہم سے کیا چاہتے تھے ان کی قربانیاں ہم سے کیا مطالبہ کر رہی تھیں؟ یہی تو کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتے رہو کہ جس کے اندر سیرت رسولؐ و آلؑ کی خوشبو رچی بسی ہو۔ انحراف کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقداد و ابوذر و سلمان کے پیرو تو نہ ملے بلکہ اس کے برعکس مخالفین آل محمدؐ کی روش و سیرت کے مکروہ نقوش ابھر ابھر کر سامنے آتے رہے۔ بعض بستیوں میں انہیں اجتماعات کے اندر اختلافات کی ہوائیں چلتی نظر آئیں کسی اور بزم میں ایک ساتھ بیٹھ کر گفتگو و خورد و نوش معیوب نہ رہا لیکن فرش عزا پر ایک ساتھ بیٹھنا آمرانہ مزاج طبیعتوں پر بڑا بار رہا۔ اب لیجئے آج کووڈ19 کی وبا نے سوشل ڈسٹنسنگ کو ضروری قرار دے دیا کل کی ایمانی قربتیں گوارا نہیں تھیں تو لو آج طبی ضرورتیں تمہیں ایک دوسرے سے اتنا دور کر دیں گی کہ باوجود آرزو کے تم قریب نہ آسکو گے۔ نعمت موانست کو تم نے طاق نسیاں کی نظر کر دیا تو آج دوریاں تمہارا مقدر بن کر رہ گئیں ہیں۔

اجتماعات غم:

کیا یہ آج ایصال ثواب کے اجتماعات کا استحصال نہیں ہے کہ کسی مرحوم کے سیوم کے دن جبکہ ایک غمزدہ کنبہ اپنے عزیز کی دائمی جدائی کو برداشت کرنے کی حیثیت میں نہیں ہے اسے تمہارے لئے دسترخوان ضیافت بچھانا ضروری ہو گیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا ایک اہم مقصد بھولے ہوئے دین و شریعت کے سبق کو یاد دلانا بھی تھا۔ تم نے اسی کو دین و شریعت سے بغاوت کا ذریعہ بنا دیا۔ شریعت تو یہ کہتی ہے کہ کسی ایسے غمزدہ کے گھر قریبی اعزاء و ہمسائے وغیرہ مسلسل تین دن تک کھانا پہنچاتے رہیں۔ اس کے برعکس تم اس غمزدہ کے دسترخوان پر خود ہی کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ باہر سے آنے والوں کا خورد و نوش تو گوارا ہے لیکن آس پاس والوں نے بھی اس دسترخوان سے استفادہ کو اپنا سماجی فریضہ سمجھ لیا۔ سیوم اور پھر چالیسویں کے پرشکوہ اجتماعات اپنی ذات اور اپنی حیثیت کے پہنچوانے اور منوانے کا ذریعہ بن گئے۔ ایصال ثواب تو برائے نام رہا مذہبی اجتماعات العیاذ باللہ سیاسی جلسے بن کر رہ گئے۔ اس دنیا سے رخصت ہو جانے والے بے چارے مرحوم کی روح ایصال ثواب کے ذریعہ روحانی غذا حاصل کرنے کے لئے ترستی رہی۔ اور لباس عزا میں نظر آنے والے پسماندگان اجتماعات کی اس نوعیت پر دل ہی دل میں مسرور ہوتے رہے کہ ان کے اپنے ذاتی مقاصد کو اجاگر کرنے کا زریں موقع ہاتھ آگیا۔ لیجئے موجودہ حالات میں وہ سارا اہتمام رخصت ہوا۔ میتوں کے لئے ہدایت تھی مشایعت جنازہ کریں گناہ بخشے جاتے ہیں ایسے مواقع پر دنیاوی گفتگو کا کیا انتہائی مستحب عمل سلام تک کو متروک رکھا گیا تھا۔ مگر یہ مشایعت جنازہ کے موقع پر زور و شور سے سیاسی گفتگو دنیاداری کے تذکرے ہنسی مذاق ان سب چیزوں نے آج میتوں کے مشایعت کرنے والوں کی کثرت سے محروم کر دیا۔ جس کی ذمہ دار یہ میتیں نہیں بلکہ غیر ذمہ دار مشایعت کرنے والے ہیں۔

تقاریب مسرت: ہدایت تو یہ تھی کہ شادی بیاہ کی تقاریب میں جانے میں تاخیر کرو وہاں دنیا یاد آئے گی۔ میتوں میں جانے میں

ISSN No.2455-636X

جلدی کرو وہاں آخرت یاد آئے گی۔لیکن اب تو ہر جگہ دنیا ہی دنیا ہے۔تصور آخرت کہاں۔معمولی معمولی تقاریب کو بھی شان وشوکت کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا گیا۔چاہے وہ عقیقہ کی تقریب ہو، یا ختنہ کی۔ساری توجہ کچھ کھلا کر لفافے وصولنے پر ہوتی ہے۔شادی بیاہ کے تقاریب تو خدا کی پناہ۔صرف دعوت ناموں کی نوعیت یہ کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔وہ تہہ در تہہ دعوت نامے کہ جن کی قسمت انجام کار کسی مقدس مقام کے گوشے کے نشیب ہوتے ہیں ان پر اتنا پیسہ صرف کیا گیا کہ غریب گھر کی لڑکی کی شادی ہو جاتی۔اب تقریب شادی کا اہتمام شروع ہوا۔تزک واحتشام سے جو بارات نکلی وہ ملکی دور جاہلیت کا نمونہ نظر آئی۔کل اسلحہ بند گروہ مطلوبہ لڑکی کو طاقت کے بل پر اٹھانے کے لئے جاتے تھے اور آج بس یہی فرق ہوا کہ یہ پرحشم بارات نکاح کے بعد لڑکی کو رخصت کرا کے اس کے سسرال پہنچا دے گی۔بلکہ اکثر باراتی اس سے پہلے ہی پہلے اپنے گھر کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔مجھے ایک شہر میں ایک تقریب شادی کی دعوت ملی، بارات بھی فائیو اسٹار ہوٹل میں ولیمہ بھی فائیو اسٹار ہوٹل میں۔ایک پلیٹ دو ہزار سے زیادہ کی۔میں نے لڑکے کے باپ سے کہا یہ تو اسراف ہے اتنا زیادہ خرچہ آپ کیوں کر رہے ہیں۔سر جھکا کر جواب دیا ایک ہی لڑکا ہے سب کی تمنا تھی کہ اعلیٰ پیمانہ پر یہ تقریب انجام پائے۔خدا اور رسولؐ کی ایما کا خیال نہ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے خواہشات بھی پامال ہوئے بارات کے دن شہر کا امن وامان درہم برہم ہو گیا بد وقت تمام لوگ ہوٹل پہنچ سکے۔ولیمہ کے دن ایسی حالت تھی کہ بقول نصف سے زیادہ پکا ہوا کھانا بچ گیا۔کاش اگر یہ نیت ہوتی کہ یہ غیر معمولی رقم غریبوں کے بچوں کی شادیوں پر لگائی جائے گی تو امکان قوی یہی ہے کہ یہ نوبت نہ آتی۔ولیمہ کا یہ بھی المیہ ہے کہ کارڈ پر لکھا تو ہوتا ہے ''ولیمہ مسنونہ'' لیکن اس سنت کی ادائیگی میں بعض افراد کھانے کے عوض لفافہ لینے سے نہیں چوکتے۔کاش یہ لفافہ صرف لڑکی کی شادی تک محدود رکھا جاتا تو بہتر تھا۔یہ رشتہ جس کے لئے قرآن نے اعلان کیا تھا کہ: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً۔ (سورہ روم، آیت ۲۱) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ نے تمھیں میں سے تمہاری شریک زندگی کو قرار دیا۔تاکہ اس رشتہ ازدواج کے ذریعہ تم اس سے سکون حاصل کرو۔یہ اللہ کی نشانی نعمت الٰہیہ تھی جس سے منہ موڑ لیا گیا تو گھر میدان جدال بن گئے۔سکون رخصت ہو گیا، محبت ومودت کے بجائے نفرت وعداوت نے اپنی جگہ بنا لی۔اور اب لیجئے ایک مدت کے لئے وہ سب بھی ختم ہوا اور چند آدمیوں پر مشتمل تقاریب نکاح نے معاشرہ کو آئینہ دکھا دیا۔یقیناً یہ مواقع نعمات الٰہیہ سے سرفراز ہونے کا ذریعہ تھے جن سے ہم نے سوء استفادہ کیا تو انہوں نے ہم سے منہ موڑ لیا۔

چشم دید مثالیں:

حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا میں ظالموں نے زبردست تباہی مچا رکھی تھی اور اب خود انہیں تباہیوں کا سامنا ہے۔کچھ مقامات کو تو ہم امتحانی منزلوں میں شمار کرتے ہیں مثلاً مقامات مقدسہ کے مرکز عراق میں اثرات بہت کم ہوئے اور بہت جلد روضہ ہائے مقدس کو زائرین کے لئے کھول دیا گیا۔اسلامی جمہوریہ ایران ابتداءً زد میں تو بہت آیا لیکن شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان شداد صفت افراد کے چہروں سے نقاب ہٹ جائے کہ جنہوں نے اس خود دار ملک پر عرصہ سے ظالمانہ پابندیاں لگا رکھی ہیں۔اور ایسے نازک موقع پر بھی انہوں نے پابندیوں کو نہیں ہٹایا اگرچہ ملک میں یہ وبا تیزی سے کروٹیں لے رہی تھی لیکن بحمد اللہ علماء ومومنین کی دعائیں کام آئیں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا۔اور مقامات مقدسہ کو کچھ شرائط کے ساتھ مومنین وزائرین کے لئیے کھول دیا گیا۔لیکن بعض ممالک وہ ہیں جن میں اٹلی، اسپین، اور امریکہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ویڈیو موجود ہیں کہ جب چین میں یہ وبا پھیلی تو ان تین ممالک میں باقاعدہ ریلیاں نکال کر اس کا مذاق اڑایا گیا۔اور پھر نتیجے میں انہیں زبردست تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ہمارے ملک میں یہ وبا ابتداء میں تیزی سے نہیں پھیلی لیکن دھیرے دھیرے اس نے خطرناک رخ اختیار کر لیا ہے۔اچانک نافذ کیا جانے والا لاک ڈاؤن اقتصادی ضروریات کی وجہ سے یکم جون سے کچھ شرائط کے ساتھ ختم کرنا پڑا۔یہ ہمارا وطن عزیز ہے ہم یہاں حکمرانوں کو متوجہ کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

اس ملک کا تو اپنا ایک امتیاز تھا ظالموں کی مخالفت کرنا مظلوموں کی حمایت کرنا اس کا وطیرہ رہا تھا لیکن سیاسی مصلحتوں سے کیا سے کیا ہو گیا۔ خانۂ الٰہی کے کھنڈرات آنسو بہاتے رہے۔ دہلی جیسے فسادات میں کتنی ناانصافیاں ہوگئیں غریبوں کا کس طرح خون ہوا بالخصوص کلمہ گویوں کے اوپر کس طرح قہر توڑا گیا لیکن انہیں انصاف نہ ملا۔ قوانین میں نئی نئی تبدیلیاں کر کے غیر ملکیوں کو ملک کا شہری بنانے کی پر زور کوششیں جاری ہیں اور جو شہری ہیں انہیں ملک بدر کرنے کی ظالمانہ تدبیریں ہو رہی ہیں لیکن حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ دنیا یہ دیکھتی رہی طاقت کا اصل مرکز خدائے واحد ہے دوسروں کی مادی طاقتیں سراب کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب قدرت غضب ناک ہوتی ہے تو جو ہوا وہی ہوتا ہے۔ اور جب عبرت حاصل نہیں کی جاتی تو اس سے زیادہ بھیانک امکانات سر اٹھانے لگتے ہیں۔ تاریخ ما سبق موجود ہے کہ کیا سرکشیوں کی وجہ سے ہواؤں کا طوفان نہیں آیا؟ کیا سیلاب نے بہت کچھ غرق نہیں کر دیا؟ کتنی بستیاں تباہ ہوگئیں۔ بنی اسرائیل پر کیا کیا نعمتیں نہ نازل ہوئیں لیکن ان کی سرکشی نے تباہیوں کو ان کا مقدر بنا دیا۔ ٹڈی دل نے ان کی فصلیں تباہ کر دیں۔ وہ ہریالی جو نعمت بارش سے عالم وجود میں آتی ہے وہ ان بھوکے جانوروں نے بالکل ختم کر دیا۔ اور یہ سبق دے دیا کہ تم نے دنیا کا اقتصادی نظام اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے امراء کو کھلاتے ہو غرباء کو بھوکوں مارتے ہو اب دیکھو یہ چھوٹے سے جانور کا گروہ سب چٹ کر جائے گا اور تم بے بسی سے دیکھتے رہو گے۔ کاش ایک ملک کے ظالم صدر کو غیر معمولی درجہ دے کر تاخیر نہ کر دی گئی ہوتی اور مہلت دے کر پابندیاں لگائی گئی ہوتیں تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ اس کاروان استبداد کے جہاں جہاں بھی قدم گئے وبا نے وہاں وہاں اپنا ٹھکانہ ضرور بنایا، جیسے احمد آباد، آگرہ اور نئی دہلی۔

اس وبا سے ایک معروف تنظیم کے سربراہ اتنا گھبرائے کہ ان کا اعتبار مذہب ہی سے اٹھ گیا لیکن ہمارا اعتبار اپنے مذہب اور خدا پر کچھ زیادہ ہی ہو گیا اس لئے کہ اس کا وعدہ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (بقرہ، ۱۵۳) کا ہے۔ وہ لاچار بندوں کو تنہا نہیں چھوڑا کرتا۔ ایک نہ ایک دن مظلوم سرخرو ہوتا ہے۔ اور ظالم رسوائیوں اور تباہیوں کے غار میں گرتا ہوا نظر آتا ہے۔ پوری دنیا سے ہمیں ہمدردی ہے لیکن اپنے ملک سے خصوصی محبت ہے یہاں یہ عوام ہمارے اپنے ہیں ہمارے بھائی ہیں بارگاہ معبود میں ہماری التجا ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں کو اور یہاں کے عوام کو جلد از جلد گرداب مصائب سے نجات ملے۔ رہے ہم اور ہماری کوتاہیاں تو بعد از خرابیٔ بسیار بھی اس کے تدارک کے مواقع موجود ہیں۔

اگر آج ہم اخلاص نیت کے ساتھ پوری کوشش کرلیں کہ ہم خود کو بھلائیں گے احکام خدا کو یاد رکھیں گے اپنی مادی منفعتوں کو ترجیح نہ دیں گے تو انشاء اللہ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ جب ہم حسب سابق نعمات الٰہیہ کی بارش سے فیاض یاب ہو رہے ہوں گے اور اپنے سر سے غرور کا سودا نکال کر بارگاہ معبود میں پیشانیٔ شکر رکھے ہوئے ہوں گے۔ انشاء اللہ انشاء اللہ۔ (جاری)

خصوصی شمارہ

سرکردہ عالم منفرد صحافی و اہل قلم مولانا حسن عباس فطرت اعلی اللہ مقامہ آخر ماہ صیام میں ہم سے رخصت ہو گئے۔ اس ماہ صیام میں فون کے ذریعہ انھوں نے رابطہ بھی فرمایا تھا۔ یہ لاک ڈاؤن کا زمانہ تھا ادارے کے اراکین و کارکنان اپنی جگہ محصور تھے اس سے قبل اپریل، اور پھر مئی کے شمارے صرف آن لائن سامنے لائے جاسکے۔ ایسے ماحول میں کسی خصوصی شمارے کی اشاعت کارے دارد کی منزل میں تھی۔ لیکن مرحوم کے ادارے سے جو روابط تھے اور ان کے جو قلمی احسانات ہیں ان کا تقاضہ تھا کہ فوراً ان کے سلسلے میں خصوصی شمارے کی اشاعت ہو جو موجودہ شکل میں حاضر خدمت ہے۔ مجھے طویل عرصے تک لاک ڈاؤن کی وجہ سے وطن میں رہنا پڑا۔ عزیزی محمد حسنین باقری نے نمبر کو مضامین حاصل کر کے مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ عزیزی سید محمد مہدی باقری سلمہ نے انتظامی امور سنبھالے اور بحمداللہ جیسا بھی ہے یہ نمبر آپ کے سامنے ہے۔ جیسا چاہتے تھے ویسا تو نہ ہو سکا لیکن پھر بھی جو ہو گیا ہے وہ احسان معبود ہے۔

ISSN NO.2455-636X

عقائد امامیہ (۱۷)

ظالموں کی مدد

علامہ شیخ محمد رضا مظفر اعلیٰ اللہ مقامہ

چونکہ ظلم ایک بڑا گناہ ہے اور اس کا نتیجہ بہت برا ہوتا ہے اس لیے خدا نے ظالموں کے ساتھ شریک ہونے اور ان کو سہارا دینے سے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (سورہ ہود آیت ۱۱۳)

”ظالموں کے ساتھ شرکت اور دوستی نہ کرو جو تم آگ میں جا پڑو، تم خدا کے سوا اور کسی سے دوستی نہ کرو ورنہ پھر کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا“

یہ ہے قرآن کی تربیت کا ڈھنگ اور وہ ہے اہل بیتؑ کے تربیتی مکتب کا انداز!

ظالموں کی مدد کرنے، ان کی تقویت کا باعث بننے اور ان کے ساتھ کسی کام میں شرکت کرنے سے چاہے، وہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے برابر ہی ہو، پرہیز اور نفرت کرنے کے سلسلے میں ائمہ اہلبیتؑ کی بہت سی روایات ہم تک پہنچی ہیں۔

اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی بدبختی اور مصیبت یہ رہی ہے کہ ظالموں سے نرمی کرتے ہیں ان کے برے کاموں سے چشم پوشی کرتے ہیں اور ان سے تعلق قائم رکھتے ہیں، پھر یہ تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے کہ ان سے نہایت گرمجوشی سے ملیں اور ظلم ڈھانے میں ان کی مدد کریں۔

واقعی حق کی راہ سے ہٹ کر مسلمانوں پر کیا کیا بدبختیاں اور نحوستیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کے منحوس سائے میں دین دھیرے دھیرے کمزور ہوتا گیا اور اس کی طاقت گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دین اجنبی ہو گیا اور مسلمان یا وہ لوگ جو صرف ظاہر میں مسلمان ہیں اور وہ جو غیر خدا سے دوستی کرتے ہیں خدا کی دوستی اور توفیق میں شامل نہیں رہے اور خدا کی مدد سے ایسے محروم ہو گئے کہ اب طاقتور عیسائی دشمنوں کا تو ذکر ہی کیا، یہودیوں جیسے سب سے زیادہ کمزور دشمنوں اور ظالموں سے مقابلے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

ائمہ اطہارؑ بہت کوششیں کرکے شیعوں اور اپنے ماننے والے لوگوں کو ایسی باتوں سے جو ظالموں کی مدد کا موجب ہوتی تھیں الگ رکھتے تھے اور اپنے محبوں کو سختی سے تاکید کرتے تھے کہ ظالموں کی ذرا سی بھی مدد اور دوستی کا اظہار نہ کریں، اس بارے میں ان کے ارشادات شمار سے باہر ہیں، انہی میں ایک وہ بات ہے جو امام سجادؑ نے محمد بن مسلم زہری کو ایک خط میں لکھی تھی۔ آپ اس خط میں دشمنوں کی مدد سے خبردار کرنے کے بعد ان کے ظلم کے متعلق لکھتے ہیں: اَوَلَیْسَ بِدُعَائِھِمْ اِیَّاکَ ... رَجُلٍ مَسْؤُلٍ۔

”کیا تمہارے لیے دشمنوں کے بلاوے کی یہ غرض نہیں تھی کہ تم کو اپنے ظلم کی چکی کا محور و مدار اور پشت و پناہ بنالیں اور تمہیں اپنے منحوس مقاصد تک پہنچنے کے لیے پل، اپنی گمراہی کی سیڑھی، ظلم کا اعلان کرنے والا اور اپنے ظلم کے راستے کا مسافر سمجھ لیں۔

انہوں نے تمہاری شمولیت سے عقلمندوں کے دل میں شک پیدا کر دیا اور تمہارے وسیلے سے بیوقوفوں کے دل اپنی طرف مائل کر لیے۔

انہوں نے اچھے موقعے پر اپنا فساد چھیڑ کر اور خاص و عام کی توجہ اپنی طرف کر کے جو فائدہ تم سے اٹھایا وہ خاص الخاص وزیروں جی حضوریوں اور سب سے زیادہ طاقتور دوستوں سے بھی انہیں اٹھایا، تمہارے دیے ہوئے کے بدلے میں انہوں نے جو کچھ تمہیں دیا وہ بہت تھوڑا ہے اور تمہاری اتنی ساری بربادیوں کے بدلے میں انہوں نے جو کچھ تمہارے لیے بنایا وہ بہت کم ہے۔ اپنے نفس کے بارے میں سوچو کیونکہ تمہارے علاوہ اور کوئی اس کے متعلق نہیں سوچے گا اور اپنے نفس سے اتنا حساب لو اور اتنی پوچھ گچھ کرو جتنا ایک ذمے دار اور فرض پہچاننے والا آدمی اس سے حساب لے گا۔"

(نوٹ تحف العقول من آل الرسول صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مسسۃ الاعلی للمطبوعات بیروت ۱۹۷۴)۔

امامؑ کا آخری جملہ واقعی اہم ہے کیونکہ جب انسان پر خواہش نفسانی غالب آجاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے ضمیر میں بہت ہی حقیر اور ہیچ محسوس کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خود کو اپنے اعمال کا ذمے دار نہیں پاتا۔ اپنے کام بہت چھوٹے گنتا اور سوچتا ہے کہ ان کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ اس طریقے کا اختیار کرنا انسان کے نفس امارہ کی خفیہ کارروائیوں میں شامل ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کا اس بیان سے یہ مقصد ہے کہ محمد بن مسلم زہری کو نفس کے ان بھیدوں سے جو ہمیشہ انسان میں موجود رہتے ہیں آگاہ کر دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر یہ خیال غالب آجائے اور وہ انہیں ان کی ذمے داری کے مقام سے ہٹا دے۔

ظالموں کے ساتھ کام کرنے کے گناہ کو آنکھوں کے سامنے لے آنے میں پچھلی گفتگو سے زیادہ واضح اور پرتاثیر صفوان جمال (اونٹ والے) سے ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی بات چیت ہے۔ صفوان ساتویں امامؑ کے شیعہ اور معتبر راوی تھے۔

کشی کی کتاب رجال کی روایت کے مطابق جو انھوں نے "صفوان ان سے بیان کرتے ہیں" کے ذیل میں دی ہے، صفوان نقل کرتے ہیں کہ میں امام موسیٰ بن جعفرؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے صفوان! ایک کام کے سوا تمہارے سب کام اچھے ہیں۔

میں نے کہا: میں آپ کے صدقے، وہ ایک کام کون سا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ تم اپنے اونٹ اس مرد (ہارون رشید) کو کرائے پر دیتے ہو۔

میں نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے اونٹ حرام، گناہ، باطل، شکار اور عیاشی کے کاموں کے لیے نہیں دیتا بلکہ میں نے اپنے اونٹ مکے جانے کے لیے کرائے پر دیے ہیں اور پھر میں خود اونٹوں کے ساتھ نہیں جاتا بلکہ اپنے غلاموں کو بھیج دیتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: اے صفوان! کیا تمہارے کرائے کی شرط یہ ہے کہ وہ واپس آجائیں؟

میں نے کہا: آپ پر فدا ہو جاؤں، بے شک۔

آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ وہ زندہ واپس آجائیں تاکہ تمہارا کرایہ وصول ہو جائے۔

میں نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپ نے فرمایا: فَمَنْ اَحَبَّ بَقَآءَهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ فَهُوَ اَكِنْ وَّرَدَ النَّارَ: جو ان کے زندہ رہنے کو اچھا سمجھتا ہے وہ انہیں کے زمرے میں داخل ہے اور جو ان کے زمرے میں داخل ہے وہ دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

صفوان کہتے ہیں کہ میں گیا اور میں نے تمام اونٹ ایک دم بیچ دیے۔

ہاں جب محض ظالموں کی زندگی باقی رہنے کی خواہش ایسی ہو سکتی ہے تو پھر اس شخص کا کیا ہوگا جو مستقل طور پر ظالموں کی مدد کرتا ہے اور ان کے ظلم اور زیادتی میں ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور پھر ان کا پوچھنا ہی کیا جو انہیں کی سی عادتیں اختیار کریں اور ان کے ساتھ ان کے کاموں، منصوبوں اور گروہوں میں شریک ہو جائیں۔

ISSN N: 2455-636X

ظالموں کی طرف سے کام قبول کرنا جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ظالموں کی مدد اور ان کے ساتھ کام کرنے کی چاہے ایک کھجور کے ٹکڑے کے برابر ہی کیوں نہ ہو بلکہ ان کے لیے زندگی کی خواہش کرنے کی بھی ائمہ اطہارؑ نے نہایت سختی سے ممانعت کی ہے۔ پھر اس کے بارے میں تو کہنا ہی کیا جائے جو ایسی حکومت میں شریک ہے اور ایسی ظالم حکومت کے منصبوں اور عہدوں پر متعین ہے۔ اس سے بھی آگے اس شخص کے لیے کیا کہا جائے جو ایسی حکومت کی بنیاد ڈالنے والوں میں سے ہو اور جو اس حکومت کو قوت پہنچانے اور مضبوط بنانے والے کارکنوں میں شمار کیا جائے کیونکہ امام جعفر صادقؑ کے فرمان کے مطابق ظالم حکومت تمام صحیح قوانین کے مٹنے، باطل کے زندہ ہونے اور ظلم اور تباہی کے ظاہر ہونے کا موجب بنتی ہے۔

البتہ ائمہ اطہارؑ نے بعض خاص موقعوں پر ان عہدوں کا قبول کرنا جائز سمجھا ہے مثلاً ظالم حکومت کی طرف سے ایک ایسا منصب قبول کرنا جو انصاف قائم کرنے، خدائی سزائیں دینے، مومنوں سے احسان اور نیکی کرنے، حلال کا حکم دینے اور حرام سے منع کرنے کے لیے ہو جیسا کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ ایک حدیث میں فرماتے ہیں: اِنَّ لِلّٰهِ فِيْ اَبْوَابِ الظَّلَمَةِ مَنْ نَوَّرَ اللّٰهُ بِهِ الْبُرْهَانَ وَمَكَّنَ لَهُ فِي الْبِلَادِ اُمُوْرَ الْمُسْلِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا اُولٰٓئِكَ مَنَارُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ اُولٰٓئِكَ نُوْرُ اللّٰهِ فِيْ رَعِيَّتِهٖ۔

"ظالموں کے یہاں خدا کے لیے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے خدا لوگوں پر اپنی دلیل اور حجت ظاہر کرتا ہے اور ان کو شہروں میں اختیار دیتا ہے تاکہ ان کے وسیلے سے اپنے دوستوں کی مدد ہو، ان سے شر دفع ہو اور مسلمانوں کے کام سدھریں ایسے لوگ اصلی مومن ہوتے ہیں، ایسے لوگ زمین پر خدا کی واضح علامتیں اور نشانیاں اور خدا کے بندوں میں اس کی روشنی ہوتے ہیں۔"

اس کے بارے میں ائمہ اطہارؑ سے بہت سی روایتیں ہیں جو مذکورہ حکومتوں کے منصب داروں کے فرائض اور اچھے طرز عمل پر روشنی ڈالتی ہیں مثلاً امیر اہواز عبداللہ نجاشی کے نام امام جعفر صادقؑ کا رسالہ جس کا ذکر ایک بہت بڑے محقق شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ کتاب البیع باب ۷۷ میں کیا ہے۔

اسلامی اتحاد کی ترغیب:

اہل بیتؑ ان چیزوں کی بزرگی اور مضبوطی کی شدید خواہش رکھتے تھے جن سے اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اسلام کی عزت، مسلمانوں کے اتحاد، ان میں بھائی چارے کی حفاظت اور مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں سے ہر قسم کی دشمنیاں دور کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

مولی الموحدین، امام المتقین، امیر المومنین حضرت علیؑ کا ان خلفاء کے ساتھ طرز عمل جو ان سے پہلے مسند خلافت پر بیٹھے تھے بھلایا نہیں جاسکتا۔ اگرچہ آپ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور ان لوگوں کو غاصب، تاہم آپ نے ان کے ساتھ (مسلمانوں کے اتحاد کی حفاظت کی خاطر) صلح جوئی اور مصاحبت رکھی بلکہ (ایک مدت تک) آپ نے اپنا یہ عقیدہ بھی عوام کے مجمعوں میں پیش نہیں کیا کہ منصب خلافت پر جس کا تعین کیا گیا ہے وہ صرف وہی ہیں لیکن جب حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے "میدان رحبہ" (کوفہ کا وہ مقام جہاں امیر المومنین عموماً اپنے دور خلافت میں خطبہ دیا کرتے تھے) میں رسول ﷺ کے باقی ماندہ اصحاب سے جنہوں نے غدیر کے دن حضور سرور کائنات ﷺ کی طرف سے آپ کا تقرر دیکھا تھا گواہی چاہی، آپ نے ان باتوں کا بے جھجک ذکر کیا جن میں مسلمانوں کے فائدے اور بھلائیاں تھیں۔ یہ اسی اتحاد بین المسلمین کے خیال سے تھا جو آپ نے اپنی حکومت سے پہلے کے زمانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فَخَشِيْتُ اِنْ لَّمْ اَنْصُرِ الْاِسْلَامَ وَاَهْلَهٗ اَرٰى فِيْهِ ثَلْمًا وَّهَدْمًا۔

مجھے ڈر تھا کہ اگر میں اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ نہیں دوں گا تو اسلام میں تفرقہ اور تباہی پھیل جائے گی۔

یہی وجہ تھی کہ خلافت شروع ہونے کے بعد امامؑ کی جانب سے کوئی ایسی بات دیکھنے میں نہیں آئی کہ ان کی گفتگو یا عمل سے (اسلام کی طاقت کی حفاظت کے خیال سے، اسلام کے نام پر حکومت پر قبضہ کرنے والے) خلفاء کی طاقت اور دبدبے کو نقصان پہنچے یا ان کی طاقت گھٹنے یا ان کی

شان اور رعب میں بٹا لگنے کا سبب بنتی، خلفاء کی ان کارروائیوں کے باوجود جو آپ دیکھتے تھے اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوئے گھر میں بیٹھے رہے یہ تمام احتیاطیں محض اس لیے تھیں کہ اسلام کے فائدے محفوظ رہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے اتحاد اور میل جول کے محل میں کوئی خرابی اور دراڑ پیدا نہ ہو جس سے اسلام محفوظ رہے۔ چنانچہ یہ احتیاط لوگوں نے آپ ہی سے سیکھی تھی۔

مسلمانوں کے خلیفہ دوم بار بار کہتے تھے:

لَا كُنْتُ لِمُعْضَلَةٍ لَيْسَ لَهَا أَبُو الْحَسَن: خدا نہ کرے کہ میں ایسی مشکل میں پڑوں کہ جہاں ابوالحسن نہ ہوں۔ یا

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ: اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(صحیح بخاری، کتاب المحاربین، باب لا یرجم المجنون، سنن ابی داود، باب مجنون یسرق صفحہ ۱۴۷، مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۴۰ اور ۱۵۴، سنن دار قطنی، کتاب الحدود صفحہ ۳۴۶، کنز العمال، علی متقی، جلد ۳ صفحہ ۹۵، فیض القدیر، مناوی، جلد ۴ صفحہ ۳۵۶، موطا مالک، کتاب الاشربہ صفحہ ۱۸۶، مسند شافعی، کتاب الاشربہ صفحہ ۱۴۶، مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۷۵، سنن بیہقی صفحہ ۱۲۳، ریاض النضرہ، محب طبری، جلد ۲ صفحہ ۱۹۶، طبقات ابن سعد جلد ۲ باب ۲ صفحہ ۱۰۲، شرح معانی الآثار طحاوی، کتاب القضاء صفحہ ۲۹۴، استیعاب، ابن عبد البر، جلد ۲ صفحہ ۴۶۳، نور الابصار، شبلنجی، صفحہ ۵۶۶، در منثور، سیوطی، سورہ مائدہ آیت خمر)۔

امام حسنؑ کی روش بھی کبھی بھلائی نہیں جا سکتی کہ انہوں نے کس طرح اسلام کی حفاظت کی خاطر حاکم شام سے صلح کی، جب آپ نے دیکھا کہ اپنے حق کے دفاع کے لیے جنگ پر اصرار کرنا، قرآن اور عادلانہ حکومت ہی کو نہیں بلکہ اسلام کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹا دے گا اور شریعت الٰہیہ کو بھی نابود کر دے گا تو آپ نے اسلام کی ظاہری نشانیوں اور دین کے نام کی حفاظت ہی کو مقدم سمجھا۔

اگر چہ یہ رویہ اس کے برابر ٹھہرا کہ ان مظالم کے باوجود جن کے بارے میں یہ انتظار تھا کہ آپ پر اور آپ کے شیعوں پر ڈھائے جائیں گے معاویہ جیسے اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن اور آپ سے اور آپ کے شیعوں سے دل میں بغض اور کینہ رکھنے والے دشمن سے صلح کی جائے۔ اگر چہ بنی ہاشم اور آپ کے عقیدت مندوں کی تلواریں نیام سے باہر آچکی تھیں اور حق کے بچاؤ اور حصول کے بغیر نیام میں واپس جانے کو تیار نہیں تھیں لیکن امام حسنؑ کی نظر میں اسلام کے اعلیٰ فوائد اور مقاصد کی پاسداری ان تمام معاملات پر فوقیت رکھتی تھی۔

لیکن جب اسلام کے یہی اعلیٰ مقاصد معرض خطر میں پڑ گئے تو امام حسینؑ نے اپنے بھائی امام حسنؑ کے طرز عمل سے بظاہر جدا گانہ رویہ اختیار کیا (تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے مکتب اسلام مولفہ علامہ محمد حسین طباطبائیؒ) اور امام حسینؑ باطل کے خلاف ڈٹ گئے، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بنی امیہ کی حکومت اس راستے پر چل رہی ہے کہ اگر اسی طرح چلتی رہی اور کوئی اس کی برائیاں کھول کر سامنے نہیں لایا تو حکمران اسلام کی بنیادیں ڈھا دیں گے اور اسلام کی عظمت ختم ہو جائے گی۔ آپ نے چاہا کہ اسلام اور شریعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سے ان کی دشمنی تاریخ میں محفوظ کر دیں اور ان کو ان برائیوں سمیت رسوا کریں چنانچہ امام حسینؑ نے جس طرح چاہا تھا اسی طرح ہوا۔

اگر آپ کھڑے نہ ہوتے تو اسلام اس طرح فنا ہو جاتا کہ صرف تاریخ اسے ایک غلط مذہب کے نام سے یاد کرتی۔

شیعیان اہل بیتؑ جو طرح طرح سے سید الشہداء امام حسینؑ کی یاد تازہ رکھنے سے شدید دلچسپی رکھتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تحریک کی تبلیغ مکمل کریں جو ظلم و ستم کو کچلنے کے لیے وجود میں آئی تھی اور ان کا مقصد (جو عدالت کا قیام تھا) حاصل کریں تا کہ امام حسینؑ کے بعد ائمہ اطہارؑ کی رسم کے مطابق عاشورہ محرم کی یاد تازہ کرنے کے معاملے میں ان کی پیروی اور اتباع کرنے والے بن جائیں، یہی وجہ ہے کہ ''عاشورہ'' ہمارا شعار بن گیا۔ (نوٹ: تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے فلسفہ شہادت مولفہ مرتضیٰ مطہری)۔ (جاری)

ISSN No. 2455-636X

توحید (۴)

علامہ سید محمد ہارون زنگی پوری
اعلی اللہ مقامہ

یہود: ان کے پانچ فرقے ہیں: (۱) سامریہ، (۲) صدوقیہ، جو حضرت عزیر نبی کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں، (۳) حنانیہ، (۴) ربانیہ، (۵) عیسویہ، (اصحاب ابوعیسیٰ اصبہانی)

ان پانچوں میں سے صرف صدوقیہ فرقہ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا ہے اور یہ بات توحید کے بالکل منافی ہے۔ کیونکہ اگر اس کے بیٹا ہو تو ضرور ہے اس کے کوئی جورو بھی ہوگی اور جب جورو ہوگی تو اس سے ہمبستری کی بھی نوبت آئے گی۔ اس طرح تو خدائے تعالیٰ کا جسم ہونا ثابت ہوتا ہے جو اسے حادث بنائے دیتا ہے حالانکہ وہ قدیم ہے۔

توریت جو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے عمل درآمد کی کتاب ہے اس میں بھی خلاف معرفت و توحید بہت سی باتیں لکھی ہیں، مثلاً خدا کا باغ میں ٹہلنا بحیاوہ کوئی آدمی ہے جسے تفریح کے واسطے باغ میں سیر کرنے کی ضرورت ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس صفحہ ۷)

(قصہ آدم ؑ و حوا میں:) "اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اس کی جورو نے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا"۔

اگرچہ آدمؑ و حوا کا قصہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے مگر اس میں خدائے تعالیٰ کا باغ میں ٹھنڈے وقت پھرنا نہیں لکھا گیا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت موجود محرف ہے ورنہ اس میں ایسی خلاف عقل باتیں نہ ہوتیں۔

ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کے بہت سے بیٹے تھے: (دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس ص ۱۱)

"جب زمین پر آدمی بہت ہونے لگے اور ان سے بیٹیاں ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے (وہ) خوبصورت ہیں اور ان سبھوں سے جو پسند آئیں اپنے لئے جورو ان لیں"۔ تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرے گی۔ وہ تو بشر ہے تو بھی اس کے دن ایک سو بیس برس اور ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے ایک چھوڑ بہت سے بیٹے ہیں اور آوارہ بھی ہیں، کیونکہ آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھ کر للچائے اور ان کو اپنی جورو بنانا چاہا مگر خدائے تعالیٰ نے روک دیا!!

توریت موجودہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انجام کا حال معلوم نہیں ہے وہ اپنے کاموں میں غلطی بھی کرتا ہے۔ اور جب اس کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے تو آخر پچھتاتا ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس ص ۱۱ مطبوع لودیانہ مشن پریس)

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل میں تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا"۔

توریت کا یہ بھی بیان ہے کہ "خدائے تعالیٰ کے دل میں تصورات و خیالات آتے ہیں جیسے آدمی کے"۔

ISSN No. 2455-5495

معلوم ہوتا ہے کہ محرف توریت کی دماغی قوت اسی قدر تھی کہ وہ اپنے حقیقی معبود لیس کمثلہ شیء کے واسطے "دل" اور "افسوس" وغیرہ تجویز کرے۔ (دیکھو کتاب مقدس ص ۱۵ مطبوع لودیانہ مشن پریس آیت ۲۱)

"اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے لئے میں زمین کو پھر کبھی لعنت نہ کروں گا۔ اس لئے کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کیا ہے پھر سارے جانوروں کو نہ ماروں گا"۔

توریت حضرت موسیٰ کے قصے میں تو خدائے تعالیٰ کی رویت وجہ کا انکار کرتی ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں بتاتی ہے کہ ابراہیم کو خدا دکھائی دیا جس سے اس کا مجسم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس کتاب پیدائش ص ۱۲ آیت ۷)

"تب خداوند نے ابرام (ابراہیم پیغمبر) کو دکھائی دے کے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا"۔

توریت یہ بھی سبق دیتی ہے کہ آدمی اور خدا کی ایک ہی صورت ہے۔ اور جب اس کی کوئی صورت ہوگی تو اس میں مادہ بھی ضرور ہوگا جس پر اس کی صورت کو قیام ہے۔ لہٰذا مرکب ہوگا اور جب مرکب ہوگا تو ضرور ہے کہ اپنے مرکب ہونے سے پہلے معدوم رہا ہوگا۔ کیا کوئی عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کبھی معدوم رہا ہو۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے۔ (دیکھو باب پیدائش ص ۲۔ ۵ کتاب مقدس آیت ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸)

"تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اور اپنے مانند بناویں کہ وے (وہ) سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں پر اور مویشیوں پر اور تمام زمین اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں سرداری کریں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا"۔

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی خدا کے مانند ہے کیونکہ اس نے آدمی کو اپنے مانند اور اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جسے اکثر مسلمانوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ داؤد خوارزمی کا قول آئندہ آئے گا وہ کہتے تھے کہ:

"خدا کے ہاتھ، پاؤں، منہ، آنکھ، ناک، خون، گوشت، بال (اور وہ بھی گھونگر والے) سب ہیں"

مسلمانوں نے آدمی کا بصورت خدا ہونا بھی بیان کیا ہے اور اس پر تہمت لگائی ہے کہ رسول خداؐ نے ایسا فرمایا ہے۔

(دیکھو کتاب ملل ونحل شہرستانی جلد اول، ص ۱۴۰۔ ۱۴۱)

"اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا نے اپنے رسول محمد مصطفیٰؐ سے مصافحہ بھی کیا ہے" اور یہ بات آپ رسول خداؐ نے بیان فرمائی ہے۔ (معاذ اللہ من ذالک)

یہی گروہ مسلمانوں کا مشتبہ کہا جاتا ہے۔ ان کو شیعہ اثنا عشری گروہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جن کے اماموں کی بیان کردہ توحید خالص اور حقیقی توحید ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ یہودیوں کی کتاب توریت سے تجسیم باری تعالیٰ کا مسئلہ مسلمانوں نے لیا ہے۔ وہ ہے جو آئندہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ کھانا بھی کھاتا ہے جیسا کہ ویدکا پہلے قول نقل ہو چکا ہے کہ: خدائے تعالیٰ خوراک کھا کر بڑھتا ہے۔ (دیکھو کتاب مقدس مطبوعہ لودیانہ مشن پریس ص ۲۸۔ ۲۹)

"پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں سے (ابراہیم کو) نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کی اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں وہ انہیں دیکھ کر خیمے کے دروازے سے ان کے ملنے کو دوڑا اور زمین تک ان کے آگے جھکا اور بولا کہ اے خداوند اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے تو اپنے بندے کے پاس سے چلے نہ جائیے کہ تھوڑا سا پانی لایا جاوے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کیجئے۔ (کیونکہ معاذ اللہ خدا صاحب چلتے چلتے تھک گئے تھے اور بٹھایا بھی کہاں۔۔۔؟ درخت کے نیچے، اپنے خیمے میں نہ آنے دیا)" میں تھوڑی روٹی لاتا ہوں تازہ دم ہو جائیے۔ اس کے بعد جائیے گا کیونکہ اسی لئے اپنے بندے کے یہاں آئے

ISSN No.2455-636X

ہیں" (یعنی روٹی کھانے والوں نے معرفت خدا کی بھی خوب ہی قدر کی)

اس قدر نقل عبارت توریت کی اہل بصیرت کے واسطے کافی ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہود کو خدائے تعالیٰ کی کس درجہ معرفت حاصل تھی۔ اور ان کے خیالات اس کی نسبت کیا تھے۔ ان کی قوت دماغیہ کہاں تک تھی اور اب بھی جو اسی رائے پر جمے ہوئے ہیں تو کہاں تک ان کا یہ جمود قابل قدر ہے۔ میں نے اس مقام پر صرف اسی قدر نقل کرنا کافی سمجھا ہے کیونکہ آئندہ میرا ارادہ ہے کہ جب تمام دنیا کے مذاہب پر مفصل بحث کروں گا اور ایک مستقل کتاب ان شاء اللہ ترتیب دوں گا اور ان کا اسلام سے مقابلہ کروں گا۔ اس وقت اور بھی باتیں توریت وغیرہ سے دکھائی جائیں گی جو بالکل خلاف عقل ہیں۔

عیسائی: ان کے قدیم فرقے تین معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اب دو فرقے الگ ہوگئے ہیں مگر ان سب کے خیالات تقریباً تثلیث پر دائر ہیں۔

پہلا فرقہ: ملکائیہ ہے۔ دوسرا نسطوریہ، تیسرا یعقوبیہ۔

ملکائیہ: کا یہ خیال ہے کہ کلمہ بدن مسیح کی صورت میں ہوگیا، اور اس نے انسانی لباس پہن لیا۔ اور کلمہ کی تعبیر اقنوم العلم کرتے ہیں اور روح القدس کو اقنوم الحیوۃ کہتے ہیں مگر جب تک اقنوم العلم نے انسانی لباس نہیں پہنا تھا۔ اس وقت تک خدا کا بیٹا نہیں ہوا جب پہن لیا تو خدا کا بیٹا ہوگیا۔

ان کا خیال ہے کہ مسیح ناسوت (انسان) کلی ہیں۔ قدیم ازلی ہیں قدیم ازلی سے پیدا ہوئے ہیں اور مریم نے خدائے قدیم ازلی کو جنا تھا۔ صلیب جو دی گئی تھی تو جسم انسانی پر واقع ہوئی۔ لاہوت (ان کی الٰہیت) پر نہیں واقع ہوئی"۔ (کس قدر عجیب بات ہے کہ خدا تو قدیم ازلی ہے، جسے اس نے پیدا کیا وہ بھی قدیم ازلی ہوگیا۔ حالانکہ عقل بتاتی ہے کہ اسے حادث ہونا چاہئے نہ قدیم)

نسطوریہ: کا یہ خیال ہے (جو حکیم نسطور کے پیرو ہیں، جس کا ظہور زمانہ مامون رشید عباسی میں ہوا تھا) کہ اللہ تعالیٰ تو واحد ہے مگر اس میں تین اقنوم ہیں۔ ایک وجود دوسرے علم، تیسرے حیاۃ (یہاں تک مضائقہ نہیں کیونکہ یہ صفتیں ایک معبود برحق میں ہونی چاہئیں) یہ تینوں اقنوم نہ زائد بر ذات اور نہ عین خدائے تعالیٰ ہیں۔ اور کلمہ (جس سے مراد اقنوم علم ہے) جسد عیسیٰ سے متحد ہوگیا مگر نہ بطور امتزاج اور نہ بطور ظہور بلکہ بطور اشراق آفتاب کے کسی شیشہ کی شے پر یا جیسے نقش انگوٹھی پر ابھر آتا ہے۔

ان میں سے اکثروں کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن (بیٹا خدا کا) ہمیشہ سے پیدا ہوا تھا۔ (ہمیشہ سے پیدا ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی اور پیدا ہوئی اس کے لئے ہمیشگی کہاں) یہاں صرف بدن مسیح سے متحد ہوگیا اور اس جسم میں نمودار ہوا جبکہ مسیح پیدا ہوئے۔ لہٰذا وہ خدا بھی ہیں اور انسان بھی۔ یہ دونوں ہی دو جوہر۔ دو اقنوم۔ دو طبیعتیں ہیں۔ ایک جوہر قدیم ہے اور دوسرا جوہر حادث ہے۔ الٰہ تام ہے اور انسان تام۔ اس اتحاد نے نہ قدیم کے قدم کو باطل کیا اور نہ حادث کے حدوث کو لیکن دونوں ایک مسیح بن گئے (یعنی واجب الوجود واجب ہی رہا۔ اور ابن حادث، حادث ہی رہا۔ پھر بھی دونوں مل کر ایک مسیح کی صورت میں نمایاں ہوئے۔ سبحان اللہ فلسفہ دانی آتی تو ہو)۔

یعقوبیہ: کا بھی خیال ہے کہ اقانیم تین ہیں۔ اور وہ کلمہ جس سے حضرت مسیح پیدا ہوئے وہی خون اور گوشت بن گیا۔ لہٰذا خدا ہی مسیح ہوگیا۔ اور اس نے ان کے بدن میں ظہور کیا بلکہ خدا اور مسیح دونوں ہی ایک ہیں۔ (ان میں کچھ فرق نہیں) (ملل ونحل شہرستانی ص ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶)

اب میں تھوڑی تھوڑی انجیلوں کی عبارت بھی پیش کروں گا۔ جس سے ان کے مذہب کی حقیقت بخوبی معلوم ہوجائے۔ اور یہ ثابت ہوجائے کہ عیسائی فرقہ ہرگز موحد نہیں ہے۔ جس طرح سے یہ لوگ زمانہ قدیم میں حضرت (عیسیٰ) مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا عین خدائے تعالیٰ سمجھتے تھے اسی طرح اب بھی ان کو معاذ اللہ خدا کا بیٹا ہی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ انجیل مرقس کا شروع ہی یہاں سے ہوا ہے۔ خدا کے بیٹے یسوع مسیح کی انجیل کا شروع"۔

انجیل متی باب ۱۱، آیت ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ "اسی وقت یسوع پھر کہنے لگا کہ اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے ان چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے چھپایا۔ اور بچوں پر کھول دیا۔ ہاں اے باپ کہ یوں ہی تجھے پسند آیا میرے باپ سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا مگر باپ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا مگر بیٹا"۔

پھر آگے چل کر خود ہی حضرت عیسیٰ نے اپنے تئیں ابن آدم کہا ہے۔ جو بالکل خدا کا بیٹا ہونے کے منافی ہے" ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۱۲ آیت ۴"

"کیونکہ جب یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا"۔

یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بعد صلیب کے تین روز تک دفن رہے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔

انہیں حضرت عیسیٰ کو کہیں معاذ اللہ یوسف نجار کا بیٹا بھی بتایا ہے۔ (ملاحظہ ہو انجیل لوقا باب ۳ آیت ۲۴)

"اور یسوع آپ برس تیس ایک کا ہوا جب شروع کیا اور جیسا کہ گمان تھا وہ یوسف کا بیٹا تھا، اور وہ ہیلی کا"۔ (انجیل یوحنا باب ۱۴، آیت ۱)

"میرے باپ کے گھر میں بہت مکان ہیں۔ نہیں تو میں تمہیں کہتا جاتا ہوں تا کہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں"۔

اور اسی انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ "حضرت عیسیٰ اپنے تئیں خدا کا رسول کہتے تھے نہ بیٹا"۔ (دیکھو انجیل یوحنا باب ۷، آیت ۱۶)

"یسوع نے ان کے جواب میں کہا کہ میری تعلیم میری نہیں بلکہ اس کی ہے جس نے مجھے بھیجا"۔

خیر یہ تو تناقضات ہیں جو انجیلوں کی عبارت میں ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ مطلب تو یہاں صرف اس قدر ہے کہ عموماً عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ پیغامبر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریح الزام ذات پروردگار پر ہے اور جس سے اس کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ (جاری) ✿✿✿

رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ:

آج جو کچھ امریکا کے شہروں اور مختلف ریاستوں میں دیکھنے کو مل رہا ہے وہ کوئی نئی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو ابھی تک چھپی ہوئی تھیں اور اب کھل کر سامنے آرہی ہیں۔ یہ کہ ایک امریکی پولیس ایک سیاہ فام شہری کی گردن کو اپنے گھٹنے سے اتنی دیر تک دبائے رکھتا ہے کہ اس کا دم نکل جائے، کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، یہ امریکا کی سرشت اور فطرت میں ہے اور امریکا یہ کام عراق، افغانستان اور شام جیسے بہت سے دیگر ملکوں میں بھی کرتا رہا ہے۔

امریکا میں عوام جو یہ نعرہ لگا رہے ہیں کہ: ہمیں سانس لینے دو؛ یہ ان بھی قوموں کے دل کی بات ہے جہاں جہاں امریکا نے جا کر ان پر مظالم ڈھائے ہیں۔ آیت اللہ خامنہ ای نے فرمایا کہ خداوند عالم نے ایسا انتقام کیا کہ امریکی حکام اپنی ہی حرکتوں اور اقدامات سے خود رسوا ہو گئے اور کرونا کی روک تھام میں ان کی نااہلی نے بھی انہیں ذلیل کیا ہے۔ آج امریکی عوام اپنی حکومتوں کی وجہ سے پوری دنیا کے سامنے شرمندہ اور خجل ہیں۔۔۔۔

(۴ جون کو، بانی انقلاب اسلامی کی برسی کے موقع پر خطاب سے اقتباس)

ISSN No.2455-636X
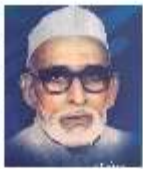
قصیدہ پرفضا در مدح حضرت امام رضا علیہ السلام

مولانا سید محمد باقر باقری جوراسی طاب ثراہ

چمن کے ہر شجر نے آج پھر پہنی قبا دھانی
نظر آتا نہیں نام و نشان رخت عریانی

جدھر دیکھو حسینان پری پیکر کی شاہی ہے
اٹھا سطح زمیں سے قہقہۂ غول بیابانی

نہاں ہے اس طرح غنچوں کے اندر بوئے روح افزا
دلوں میں جس طرح عشاق کے جذبات پنہانی

بہار اب کی نیا لائی نمونہ برق و باراں کا
کسی کا ہے تبسم اور کسی کی اشک افشانی

گراں ہے اس قدر ہر قطرہ میرے اشک خونیں کا
نہ ان بوندوں تلے گا حشر تک یاقوت رمانی

اٹھایا سر خیال بت نے میرے کعبۂ دل سے
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مرے دل کو نہیں توڑا انہیں کا آئینہ ٹوٹا
چرا کار کنند عاقل کہ باز آید پشیمانی

حسینان جفا جو لیں سبق گلہائے گلشن سے
کہ حاضر پہلوئے بلبل میں ہیں باخندہ پیشانی

عنادل توڑتے ہیں پھول بیباکانہ گلشن میں
نہیں ہے نرگس بیمار میں تاب نگہبانی

بھرا ہے رنگ ایسا کلک قدرت نے نزاکت سے
رخ گل دیکھ کر اڑ جائے رنگ چہرۂ مانی

نہیں ہیں صفحۂ گلشن پہ بیلوں کی یہ تحریریں
قصیدہ ہے کسی کی مدح میں باخط ریحانی

ثنا اس آٹھویں سلطان کی قدرت نے لکھی ہے
کہ آٹھوں جنتیں ہیں جس کے زیر مملکت رانی

چمک اٹھے ولا کے زور سے پھر رنگ محفل کا
سناؤں وجد میں پر نور ایسا مطلع ثانی

مطلع

بڑھی یوں آٹھویں شمع امامتؑ کی درخشانی
فلک پر ہوگیا خورشید کا فانوس نورانی

امام بحر و بر وہ نور عین حضرت نجمہؑ
ملی جن سے عجم کے نجم قسمت کو درخشانی

عدد اسم مبارک کے ہیں جن کے گیارہ سو گیارہ
ہوئی جن کی جہاں میں گیارہ ذیقعدہ کو مہمانی

رضاؑ آخر لقب ہی ہوگیا مشہور عالم میں
رہے یوں زندگی بھر تابع مرضیٔ ربانی

امامتؑ آئینہ دار نبوتؐ بن گئی یکسر
چلے پھر نماز عید جب ماہ خراسانی

یہ ہمنام علیؑ کی دیکھئے مشکل کشائی ہے
ہوئی ان کے کرم سے مشکل قاتل میں آسانی

کیا زندہ حسینی شان کو غربت میں جاں دے کر
کہ پھر اسلام کے پیکر میں دوڑی روح ایمانی

بچایا جامۂ تن کو ہمیشہ خبث دنیا سے
قبائے کفش کہنہ ہیں گواہ پاکدامانی

قناعت کی یہ حد ہے سنگریزے اس کا بستر ہیں
امامت کے خزانے کا جو ہے لعل بدخشانی

چھڑایا ہو کے ضامن قید سے آہوئے مادہ کو
بنیں گے کس طرح عشاق پھر دوزخ کے زندانی

نہ کیوں کر روح باقرؔ عاشق دربار ہشتم ہو
کہ ہے آٹھوں پہر روح الامیں کو شوق دربانی

بچالے فدیہ جان کاش تیغ ہجر مولاؑ سے
"منائے دل میں اسماعیلؑ حسرت کی ہے قربانی"

(مصرع طرح جوراسی)

ISSN No.2455-636X

نوحہ درحال امام رضاؑ

جناب ماسٹر اظہر حیدری۔ آزاد نگر نزد ڈریگن پلیس نیو کامٹی۔ ضلع ناگپور (مہاراشٹر) موبائل نمبر:9370314505

ماتم ہے آج خلق میں مولا غریب کا
معصومہ قم کو دیجئے پرسہ غریب کا

اہل حرم پہ رنج و الم کا گرا پہاڑ
ماتم نبیؐ کے گھر میں ہے برپا غریب کا

انگور میں جو زہر ہلاہل دیا گیا
دنیا سے ٹوٹا کھاتے ہی رشتہ غریب کا

میت تھی سرخ خون سے مولا حسینؑ کی
لاشہ ہوا ہے زہر سے نیلا غریب کا

مقتل میں شہ کے ساتھ تھے انصار و اقربا
تھا وقت مرگ کوئی نہ اپنا غریب کا

وقت اخیر زینبؑ و کلثوم شہ کے پاس
آل نبیؐ نے منہ بھی نہ دیکھا غریب کا

جیسے حرم چھٹے ہیں شہ مشرقین سے
غربت میں یونہی چھٹ گیا کنبہ غریب کا

جیسے لحد حسینؑ کو پردیس میں ملی
یونہی جنازہ طوس میں اٹھا غریب کا

اہل وطن سے پھر نہ ملاقات ہوسکی
سب دیکھتے ہی رہ گئے رستہ غریب کا

زہراؑ کا باغ لوٹا تھا جیسے یزید نے
ماموں نے چمن یونہی لوٹا غریب کا

توفیق دے خدا تو زیارت نصیب ہو
کہتے ہیں رشک خلد ہے روضہ غریب کا

اے کاش ہو پسند جناب امیرؑ کو
اظہر جو لکھ رہا ہوں میں نوحہ غریب کا

نوحہ درحال حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

جناب صفی صاحب مرحوم

ظالم نے دغا سے شہ ابرار کو مارا، فریاد خدایا
فرزند رضاؑ کر گئے دنیا سے کنارہ، فریاد خدایا

کیا زہر ہلاہل تھا جسے پیتے ہی ہے ہے، حضرتؑ کے ہوئی قے
سینے سے نکل آیا جگر ہوکے دو پارہ، فریاد خدایا

ہے ہے نہ ڈرا آہ سے زہراؑ کی بھی ظالم، خونخوار وہ حاکم
بے درد نے آقا کو مرے زہر سے مارا، فریاد خدایا

ماں شاہِ سر افراز تقی کی یہ پکاری، باگریہ و زاری
اب کون ہے رانڈوں کا یتیموں کا سہارا، فریاد خدایا

حضرت کے حرم روئے کچھ اس طرح کھلے سر، برپا ہوا محشر
ہے درد بھرا سب کی زبانوں پہ یہ نعرہ، فریاد خدایا

ہے آج یہی شور اٹھا شیعوں کے گھر گھر، با حالت مضطر
آقا مرا سید مرا جنت کو سدھارا، فریاد خدایا

سر پیٹتے ہیں شہ کے عزادار یہ ہر قت، برپا ہے قیامت
بے جان ہوا دین کا وہ راج دلارا، فریاد خدایا

پھر چرخ جفا کار نے یہ رنگ دکھایا، آقا کو ستایا
مسموم ہوا آٹھ اماموں کا وہ پیارا، فریاد خدایا

خاموش ہو صفیؔ کوئی کہتا ہے یہ پیہم، با دیدۂ پرنم
ہے زیر زمیں چرخ امامت کا ستارا فریاد خدایا

ISSN NO.2455-636X

ولادت: ۳۰؍جون ۱۹۳۵ء

مقام پیدائش: قصبہ ہلور سادات، ضلع بستی

والد: جناب اطہر حسین رضوی ابن سید علی رضا مرحوم

تعلیم: وثیقہ عربک کالج فیض آباد، جامعہ سلطانیہ لکھنؤ، جامعہ ناظمیہ لکھنؤ، بی اے، بمبئی یونیورسٹی، حوزہ علمیہ قم

تصنیف: (۱) بیاں اپنا (۲) افریقہ سرخ و سیاہ (۳) چشمۂ آفتاب (۴) جینے کا سلیقہ (۵) امام خمینیؒ بے مثال رہبر، (۶) ارمغان مقالات، (۷) گزر نامہ آفتاب، (۸) خسرو، حافظ اور ایران، (۹) شناخت قرآن ۔۔۔

ترجمہ: (۱) آیت اللہ گلپائیگانیؒ فارسی (۲) آیت اللہ خوئیؒ فارسی (۳) آیت اللہ مجلسیؒ فارسی (۴) آیت اللہ منتظریؒ فارسی (۵) مناسک حج، امام خمینیؒ، (۶) عبادت و خود سازی، (۷) داستان راستان، شہید مطہریؒ، (۸) رسالہ نوین امام خمینیؒ، (۹) داستان شجاعان اسلام، (۱۰) موت کے بعد انگریزی سے از علامہ سعید اختر ۔۔۔

ایوارڈ: (۱) زہیر ایوارڈ بمبئی (۲) شہید مطہریؒ ایوارڈ دہلی (ایران) (۳) محسن ادب پونہ (۴) امیر المومنینؑ اوارڈ لکھنؤ ۔۔۔۔

وقت رحلت ذمہ داریاں: (۱) بانی و سرپرست جامعۃ الرضا، پونہ (۲) نگراں صداقت ویکلی، پونہ بمبئی (۳) مدیر نگراں ماہنامہ اصلاح لکھنؤ

اہم اساتذہ: (۱) آیۃ اللہ العظمیٰ فاضل لنکرانی، (۲) آیۃ اللہ مومنؒ، (۳) مفتی اعظم آقا سید احمد علی (۴) ثقۃ الاسلام مولانا سعادت حسین خانؒ (۵) علامہ سعید اختر گوپالپوریؒ ۔۔۔

کار گزاری: سابق خطیب و امام جمعہ خوجہ اثنا عشری مسجد بمبئی ۔ ۵ سال ریڈیو۔ ٹی وی، اخبارات کے ذریعہ تقاریر۔ ۳۰ سال سابق مدیر صداقت ویکلی پونہ۔ ۲۰ سال۔ امام جمعہ پونہ ۱۰ سال ۔۔۔

بیرون ملک تبلیغ: ماریشش۔ مڈگاسکر۔ مشرقی افریقہ۔

رحلت: ۲۱؍مئی ۲۰۲۰ء ۔ ۲۷؍ماہ رمضان ۱۴۴۱ھ

اولاد: فرحت عباس، اور تین بیٹیاں

آخری آرامگاہ: جنت آباد پونہ

قال رسول اکرم ﷺ

رسول ﷺ نے فرمایا

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے

بسم الله الرحمن الرحيم

مدرسہ **جامعۃ الرضا ضیاء العلوم** پونہ

MADRASA JAMIYATUR-REZA-ZIYA-UL-ULOOM POONA

Sr. No. 43, Opp. Raj Garden , Kondhwa Khurd , Poona - 48. Ph : (020) 26933298, 26932437

1/6/2020

بسمہ تعالیٰ

اناللہ و انا الیہ راجعون۔

ماہ نزول کتب اربعہ سماوی اور ماہ شہادت حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں پدر مہربان بانی حوزہ علمیہ جامعۃ الرضا مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کی جانسوز رحلت نے شب عید سے پہلے ہمیں غم زدہ اور سوگوار بنا دیا۔ اس سال عید کے دن مرحوم کی جدائی ہی ہمارا مقدر تھی۔

ہمیں تا حیات یہ درد ستائے گا کہ لاک ڈاون کے ممکنہ خطرات کے پیش نظر مدرسہ میں 16 مارچ کو ہی ہنگامی تعطیل کا اعلان کر دیا گیا تھا اسی لئے سب لوگ عجلت میں اپنی اپنی منزلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر جب ہم نے یہ غم ناک خبر سنی تو اپنی جگہ مچل کر رہ گئے۔ افسوس ہمیں اپنے محسن کے آخری دیدار اور انہیں آخری بار رخصت کرنے کا موقع بھی نصیب نہ ہو سکا اور یہ سایہ غم ہمارے مدرسہ پر کب تک باقی رہے گا اس سے خدا ہی بہتر واقف ہے، رضا بقضائہ و تسلیما لامرہ

پورے ملک، خاص طور سے پونا شہر اور اپنے مدرسہ کے لیے آپ کی قربانیوں کو تا دیر یاد رکھا جائے گا۔ آپ کے احسانات کے عوض ہمارے پاس فی الحال اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں تھا کہ پورے ماہ رمضان میں ہم نے ختم قرآن یا عبادات کی شکل میں جو سرمایہ ثواب ذخیرہ کیا تھا اسے ان کی روح پاک کو ہدیہ کر دیا جائے۔

آپ کے دروس اخلاق و آداب، مشفقانہ نصیحتیں پدرانہ رہنمائیاں، بصیرت مندانہ ہدایات، مخلصانہ دعائیں، استغنا کے باوجود درویشانہ زندگی، زاہدانہ تبسم اور سالانہ عیدی ہمارے لئے کسی ذخیرہ حیات سے کم نہیں ہے۔

رب کریم سے یہی دعا ہے کہ ہمیں ان کی چھوڑی ہوئی سنگین امانت کو اٹھانے کی قوت و تائید عنایت فرمائے اور ان کے فرزند جناب فرحت صاحب، دختران اور دیگر اعزاء و اقرباء اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اپنے اس عبد فطرت کو پیغمبر اکرمؐ و ائمہ معصومین علیہم السلام کے جوار میں جگہ عنایت فرمائے۔ والسلام

وابستگان جامعۃ الرضا و امام رضا ٹرسٹ۔

کونڈوہ خورد، پونا مہاراشٹرا، انڈیا

ISSN No.2455-636X

المجمع العالمی لاهل البیت علیهم السلام

بسمہ تعالیٰ

انا للہ و انا الیہ راجعون

"اذا مات العالم الفقیہ ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدہا شئ"

حجۃ الاسلام والمسلمین سید محمد رضا رضوی غروی

دبیر محترم مجمع (اہل بیت کونسل) ہندوستان

باسلام واحترام

ہندوستان کے ایک عظیم عالم اور حوزہ علمیہ کے استاد حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن عباس فطرت رحمۃ اللہ کی رحلت سے بیحد افسوس اور صدمہ ہوا ہے۔

آپ علم واجتہاد کا ایک ستون تھے جنہوں نے مختلف علمی اور سماجی میدانوں میں سالہا سال زحمت اور مقابلہ آرائی کے بعد رحمت حق کے جوار میں سکون حاصل کر لیا۔ جس دور میں انگریزی میڈیا اور بہائیت و وہابیت جیسے گمراہ فرقے، گمراہ کن نظریات کی تبلیغ و ترویج کر رہے ہیں آپ نے نہایت ہی شجاعت اور صلابت کے ساتھ ان منحرفین سے علمی جہاد کیا۔ مرحوم ومغفور ان شخصیات میں شامل تھے جو کل محمد علیہم السلام کے یتیموں کی سرپرستی میں تن من کی بازی لگا دیتے ہیں۔

میں اس دردناک حادثہ پر بقیۃ اللہ الاعظم حضرت ولی عصر (ارواحنا لہ الفداء)، رہبر معظم انقلاب مدظلہ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اس فقید سعید کے عقیدتمندوں، حوزہ ہای علمیہ اور علماء ہندوستان نیز اس عالم ربانی کے اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت اور تسلیت پیش کرتا ہوں اور اس فقید سعید کے لئے خداوند عالم کی بارگاہ میں علو درجات کا خواستگار ہوں نیز ان کے پسماندگان اور شاگردوں کے لئے بھی صبر جمیل واجر جزیل کی آرزو رکھتا ہوں۔

محمد جواد زارعان

معاون امور بین الملل

بسمہ تعالیٰ

Date: ....

Ref. No. ....

اہل بیت کونسل انڈیا

ھو الباقی

"اذا مات العالم ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدہا شئ"

۲۱ مئی ۲۰۲۰ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ اردو ادب کا ایک غم انگیز دن ہے۔

اس روز ملت کے عظیم خدمتگزار، ایک نہ تھکنے والے مجاہد، ایک بے باک صحافی، صدی کے ایک مقبول عام ادیب، دین وملت کے مخلص حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ کر گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ان کی رحلت قوم وملت، ادبی دنیا کے لئے عظیم خسارہ اور بہارت ہونے والا خلاء ہے۔

ہم اس عالم فرزانہ کی رحلت پر حضرت بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنا فداہ، علماء و مراجع کرام مد ظلہم، مدارس دینیہ، دانشمندان محترم بالخصوص مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت وتسلیت پیش کرتے ہیں اور خداوند کریم سے مرحوم کے لئے مغفرت، علو درجات اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل واجر جزیل کے متمنی ہیں۔

اہل بیت کونسل انڈیا

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

ISSN No.2455-636X

باسمہ تعالیٰ

پیام تسلیت

بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ برصغیر کے مشہور عالم دین ادیب عصر حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت بلوری صاحب قبلہ (مقیم پونہ) نے داعی اجل کو لبیک کہکر دار فانی کو الوداع کہا ہے موصوف کا سانحۂ ارتحال اس دور قحط الرجال میں دنیائے ادب اور ملت تشیع کا ایک ایسا عظیم نقصان ہے جس کی بھرپائی ناممکن ہے۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعہ جو علمی وادبی خدمتیں انجام دیں ہیں وہ قابل صد تحسین و ناقابل فراموش ہیں اسلامی انقلاب کے نقطۂ آغاز ہی سے ملک کے مختلف و مشہور جرائد و اخبارات میں آپ کی تحریروں نے امام خمینی کی تحریک سے دنیا کو روشناس کروانے میں اہم کردار ادا کیا ہے، بلیٹز سے لیکر صداقت تک، آپ کا صحافتی سفر لازوال و بے مثال رہا، ایسی عظیم المرتبت باوقار شخصیت کے سانحۂ ارتحال پر ہم حضرت امام عصرؑ، مراجع تقلید، علمائے کرام، حوزات علمیہ، تمام مومنین و مومنات اور بالخصوص بیت معظم لہ کی خدمت میں تسلیت پیش کرتے ہوئے خداوند کریم کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ خدایا مرحوم کو جوار رحمت عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔

آمین یارب العالمین بحق محمد وآلہ الطاہرین۔

منجانب: مجمع علماء وخطباء حیدرآباد دکن سلام

Phone - Fax : 0091-79-25852795

Trust Regd. No. B/1010

حوزہ علمیہ امام خمینی

Hauza-e-Ilmiyah Imam Khomaini

Golden Park, Vatva, Ahmedabad - 382 440, Gujarat, (INDIA)

ھو الباقی

"اذا مات العالم ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شئی"

بلند پایہ مصنف، ادیب، محقق، صحافی، سماجی و مذہبی اداروں کے روح رواں، عدہ درجہ بذلہ سنج و نکتہ رس، ہمدرد، سخت کوش عالم، بلند ہمت محقق، بزرگ عالم دین حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کی رحلت قوم کا عظیم خسارہ ہے۔

ہم اس عظیم مصیبت پر بارگاہ مقدس حضرت بقیۃ اللہ ارواحنا فداہ، مقام معظم ولایت و مرجعیت حضرت آیت اللہ العظمیٰ آقای خامنہ ای مد ظلہ العالی، مراجع کرام، حوزات علمیہ مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت و تسلیت پیش کرتے ہیں اور مرحوم کے بلندی درجات کے لئے رحمت الٰہی کی استدعا کرتے ہیں۔

حوزہ علمیہ امام خمینی

احمد آباد، گجرات

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

انا للہ و انا الیہ راجعون

Secretary — Managing Trustee

H.M.J.I. Imambara Trust

Reg. No. B-112

Hazrat Razashah Fakir Takiya & Masjid (Shia) Trust

Ref. No. / HRST /

Date :

اناللہ و انا الیہ راجعون

حجۃ الاسلام والمسلمین عالیجناب مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب طاب ثراہ برصغیر کی نامور عالم، محقق اور معروف ادیب تھے۔ ان کے قلم گوہر بار سے درجنوں کتابیں منظر عام پر آئیں۔ وہ اپنی مثال خود آپ ہی تھے۔ مرحوم نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ ہمارے شہر پونا میں گزارا، جو اہل پونا کیلئے باعث صد افتخار ہے۔ پونا کی شیعہ قوم پر ان کے بے پناہ احسانات ہیں۔ خاص طور پر حضرت رضاشاہ فقیر تکیہ اور مسجد (شیعہ) ٹرسٹ کی تعمیر و ترقی میں ان کی کاوشوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ان کی کمی ہم سب ہی کو ہمیشہ محسوس ہوتی رہےگی۔ مرحوم کی محبتیں اور ذرہ نوازیاں ہمیں قدم قدم پر یاد آئینگی۔ مرحوم ہمارا فخر ہی نہیں بلکہ ہماری ہمت بھی تھے۔

ہمارے پاس وہ لفظیں نہیں جو ان کی شخصیت کی مکمل عکاس ہوں۔

خداوند عالم مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کو جوار معصومین میں جگہ عنایت فرمائے۔

آمین یا رب العالمین......

Sayyed Hamid Ali

ٹرسٹیان حضرت رضاشاہ فقیر تکیہ اور مسجد (شیعہ) ٹرسٹ

436، گروارپیٹھ، پونا-411042

موبائل نمبر: 9823399637

ISSN No.2455-636X

آیت اللہ مہدی مہدوی پور
نمائندۂ محترم ولی فقیہ، دہلی نو

بسمہ سبحانہ تعالیٰ
انا للہ و انا الیہ راجعون
قال الامام الصادق علیہ السلام: اذا مات العالم ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شئ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: "جب کوئی عالم دنیا سے انتقال کر جاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا خلا واقع ہوتا ہے جسے کوئی چیز پُر نہیں کرسکتی ہے۔"

عالم ربانی، محقق، صاحب قلم اور بابصیرت و انقلابی شخصیت کے مالک مرحوم علامہ سید حسن عباس فطرت کی رحلت سے بیحد افسوس ہوا۔ اس محنت کش عالم نے مذہب اہل بیتؑ کی تقویت کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ اور مقالات اور علمی سیمیناروں میں مسلسل شرکت کی اور پونہ میں حوزہ علمیہ امام رضاؑ کی تاسیس کی راہ میں اپنی عمر شریف کو صرف کر دیا اور وہ اپنی یادگار کے طور پر گرانقدر آثار چھوڑ کر گئے ہیں۔

انہوں نے ایک عرصہ علالت کے بعد دار فانی کو وداع کہا اور سبھی کو غم والم میں غرق کر دیا۔ اس افسوسناک قومی وملی خسارے پر حضرت ولی عصر (عج)، ہندوستان کے حوزات علمیہ اور بزرگ علماء اور ان کے محترم اہل خانہ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور خداوند منان سے مرحوم کے لئے رحمت و مغفرت اور ان کے پسماندگان اور سوگواران کے لئے صبر و اجر کے لئے دعاگو ہوں۔ والسلام

حجۃ الاسلام والمسلمین آقای رضا شاکری، رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفی در ہندوستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم »إنا للہ و إنا إلیہ راجعون. قال الإمامُ الصادق علیہ السلام: إِذَا مَاتَ الْعَالِمُ ثُلِمَ فِي الْإِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا يَسُدُّهَا شَيْءٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

عالم فرزانہ، محقق دانا، مترجم، مفکر، مولف، مصنف و روحانی انقلابی مرحوم حجۃ الاسلام والمسلمین جناب آقای حاج سید حسن عباس فطرت رحمہ اللہ علیہ سرپرست محترم حوزہ علمیہ جامعۃ الرضا للبنات، پونہ کے انتقال کی خبر انتہائی افسوس کے موصول ہوئی۔ یہ عالم جلیل القدر ایک انقلابی، ثابت قدم اور امام خمینیؒ و مقام معظم رہبری حفظہ اللہ کے عقیدمندوں میں تھے۔ آخری عمر تک اسلامی انقلاب کے وفادار اور مدافع رہے۔ مرحوم کا شمار ہندوستان کے برجستہ علماء، محققین و مبلغین میں ہوتا تھا آپ نے پوری عمر مکتب اہل بیتؑ کے اصول و مبانی کی تبلیغ علمی و مستدل دفاع میں بسر کی اور شیعیان ہند و جوانوں کے عقائد کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔ مرحوم حسن عباس فطرت خود بھی اسلامی علوم کے زبردست مدرس ہونے کے علاوہ اس مکتب کی علمی خدمت بھی انجام دی۔ آپ نے شہر پونہ میں مدرسہ علمیہ 'جامعہ الرضا للبنات' کی بنا ڈال کر مکتب امام جعفر صادق علیہ السلام کے لیے طلاب و شاگردوں تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ یہ افسوسناک حادثہ صنف علماء، مدارس علمیہ، شیعیان ہند بالخصوص مرحوم کے عقیدتمندوں اور شاگردوں کے لیے عظیم نقصان ہے۔ میں اس مصیبت پر محضر مقدس حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف، مراجع عظام تقلید، حوزات علمیہ، علمائے ہندوستان، بالخصوص شیعیان شہر پونہ، خانوادہ اور آپ کے مدرسہ کے طلاب و مدرسین کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہوئے خداوند عالم سے مرحوم کے لیے بہترین اجر، بلندیٔ درجات اور رضوان الٰہی کی دعا کرتا ہوں۔

ISSN No.2455-636X

آیت اللہ حمید الحسن صاحب قبلہ
عمید جامعہ ناظمیہ، لکھنؤ

ادیب، خلیق اور عزیز رفیق کی رحلت ایک عظیم صدمہ:

حجۃ الاسلام مولانا حسن عباس فطرت صاحب کا انتقال میرے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ مرحوم ناظمیہ میں ہمارے ساتھ درجہ عالم سے شریک ہوئے اور ممتاز الافاضل تک ہمارے ساتھ رہے۔ ہماری جماعت کے بھی افراد بشمول آیت اللہ باقر نقوی صاحب، ڈاکٹر کلب صادق، مولانا سید ابن حیدر صاحب۔ اور میرے بڑے بھائی قائم مہدی صاحب (ڈپٹی ڈائرکٹر آئی ٹی آرسی) بھی ان کے ہمدرس اور مجھوں میں رہے، اپنے اساتذہ کے نزدیک بھی وہ نہایت مقبول تھے جن میں سرکار مفتی اعظم ہند مفتی سید احمد علی صاحب، عالیجناب مولانا سید احمد علی صاحب، عالیجناب مولانا سید ہاشم صاحب، عالیجناب مولانا سید ایوب حسین صاحب، مولانا سید رسول احمد صاحب اور مولانا ابرار حسین صاحب پاروی شامل رہے۔ عشرہ محرم میں لکھنؤ تشریف لاتے تھے اور ناظمیہ کے قدیم عشرہ میں خصوصی طور پر شرکت فرماتے۔ مرحوم ہلور کی مٹی سے تھے، تعلیمی زندگی سے مرحوم اعلیٰ ادبی مذاق رکھتے تھے جو مستقبل میں شعر وسخن کی مہارت کا پتہ دے رہا تھا۔ مرحوم اچھے خطیب اور مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ خلیق اور خوش کردار تھے یہی سبب ہے کہ ان کے انتقال کے غم کی چادر نے پورے عالم اسلام کو ڈھانپ لیا ہے۔ ہر دل رنجور اور ہر سانس مغموم ہے۔ میں نہایت افسوس اور غمزدہ دل کے ساتھ ان کے پسماندگان کو تعزیت پیش کرتا ہوں مرحوم کے عالی درجات کے لئے دعا گو ہوں۔ انشاء اللہ حالات کے سازگار ہونے کے بعد ان کے ایصال ثواب کے لئے مدرسہ ناظمیہ میں مجلس کا انعقاد کیا جائے گا۔ ۞۞۞

● ایک بڑا سانحہ ہوا:

کل (۱۹ مئی) ایک بڑا سانحہ ہوا، عالمی پیمانہ پر قابل قدر ادارہ تنظیم المکاتب کے انتہائی لائق طلاب ایک سانحہ میں ہم سب سے جدا ہو گئے۔ ہم شب ہی میں اور بھی بعض حضرات علماء کے ساتھ پہلے خود ادارہ میں بسلسلہ تعزیت گئے پھر عزیزم مولانا صفی حیدر صاحب قبلہ کے شریعت کدہ پر ان کے پاس گئے۔ ادارہ میں شب کا وقت اور بھی حضرات طلاب جو وہاں موجود تھے غمزدہ سامنے تھے۔ خود بھی عجیب سا احساس تھا۔ یہاں وہ طالب علم ان کے استاد کل شب ماہ رمضان کی مشغولیت میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ نمازیں، دعائیں، علمی باتیں۔ اور یہ ارادہ کہ اپنے گھر کو پا گنج جارہے ہیں مدتوں بعد اپنے اقرباء سے ملیں گے۔ اور ایسا نہ ہوسکا ایک بے انتہا غمزدہ ماحول، ان تمام لوگوں سے کیا بات کی جائے انہیں کیا تسلی دی جائے۔ ماضی کی بہت سی یادیں سامنے آتی چلی گئیں۔ خطیب اعظم مولانا غلام عسکری صاحبؒ بانی تنظیم المکاتب مدرسہ الواعظین کی زندگی میں ہمارے لئے سینئر واعظ کی طرح سے تھے گویا تین سال ہمیں تعلیمی مراحل گذار کر اب دو سال عملی زندگی میں محنت کرنا تھی اور ہمارے لئے اس دو سال کی تبلیغی مشق کیلئے بطور سربراہ مولانا غلام عسکری صاحب قبلہؒ کا انتخاب کیا گیا۔ وہ ہمیں کبھی کبھی سمجھاتے، ٹوکتے آپ کو یہ نہیں کرنا ہے۔ آپ اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔ اور اس طرح ہم نے تبلیغی مراحل میں ان کے کردار کو اپنے لئے ایک نمونہ سمجھا۔ کبھی ہم لوگ بنگال میں ہیں کبھی گجرات میں، کبھی ممبئی میں، کبھی پٹنہ۔ یوپی میں متعدد شہروں میں، مولانا غلام عسکری صاحبؒ اپنی خطابت میں منفرد تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ISSN No.2455-636X

حکیم امت مولانا ڈاکٹر
سید کلب صادق نقوی صاحب قبلہ

کچھ روز قبل روزنامہ 'آگ' میں حجۃ الاسلام مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کی خبر رحلت بجلی بن کر دل پر گری۔ اعضاء و جوارح کچھ وقت کے لئے مفلوج ہو کر رہ گئے۔ ایک ایک کر کے تمام دوست و احباب اور ساتھی ساتھ چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر رہے ہیں بہرحال مولانا مرحوم مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے اور جب بھی لکھنؤ آتے مجھ سے خاص طور پر ملاقات فرماتے تھے۔ کچھ عرصہ قبل بھی ایرا ز میڈیکل کالج میری عیادت کرنے آئے تھے اور کافی دیر سلسلۂ گفتگو جاری رہا تھا۔ مولانا مرحوم صاحب نظر اور کثیر المطالعہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بے باک صحافی بھی تھے۔ مختلف اخباروں میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ بحیثیت صحافی ان کا قلم تلوار کی تیز دھار کی طرح تھا۔ انہوں نے قلم کے ذریعہ الگ شناخت قائم کی۔ دینی موضوعات پر ان کی تحریریں قارئین کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیتی ہیں۔ یقیناً مولانا مرحوم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جن کے دل میں قوم اور ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ مرحوم اتحاد بین المسلمین کے داعی تھے اور اہل سنت حضرات بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے مرحوم قومی یکجہتی کے زبردست مبلغ اور درد مند دل رکھنے والے مخلص اور باعمل عالم تھے۔ ان کی رحلت پوری ملت کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے۔ پروردگار عالم ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور اہل خاندان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) ان کا انداز خطابت اور اس میں ہر ہر موڑ پر استدلالی انداز، علمی بات کو ثابت کرنے کیلئے ایک ابلتا ہوا شیریں چشمہ اور اسے ذہنوں تک پہنچانے کیلئے کبھی کبھی "میرے بھائی، میرے بھائی" کی بہت دلآویز تکرار اور جب بات کو وہ سمجھ لیتے کہ لوگوں کے ذہنوں تک پہنچا دی گئی ہے تو دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے خاموشی اختیار کر لینا۔

قابل صد احترام مولانا غلام عسکری صاحب نے ممبئی میں معرکۃ الآرا مجالس کو خطاب کیا ہم نے ان کے لئے امامیہ مسجد کے چاروں طرف کے راستوں کو اور پھر شب میں گیارہ بجے دوسری مجلس کیلئے ہر طرف انسانی سمندر کو جمع ہوتے دیکھا ہے۔ خطابت کی دنیا کے وہ اپنے دور میں ایک سلطان وقت تھے۔ اور تبلیغی کارنامہ یہی کیا کم تھا کہ انہوں نے ممبئی کے بوہری حضرات کے لئے جو تلاش حق میں دربدر رہتے بوہری اثنا عشری جماعت قائم کی اس کے لئے انہیں بیحد مشکلات کا سامنا ہوا۔ لیکن ان میں یہی بات بیحد اہم تھی کہ ایک بار وہ جو ٹھان لیتے تھے پھر اس سے ہٹنے والے نہیں تھے۔ ان کے اسی مزاج کی ایک اور گواہ بھی ان کا یہی ادارہ تنظیم المکاتب ہے۔ جس کے لئے ہم پھر کبھی لکھیں گے۔ جو طلبہ اس حادثہ میں اپنوں سے جدا ہو گئے وہ اپنے ادارہ کے بانی کے ساتھ ساتھ جوار معصومینؑ میں ہوں گے: آج کی بات حضورؐ کی اس حدیث پر ختم کریں 'طالب العلم بین الجھال کالحی بین الاموات' علم دین کو (ڈھونڈنے) طلب کرنے والا ناواقف لوگوں کے درمیان ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی زندہ (انسان) میتوں کے درمیان۔ ہم عزیزم حجۃ الاسلام مولانا سید صفی حیدر صاحب قبلہ کو تعزیت پیش کرتے ہیں اور مرحومین کے تمام قریبی وخانوادہ کے اعزہ و اقرباء کو تسلیت پیش کرتے ہیں۔ ✿✿✿

ISSN No.2455-636X

آہ ۔ مولانا حسن عباس فطرت صاحب

علامہ الحاج سید رضی جعفری نقوی (کراچی)

عید الفطر کے موقع پر، ماہنامہ اصلاح لکھنؤ کے مدیر، برادر عزیز، خطیب قادر جناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب مدظلہ العالی کو فون کیا۔ تو یہ روح فرسا خبر ملی کہ:

گرامی مرتبت عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہی اور اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گئے ۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

وہ نہایت نکتہ رس، بلند پایہ، ذی علم اور علم پرور شخصیت کے مالک تھے، ان کے مضامین میں ندرت فکر بھی ہوتی تھی، وسعت نظر بھی، تحقیق بھی، جستجو بھی، اور کنجکاوی بھی، ۔ انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا، اس کا حق ادا کیا۔ اور جو نکتہ بھی پیش کیا وہ بہت وزنی پیش کیا۔

انہوں نے ہندوستان کی عظیم درس گاہوں سے کسب فیض کیا، بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا، اور منفرد کمالات کے حامل بنے ۔ بہترین عالم دین، منفرد شاعر ذی وقار، اور گراں قدر صاحب قلم۔

قرآن مجید میں خالق دو جہاں کا ارشاد ہے:

ن۔ والقلم وما یسطرون (ن۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لوگ لکھتے ہیں)

جس کے ذیل میں کسی مفسر کا یہ جملہ بہت وقیع ہے کہ:

کاش مسلمان، قلم دوات کی اہمیت کو سمجھتے تو حضور اکرم ﷺ کو لکھنے پڑھنے سے محروم نہ قرار دیتے۔

اور وقت رحلت جب سرکار دو عالمؐ نے قلم مانگا تھا کہ:

"ایسی تحریر لکھ دوں کہ تم لوگ میرے بعد گمراہی کا شکار نہ ہو"۔

تو امت مسلمہ، حضور اکرمؐ کو قلم دینے سے انکار نہ کرتی۔ اور آج بھی اگر قلم کی طاقت کو سمجھتے اور اس کے استعمال کی صحیح استعداد پیدا کرتے۔ تو اقوام عالم کے درمیان علمی اعتبار سے ممتاز نظر آتے"۔

مولانا حسن عباس فطرت صاحب مرحوم کو پروردگار عالم نے قلم کے استعمال کی بہترین صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ اور اس صلاحیت کو انہوں نے مذہب حق کی نشر و اشاعت، اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی راہوں میں خرچ کیا۔

اب جب تک ان کی تحریروں سے لوگ فیضیاب ہوتے رہیں گے اس وقت تک ان کا نام بھی زندہ رہے گا۔

غور کیجئے: اگر سید شریف رضی علیہ الرحمہ نے مولائے کائنات کے خطبات، مکتوبات اور حکیمانہ ارشادات کو مرتب کر کے "نہج البلاغہ" جیسی عظیم کتاب قوم کے سامنے پیش نہ کی ہوتی، تو ہم لوگ کس قدر قیمتی خزانے سے محروم رہتے۔

اگر ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے اصول کافی، فروع کافی اور روضۃ الکافی جیسی گراں قدر تالیفات کے لئے قلم نہ اٹھایا ہوتا۔

ISSN No.2455-636X

اگر شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے تہذیب واستبصار کی ترتیب کے لئے اپنی قلمی صلاحیت کو استعمال نہ کیا ہوتا۔

اگر شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے من لا یحضرہ الفقیہ اور اس کے علاوہ تقریباً تین سو گراں قدر تالیفات سے قوم کو فیضیاب نہ کیا ہوتا۔

اگر شیخ حر عاملی علیہ الرحمہ نے وسائل الشیعہ جیسی کتاب سپرد قلم نہ فرمائی ہوتی۔

اگر علامہ حلیؒ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، منطق، فلسفہ، رجال، اور دیگر موضوعات پر اپنے رشحات قلم سے فیضیاب ہونے کا موقع نہ دیا ہوتا۔

اگر رہبر کبیر انقلاب اسلامی استاذ معظم آقائے سید روح اللہ خمینی علیہ الرحمہ نے جہاد اکبر، چہل حدیث اور دیگر موضوعات پر نہایت گراں قدر تالیفات نہ چھوڑی ہوتیں۔ اگر زعیم حوزہ علمیہ استاذ معظم آقائے سید ابوالقاسم خوئی علیہ الرحمہ نے تئیس جلدوں پر مشتمل معجم رجال الاحادیث، اور تفسیر البیان جیسی گراں قدر تالیف سے قوم کو بہرہ مند نہ کیا ہوتا۔

اسی طرح سے ہر دور کے علماء محققین نے اپنے اپنے رشحات قلم سے نہایت قیمتی اثاثہ ملت جعفریہ کے سپرد نہ کیا ہوتا تو ہمیں کتنا بڑا علمی نقصان ہوتا۔

مولانا حسن عباس فطرت صاحب مرحوم ان صاحبان قلم میں سے تھے جو ہمیشہ تحقیقی مطالب پر نظر رکھتے تھے۔

اور کوئی بات ایسی نہیں کہتے تھے جس کی سند ان کے پاس نہ ہو۔

مجھے آج سے تقریباً ۴۵۔۵۰ برس پہلے کی ایک بات اچھی طرح یاد ہے۔

مولانا حسن عباس فطرت صاحب میرے برادر بزرگ مولانا سید محمد باقر صاحب مرحوم سے ملاقات کے لئے اکثر مسجد دیوان ناصر علی (کاظمی باغ) دفتر اصلاح تشریف لاتے تھے۔

میں اس وقت کمسن تھا، اور مولانا حسن عباس فطرت صاحب بھرپور جوان۔

بھائی صاحب مرحوم کے پاس جب بھی وہ آتے تھے، تو دونوں حضرات کے درمیان علمی موضوعات پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔

ایک روز دوران گفتگو بھائی صاحب مرحوم نے ان سے فرمایا تھا کہ: جو بات بھی لکھو اس کا مستند حوالہ تمہارے پاس موجود ہونا چاہئے۔

مولانا حسن عباس صاحب نے ان سے جو کچھ کہا اس کا ماحصل یہ تھا کہ:

آپ حوالے پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں؟

تو بھائی صاحب نے فرمایا تھا کہ:

اس بات کی تمہیں اس وقت قدر معلوم ہوگی جب کسی کمزور حوالے پر تمہاری گردن دابی جائے گی۔

میرا خیال ہے کہ بھائی صاحب مرحوم کا وہ جملہ مولانا حسن عباس فطرت صاحب مرحوم کے دل پر نقش ہوگیا۔

چنانچہ انہوں نے اپنے پچاس سال کے قلمی وصحافتی سفر میں حوالوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

اور مجھے مرحوم کا جو مضمون بھی پڑھنے کا موقع ملا۔ میں نے اسے مستند حوالوں سے مزین پایا۔ پاک پروردگار سے دعا ہے کہ بتصدق چہاردہ معصومین علیہم السلام ان کی قبر پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے ان کی تمام علمی وقلمی خدمات کا انہیں بہترین اجر وثواب عطا فرمائے۔ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کرامت فرمائے اور روز محشر انہیں شفاعت معصومین نصیب فرمائے۔ آمین بحق طٰہٰ وآل یٰسین۔

❁❁❁

خوشبوؤں کی طرح

آفتاب شریعت حجۃ الاسلام والمسلمین
مولانا کلب جواد نقوی صاحب قبلہ

ایک مشہور زمانہ عالم، خطیب، ادیب، شاعر، قلمی کارناموں کے امین، منفرد انداز کے مبصر و مفکر، استاد الاساتذہ، معلم اخلاق، خوش خلق و خوش خصال، نابغہ روزگا جنکی شخصیت محتاج تعریف و تعارف نہیں ہے لیکن یہ موت بھی ایک ایسی حقیقت ہے جسے قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کیونکہ "مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ" ۔ یہ خبر منٹوں میں، دنیا کے گوشے گوشے میں، جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی ۔ ہر شخص نے بڑے افسوس کے ساتھ کف افسوس ملتے ہوئے اس خبر کو پڑھا اور سنا اور دوسروں کو بتایا کہ حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب اب ہمارے درمیان نہیں رہے ۔ میرے لیے یہ خبر غم اذیت ناک دلخراش تھی کیونکہ عالم تشیع نے ایک عظیم علمی اور عملی سرمایہ مولانا مرحوم کی شکل میں کھو دیا تھا، لیکن مشیت الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے،، اور موت سے کس کو مفر ہے جبکہ یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ موت کا ذائقہ انبیاء اور اولیاء و آئمہ معصومین تک نے بھی چکھا ہے تو پھر من و شما کجا؟

اس سچائی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عالم دین کی موت ایک فرد کی موت نہیں ہوتی بلکہ حدیث معصوم کی روشنی میں عالم کی موت جہان و عالم کی موت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: مَوتُ العالِمِ مُصیبَۃٌ لا تُجبَرُ و ثُلمَۃٌ لا تُسَدُّ. وھُوَ نَجمٌ طمِسَ، و مَوتُ قَبیلَۃٍ أیسَرُ مِن مَوتِ عالِم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ارشاد فرمایا: عالم کی موت ایک ناقابل تلافی مصیبت اور ایک ایسا رخنہ ہے جو کبھی بھی پر نہیں ہوسکتا عالم ایک ایسا (ابھرتا ہوا) ستارہ ہے جسے ڈوبنا ہے ایک قبیلے کی موت (کا صدمہ) ایک عالم کی موت (کے صدمے) سے زیادہ (ہلکا) اور آسان ہے ۔ یہ حدیث ایک عالم دین کی موت سے ہونے والے نقصان و خسارے کی طرف اشارہ کررہی اس حدیث کی روشنی میں دیکھیں تو یقیناً مولانا مرحوم کی رحلت ایک ناقابل تلافی مصیبت و خسارہ ہے ایسی بے نظیر و بے مثیل و فرد فرید و برجستہ شخصیت برسوں میں ایک بار پیدا ہوتی ہے ۔

بقول علامہ اقبالؔ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا مرحوم و مغفور فن خطابت کے ساتھ ساتھ قلمی میدان میں بھی اپنے حسن اسلوب تحریر، ندرت تحریر کی وجہ سے عدیم المثال و منفرد نظر آتے ہیں آپ کی تمام تر خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کی تحریری کاوشیں رہتی دنیا تک لوگوں کے قلب و دل میں آپکی یاد کو ہمیشہ تر و تازہ رکھیں گی ۔ بقول علامہ جوادیؔ:

جب تلک دہر میں آثارِ قلم زندہ ہیں　　　ہم پس مرگ بھی سمجھیں گے کہ ہم زندہ ہیں

لاریب، مولانا مرحوم باتقوا و باکردار و منکسر مزاج و ایک نہایت متین انسان تھے آپکے کردار کی خوشبو آپکی رحلت کے بعد بھی دل و دماغ انسانی کو معطر کرتی رہیگی اور یہ خوشبو اپنے دلکش انداز میں لوگوں کو دعوت علم و عمل دیتی رہے گی بقولے

پہلے کردار پھولوں سا پیدا کرو　　　لوگ چاہیں گے تب خوشبوؤں کی طرح

خدایا بحق محمد و آل محمد مولانا مرحوم کے درجات کو بلند فرما اور انہیں جوار معصومین میں جگہ عنایت فرما اور اہل خانہ و احباب کو صبر جمیل عطا فرما

❁❁❁

ISSN No.2455-636X

آیت اللہ علامہ سید عقیل الغروی صاحب قبلہ
مرکز باب المراد،لندن،یو کے
E-mail:aqeel.gharavi@gmail.com

ایک سچا کتابی چہرا تھا

نور باراں سحابی چہرا تھا   ایک سچا کتابی چہرا تھا

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت کے انتقال سے علم و ادب اور تہذیب وثقافت کے ایک موثق سلسلہ روایت کا خاتمہ ہوگیا۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے عہد کا ایک معتبر حوالہ بن گئے تھے۔خصوصیت کے ساتھ اُن کا قلم جو ہمیشہ حق وصداقت کا ترجمان رہا،اس کے ترشحات ہمیشہ یادگار رہیں گے۔
بلاشبہہ وہ ایک اچھے ادیب،ایک متوازن نقاد،ایک صاحب نظر تبصرہ نگار اور ایک صداقت شعار وقایع نگار تھے۔کبھی کبھی ان کی نثر نگاری "مصورِ فطرت" خواجہ حسن نظامی کے اسلوب کی یاد دلاتی تھی۔
اردو میں امام خمینی کے برپا کردہ انقلاب اسلامی کی صحیح،موثر اور متواتر ترجمانی بھی اُن کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔
وہ محراب ومنبر کی مذہبی ذمہ داریوں سے لے کر لوح وقلم کی ادبی ذمہ داریوں تک معاشرے کی ہر ضرورت کو بڑی انفرادیت کے ساتھ پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی بہت ہی کم نظیر شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔
اُن کے مضامین گزشتہ پون صدی کے انقلابات خیز عرصہ میں شایع ہونے والے بہت سے روزنامہ اخبارات،ہفت روزہ جرائد،ماہانہ مجلّات اور دوسرے بہت سے یادگاری صحیفوں میں بکھرے ہوے ہیں۔ایک عرصہ تک اُن کے کچھ رشحات قلم اردو بلٹز اور روزنامہ انقلاب (ممبئی) کے صفحات پر بھی نہایت جاذب توجہ ادبی اور فکری نقوش مرتسم کرتے رہے۔انقلاب اور بلٹز میں شایع ہونے والے ان کے مضامین نے اُن کی شخصیت کے وسیع تر ابعاد کی نشاندہی کی۔اسی لیے ان کی طرف خصوصی طور پر اشارا کیا گیا ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا اُن کے گہر ہائے منثور سیکڑوں مضامین اور مقالات کی صورت میں برصغیر ہندوپاک سے شایع ہونے والے دسیوں جرائد ومجلات کے صفحات کی زینت بنتے رہے ہیں۔
کاش کوئی اُن کی تمام تحریروں کو یکجا کرنے کی ادبی ذمہ داری اُٹھائے تا کہ یہ بکھرا ہوا سرمایہ کسی ادبی صحیفے میں محفوظ ہو جائے اور تاریخ ادب کی زینت بن جائے۔
ماہنامہ اصلاح سے تو اُنھیں ایک خاص تعلق خاطر تھا۔وہ اس مجلہ کے لیے بھی برابر کچھ نہ کچھ لکھا کرتے تھے۔
افسوس ہے کہ اب ہماری نگاہیں اُن کا متبسم چہرہ دیکھنے اور اُن کی شگفتہ تحریریں پڑھنے کے لیے ہمیشہ ترستی رہیں گی۔
اُن کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔
مجھے ذاتی طور پر اُن کی رحلت سے بہت صدمہ ہوا،یہ سانحہ سنتے ہی بے ساختہ چند مصرعے موزوں ہوتے چلے گئے،انھیں اسی طرح سے یہاں درج کر رہا ہوں،ایک باقاعدہ مرثیہ کی شکل میں ابھی اس کی تکمیل باقی ہے۔۔۔**بقیہ صفحہ 125 پر**

ISSN No.2455-636X

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حجۃ الاسلام مولانا مقبول احمد نوگانوی ممتاز الافاضل
امام جمعہ وجماعت ترولہتن سویڈان

جامعہ ناظمیہ لکھنؤ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جب سے قائم ہوا ہے اسی وقت سے اس مادر تعلیم نے ہمیشہ زیور علم وادب سے مزین افراد قوم وملت کو عطا کئے ہیں جو اپنے زمانے میں ممتاز الافاضل کی سند سے سرفراز ہو کر حقیقتاً ممتاز رہے استاذ الواعظین مولانا سید سبط حسن مرحوم، مولانا داؤد صاحب حافظ، مولانا سید فرمان علی اعلیٰ اللہ مقامہ، مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔

دور حاضر میں خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری صاحب مرحوم، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی مرحوم اور مولانا سید حسن عباس فطرت اسی مادر تعلیم کے سپوت تھے دنیا کے گوشہ گوشہ میں واسطہ یا بلا واسطہ مدرسہ ناظمیہ کے علماء نے تبلیغ وہدایت کر کے اپنے علم وعمل سے دنیا کو سیراب کیا۔

موجودہ دور میں جن علماء کے بارے میں کہا گیا ہے کہ العلماء ورثة الانبياء، علماء انبیاء کے وارث ہیں؛ یا کہا گیا ہے مداد العلماء كدم شهداء. ان میں سے ایک مولانا سید حسن عباس فطرت تھے جو ۲۱ مئی ۲۰۲۰ء مطابق ۲۷ ماہ مبارک ۱۴۴۱ھ بروز پنجشنبہ ماہ رمضان مبارک مہینہ، مبارک رات شب قدر میں اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔

مولانا سید حسن عباس فطرت نے اپنی پوری زندگی جہاد بالقلم اور جہاد باللسان میں گزار دی اور جہاد کرتے کرتے خود کو اپنے خالق کے سپرد کر دیا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی　　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کہتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہو کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لی وہ مرے نہیں وہ زندہ ہیں من مات على حب آل محمد مات شهيدا جو محمد وآل محمدؐ کی محبت پر مر جائے وہ شہید مرتا ہے اور شہید زندہ ہوتا ہے جب تک ان کے رشحات قلم باقی ہیں وہ زندہ ہیں جب تک ان کا قائم کردہ علمی مرکز جامعۃ الرضا قائم ہے وہ زندہ ہیں جب تک ان کی قومی خدمات باقی ہیں وہ زندہ ہیں۔

میرے روابط اور رشتہ محبت کا آغاز ۱۹۵۷ء سے ہوا جب میں عالم کلاس الہ آباد بورڈ کا امتحان مدرسہ باب العلم نوگانواں سادات سے پاس کر کے مدرسہ ناظمیہ پہنچا اور درجہ قابل میں داخلہ ہوا تب سے روز بروز قربت بڑھتی رہی اگرچہ مرحوم مجھ سے دو سال سینیر تھے یعنی غالباً فاضل سال دوم میں زیر تعلیم تھے آپ کے ساتھیوں میں آیت اللہ سید حمید الحسن صاحب قبلہ، حجۃ الاسلام مولانا سید ابن حیدر صاحب قبلہ، حکیم امت ڈاکٹر کلب صادق صاحب، آیت اللہ سید محمد باقر صاحب نقوی، مولانا سید ضیاء الحسن موسوی حیدرآبادی اور حجۃ الاسلام مولانا روشن علی خاں صاحب مرحوم تھے۔

ہماری عمر میں بھی چھ سال کا فرق تھا وہ مجھ سے والہانہ محبت اور خلوص کے ساتھ پیش آتے تھے۔

ہمارے ساتھیوں میں مولانا ریاست حسین سیتھلی مرحوم، مولانا شیخ شبیر حسن صاحب مرحوم کوپا گنجی اعظم گڑھ، مولانا سید سخی احمد صاحب مرحوم سرسوی، مولانا سید سعید اختر صاحب کاظمی جولی ضلع مظفر نگر، مولانا سید محمد رضا باسٹوی مرحوم اور مولانا سید حسن حیدر زیدی مرحوم جولی ضلع مظفر نگر تھے اس زمانے میں جو اساتذہ مرحوم کے تھے وہی ہمارے بھی تھے مولانا سید ایوب حسین سرسوی مرحوم مولانا سید رسول احمد صاحب قبلہ مرحوم، حکیم سید محمد اطہر صاحب مرحوم، مولانا سید محمد مرتضیٰ، مفتی اعظم سید احمد علی اعلیٰ اللہ مقامہ۔

بقیہ صفحہ 73 پر

ISSN No.2455-636X

مولانا سید محمد غافر باقری جوراسی
استاد جامعہ ناظمیہ، لکھنؤ
فون نمبر: 0522-42308171

ہم اپنی جاں دیدیکر تجھے آباد کرتے ہیں   مگر گورِ غریباں تیری ویرانی نہیں جاتی

مولانا حسن عباس فطرت کی رحلت سے ملت بیضاء کی بزم میں غم واندوہ کی حالت طاری ہوگئی۔ اس لئے کہ ایک خوش مزاج، سادگی پسند، پیکر حسن اخلاق، میانہ رو، متواضع، ذی علم، فعال، متقی انسان کے رخصت ہوجانے سے بزم کی رونق میں واضح کمی آگئی۔ مولانا تقریر وتحریر دونوں اعتبار سے اپنی خاص پہچان رکھتے تھے ان کا قلم کسی موضوع پر بند نہیں تھا چاہے وہ مذہبی ہو سماجی ہو سیاسی ہو ادبی ہو یا تاریخی ان کے مضامین کا دائرہ وسیع ہے۔ ان کے مولفات کثیرہ میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) بیان اپنا، (۲) افریقہ سرخ وسیاہ، (۳) چشمہ آفتاب، (۴) جینے کا سلیقہ، (۵) امام خمینیؒ بے مثال رہبر، (۶) ارمغان مقالات، (۷) امام خمینیؒ قدس سرہ کی کتاب مناسک حج کا اردو ترجمہ، (۸) امام خمینیؒ طاب ثراہ کی کتاب عبادت وخود سازی کا اردو ترجمہ، (۹) شہید مطہری کی کتاب: داستان راستان کا اردو ترجمہ، (۱۰) داستان شجاعان تاریخ اسلام، (۱۱) مجاہدین عصر حاضر، (۱۲) مختصر تاریخ اسلام، (۱۳) بازیافت (ثقافت اسلامی)، (۱۴) امیر خسرو وحافظ شیرازی، (۱۵) شناخت قرآن۔

آپ کا قابل فخر کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ ہندوستان وپاکستان میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے کثیر الاشاعت اخبارات مثلا بلٹز وغیرہ میں ایران کے انقلاب اسلامی کی ابتداء سے اس کی کامیابی تک مسلسل دنیا کو اس کے مضمرات سے آگاہ کیا۔

مڈاگاسکر کے دوران قیام دینی تعلیم سے متعلق مدرسہ کا احیاء فرمایا جو بفضل خدا ترقی کی راہ پر گامزن ہے آپ کا لگاؤ شاعری سے بھی تھا اور فطرتؔ آپ کا تخلص تھا۔ زمانہ طالب علمی سے شاعروں اور ادیبوں کی بزم میں بیٹھ کر شعر وسخن کی باریکیوں کا علم حاصل کرتے تھے۔ مجالس علماء میں حاضر ہو کر ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ان کے دور طالب علمی میں لکھنؤ شعراء ادباء اور علماء سے بارونق تھا لیکن ان ہستیوں کے انتقال کے بعد آنے والی نسل وہ مقام حاصل نہ کر سکی جس کا افسوس ہر صاحب نظر کو ہے اور اس دور انحطاط کی تصویر کشی فطرت صاحب نے ان الفاظ میں کی ہے:

(بنتا بگڑتا لکھنؤ) ''محفل ادب بے مسند، علم وفضل کی دنیا میں ٹھٹھرن (کپکپی) شعر وسخن کا چراغ ٹمٹما رہا ہے لکھنؤ کی زمین اپنے سوئے ہوئے فرزندوں کو اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر جگانا چاہتی ہے مگر جگنوؤں کی روشنی کے سہارے انجام ونتیجہ ظاہر ہے ایک نوحہ کناں سناٹا اور گورستان کے شور سے عبارت ہے۔

سرشار وشرر کا لکھنؤ حضرت گنج کا اولڈ کافی ہاؤس جو کبھی علم ودانش شعر وانشاء کا ایوننگ کالج ہوا کرتا تھا مرحوم ومغفور کہے جانے کے لائق ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی پہلے کا کیننگ کالج جہاں کے کونے کھدرے میں بھی کمال فن وہنر کے دو چار ٹھیکرے مل جاتے تھے وہاں داغ فراق صحبتؔ شب کی جلی ہوئی کچھ شمعیں بھی ہاتھ آجائیں تو غنیمت جانیے۔

رفاہ عام کلب جو ایک صدی تک ادب وسیاست کا کروکشیتر رہ چکا ہے آج ایسے شکست خوردہ سپہ سالار کی طرح یکہ وتنہا کھڑا ہے جس کے

ISSN No.2455-636X

سارے سپاہی کھیت رہے ہوں ۔حضرت گنج کی بہار خزاں میں بدل گئی ہے اس کی پہچان ختم ہوگئی ہے ۔گل وگلزار شاد وآباد امین آباد حشر کا بازار بن چکا ہے ۔جہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ۔جی ہاں وہی لکھنؤ جو اپنی پر سکون خنک شہری کے لئے مشہور عالم تھا ۔آج ہڑ بونگ اور ہنگامہ کا شکار ہے ۔ ہرے بھرے باغات مرغزاروں چمنستانوں کی عمل داری کو بلند وبالا عمارتیں ختم کر رہی ہیں ۔لکھنؤ کی ایک بڑی پہچان محرم ہوا کرتا تھا ۔مدتوں بعد اسے فسادیوں اور فتنہ گروں سے رہائی ملی ہے فی الحال وہ اپنی تھکن دور کر رہا ہے اور اپنے کو سمیٹ رہا ہے چکن وزر دوزی کا فن بھی مشینی صنعت کے دباؤ سے کراہ رہا ہے سفید پوشی کا بھرم ٹوٹ رہا ہے ۔خدا خیر کرے ۔"

فطرت صاحب کی مذکورہ تحریر سے اشعار ہوتا ہے کہ وہ لکھنؤ کے ماضی وحال پر گہری نظر رکھتے تھے اور انسان کو جہاں سے الفت ومحبت ہوتی ہے وہاں کا مشاہدہ وہ بہ نظر غائر کرتا ہے اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ ان کی مادر تعلیم جامعہ ناظمیہ اسی لکھنؤ میں ہے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا معتد بہ زمانہ گزارا تھا ۔

ناظمیہ کی بنیاد عالیجناب آیت اللہ نجم الملت طاب ثراہ نے ڈالی تھی وہ علم وفضل اور سیاسی سوجھ بوجھ اور سیرت وکردار کے اعتبار سے لکھنؤ کی شان تھے اور عالیجناب مفتی محمد عباس طاب ثراہ کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے ۔

آیت اللہ نجم الملت اعلی اللہ مقامہ کے شاگردوں کے امتحان کی کاپیاں عراق بھیجی گئیں اس دور کے اعلم کی تحریر کاپیوں پر موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر صلاحیت اجتہاد موجود ہے ۔جس کے شاگرد درجہ اجتہاد پر فائز ہوں خود وہ علم کی کس منزل پر ہوگا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ان کی روحانیت کا اثر ہے کہ مدرسہ ناظمیہ سے فارغ شدہ طلباء جہاں بھی ملتے ہیں وہ آپس میں عزیز ناظمیہ ہستیوں کی طرح پیش آتے ہیں ۔

ناظمیہ میں ملازمت اختیار کرنے سے پہلے بچوں کو تعلیم دینے کی غرض سے میرا اعظم گڑھ شاہ دلویت جانا ہوا وہاں نجم الملت طاب ثراہ کے دو شاگردوں سے ملاقات ہوئی ایک کا نام مولانا انصر اور دوسرے کا نام مولانا منصور تھا وہ انتہائی ضعیف ہو چکے تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ ناظمیہ سے آئے ہیں تو آگے بڑھ کر بھر پور محبت کے ساتھ معانقہ فرمایا دعائیں دیں دوسرے دن فرمایا کہ آپ بچوں کو تعلیم دینے آئے ہیں تو ہم دونوں اپنا ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ مدرس کو کیسا ہونا چاہئے ۔میں نے کہا فرمائیے ۔انہوں نے بیان کیا کہ جب ہم ناظمیہ میں پڑھتے تھے تو اس وقت یہاں سے لکھنؤ جانے آنے میں بہت دشواریوں کا سامنا تھا ۔ہم لوگ شرح لمعہ کے درجہ میں تھے ۔شعبان میں امتحانات ختم ہونے کے بعد اپنے گھر آگئے اور شوال میں مدرسہ کھلنے پر ناظمیہ نہیں پہنچ سکے ۔طبیعت بھی خراب ہوگئی تھی ۔

پندرہ محرم کو مدرسہ کھلنے پر ناظمیہ پہنچے وہاں کا قانون تھا کہ اگر مدرسہ کھلنے پر طالب علم بغیر اطلاع کے غائب رہے تو بعد میں جب بھی ناظمیہ پہنچے دو ہفتہ تک مدرسہ کی طرف سے اس کو مفت کھانے کی رعایت نہیں ملتی تھی ۔بلکہ دو ہفتہ کے کھانے کے پیسہ جمع کرنا ہوتے تھے ۔منشی حسن جعفر نے ہم لوگوں کا کھانا نہیں پکوایا ۔ہمارے درجہ کے ساتھیوں نے رائے دی کہ جناب نجم الملت صاحب قبلہ کے یہاں درس میں آپ دونوں میں سے کوئی سبق پڑھے آواز دھیمی رکھے ۔کھانا بغیر پیسے جمع کئے ہوئے کھل جائے گا ۔دوسرے دن جناب کے یہاں درس میں منصور صاحب نے سبق پڑھنا شروع کیا آواز کو دھیما رکھا جناب نے فرمایا زور سے پڑھو منصور صاحب نے آواز تیز کی پھر دھیمی کر لی جناب نے فرمایا زور سے کیوں نہیں پڑھتے کیا کھانا نہیں ملا ۔ہمارا ایک ساتھی بولا جی سرکار یہ لوگ کل آئے ہیں اور ابھی تک ان کو کھانا نہیں ملا ہے ۔یہ سنتے ہی جناب آنسوؤں سے رونے لگے اور بار بار فرماتے تھے ارے ہم نے کھانا کھایا اور ہمارے بچے بھوکے رہے ۔

انصر صاحب اور منصور صاحب جب اس جملہ کی حکایت کر رہے تھے تو وہ نجم الملت طاب ثراہ کی محبت کو یاد کر کے آنسوؤں سے رو رہے تھے ۔جناب نے دو روپئے نکال کر دیئے اور فرمایا جاؤ تم لوگ کھانا کھاؤ اور منشی حسن جعفر صاحب کو بلوا کر پیسے دیئے اور فرمایا ان دونوں بچوں کا

ISSN No.2455-636X

کھانا کھول دو۔

انصر صاحب اور منصور صاحب مرحومین نے فرمایا مدرس کو جناب نجم الملت طاب ثراہ کی طرح طلباء کا ہمدرد ہونا چاہئے۔ تب طلباء بھی دل لگا کر پڑھتے ہیں اور اپنے مدرسہ اسکول اور کالج کا نام روشن کرتے ہیں۔ مولانا حسن عباس مرحوم کو جو اساتذہ ملے وہ نجم الملت طاب ثراہ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اسی لئے مولانا کی جو مصروفیات تھیں وہ گواہ ہیں کہ مرحوم ناظمیہ کا نام روشن کرنے والوں میں سے تھے اور ان کی تحریریں دعوت حق بینی و حق نمائی سے خالی نہیں۔

مثلاً جناب فاطمہؑ کے سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:

''صدیاں گزرتی جا رہی ہیں، پارہ تن و جزو رسولؐ کی مدح و ثنا بیان فضائل، نذرانۂ عقیدت مدح و منقبت کا سلسلہ جاری ہے مگر آج بھی ان کے مظہر کمال سے عالم امکاں دیدہ حیراں بنا ہوا ہے۔ ایک ننھی سی جان، مختصر ترین عمر والی، مصاحب آشنا ہستی ام المصائب کی اونچی سخت زمین پر بسیرا کرنے والی خدا جانے کتنا کچھ کر کے گئی ہے کہ نہ اس کی بات ختم ہوتی ہے نہ کہانی مکمل ہوتی ہے۔ نہ لذت تکرار میں کچھ کمی آتی ہے۔ البتہ جب تک یہ نہ مانو کہ جناب فاطمہ اپنے حبیب خاص کے لئے رب الارباب کا انمول تحفہ تھیں بات بنتی نہیں یعنی یہ بی بی وہ عطیہ الٰہی تھیں جن کا اہم پہلو اعجاز ہے چنانچہ سیدہ زہراؑ کی سیرت مبارکہ کا ہر چمکدار نگینہ یہ بتاتا ہے کہ اس کی کرن کرن فروغ طور ہے۔ یہاں جتنی نرمی و گداز ی ہے اتنی ہی صلابت و گرانی بھی ہے ایک طرف اگر آپ دلسوزی و اشک ریزی میں مثال شمع فروزاں ہیں تو دوسری جانب شجاعت، بے جگری، حوصلہ مندی و حق گوئی میں بھی رشک کوہ گراں بنی ہوئی ہیں۔''

وقف اور واقف کے شرائط کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں ''آج کل پوری دنیا خصوصاً برصغیر میں ہر قوم و جماعت ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کے نام پر ایسے ادارے چلا رہی ہیں جس میں فلاح عامہ کا کام ہوتا ہے لیکن اس میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو حکومت کے ٹیکس سے بچنے کے لئے ایک نہیں بلکہ کئی ٹرسٹ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بہر حال یہ تو دوسروں کا طرز عمل ہے۔ لیکن اسلام میں وقف کی اپنی معنویت صداقت و شرائط ہیں جو دوسری قوموں میں نہیں بلکہ وہ اس سے آشنا بھی نہیں۔ اسلام نے ''وقف'' اپنی ملکیت کو خوشنودئ خدا کی خاطر چند مخصوص افراد و گروہ یا ہر خاص و عام کے استفادہ کے لئے مقرر و محدود کرنا ہے اس طرح کہ ملکیت تو محفوظ رہے مگر اس کے منافع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ وقف اگر خاص ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شی موقوفہ انہیں مخصوص افراد یا گروہ سے متعلق ہے جس کا ذکر وقف نامہ میں موجود ہے جو تحریری بھی ہو سکتا ہے اور شفاہی بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کو اس میں تصرف و استفادہ کا حق حاصل نہیں۔ جیسے وقف علی الاولاد وغیرہ۔

اور وقف عام وہ ہے جو کسی فرد یا جماعت سے مخصوص نہ ہو بلکہ اس سے ہر خاص و عام فائدہ اٹھا سکتا ہو مثلاً کوئی شخص اپنی رقم زمین جائیداد، عمارت کو مسجد امام بارگاہ یا فقراء و مساکین کے لئے وقف کر دے وقف کرنے والے کو واقف اور جو شی وقف کی جائے اسے موقوفہ اور جس کے لئے وقف ہوا سے اصطلاح شرع میں موقوف علیہ کہتے ہیں۔''

''ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے'' عنوان کے تحت ابو الایمان حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''عربی کے وسطی درجات کے نصاب میں ایک کتاب ازہار العرب بھی ہے عربی منظومات پر مشتمل یہ کتاب حقیر نے بھی پڑھی یاد آتا ہے کہ اس میں جناب حسان ابن ثابت کا ایک شعر مدح پیغمبرؐ میں بہت اچھا تھا:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ　　فذو العرش محمود وھذا محمد

حضرت باری عز اسمہ نے اپنے نام سے ان کے نام کو مشتق کیا چنانچہ وہ مالک عرش محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔

ایک مدت کے بعد جب مطالعہ بڑھا سودائے تحقیق ابھرا تو کھلا کہ یہ تو حضرت ابوطالبؑ کے اولین نعتیہ کلام کا دوسرا شعر ہے جس کا مطلع ہے:

لقد کرم اللہ النبی محمد　　　فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد

ابن ابی الحدید، علامہ زرقانی اور دیگر محققین نے اس کو تمام و کمال نقل بھی کیا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ حضرت ابوطالب کے ایمان کا سجادہ کھینچنے کی کوشش بھی جاری رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی وفات کے فوراً بعد اس کلام سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کا ایک شعر ہے:

وخیر بنی ہاشم احمد　　　رسول الالہ علیٰ فترۃ

بنی ہاشم میں سب سے بہتر احمد ہیں وہ زمانہ فترۃ میں اللہ کے رسول ہیں۔

اب بتائیے زمانۂ فترۃ (دو نبیوں کے درمیان کی مدت) کو کون کچھ سکتا ہے کامل الایمان یا بے ایمان۔ حضرت ابوطالبؑ کی مظلومیت کا بیان عام مسلمانوں کو پہلے تو کچھ متاثر بھی کرتا رہا ہوگا مگر آج تو یزید پلید کی وکالت میں کتابیں رقم ہو رہی ہیں اس ابدی ملعون کو رضی اللہ لکھا جا رہا ہے۔ اس کی صفائی میں اسکا پورا قبیلہ استادہ ہو چکا ہے صرف یہ منوانے کے لئے کہ:

لعبت بنو ہاشم بالملک فلا　　　خبر جاء ولا وحی نزل

کیسی وحی کیسی خبر یہ تو بنی ہاشم نے کشور کشائی کے لئے ایک ڈرامہ کیا تھا۔

ایسے شعر کا قائل کافر نہیں مسلمان ہے معاذ اللہ مغفور و منصور ہے۔ اور رسول اسلامؐ کی ہر موقعہ پر نصرت کرنے والے جناب ابوطالبؑ جنہوں نے فرمایا:

الم تعلموا انا وجدنا محمداً　　　نبیاً کموسیٰ خط فی اول الکتب

میں نے محمدؐ کو موسیٰ نبی کے مثل پایا جس کا ذکر سابقہ کتب آسمانی میں موجود ہے معاذ اللہ کافر ہیں اقرار نبوت کے بعد بھی۔

ایک شعر یا ایک نظم نہیں وہ صدہا اشعار معرفت کردگار نعت نبی توصیف اسلام میں کہے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر صدر اول کے مسلمان باشعور و باسلیقہ ہوتے تو وہ جناب ابوطالبؑ اور ان کے دیوان پر فخر کرتے کہ دیوان ابوطالبؑ در حقیقت رزم نامہ اسلام بلکہ دوسرے لفظوں میں شاہنامہ اسلام ہے اصلاً یہی کلام ہے۔ جس میں اسلام کی ابتداء سے پہلے کے حالات پھر بعثت کے بعد کی مشکلات و حوادث فتوحات و عقب تبلیغی عزائم و منصوبہ بندی اور قدم بہ قدم پیش رفت کا دلچسپ ہی نہیں جلال و جمال کا خوب صورت آئینہ ہے جس میں توانائی رجائیت بشارت کی حسین تصویریں ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مورخین کی اکثریت نے نقل کیا ہے اسے مستند بھی تسلیم کیا ہے مگر اس کے باوجود وہی مرغ کی ایک ٹانگ کہ ابوطالبؑ نے معاذ اللہ کفر کا زبانی اقرار کیا ہے ایمان نہیں لائے۔ اسے کھلی بددیانتی یا تعصب تنگ نظری نہ کہیں تو اور کیا کہیں اسی مناسبت سے ہم یہاں خاتمۂ کلام ان کے چند ایسے اشعار پر کرنا چاہتے ہیں جو مختلف مگر اہم و نازک ترین مواقع پر کہے گئے اور عام طور پر ان کی جانکاری نہیں۔

جناب حمزہ (آپ کی کنیت ابویعلیٰ تھی) کے اسلام لانے کی مسرت پر جس کی وجہ سے قریش پر رعب و خوف غالب آ گیا یہ اشعار کہے:

فصبراً ابا یعلیٰ علیٰ دین احمد　　　وکُن مُظہر الدّین وُفّقت صَابرا

اے بھائی حمزہ (ابویعلیٰ) دین احمد پر جم جائیے اور استقلال کامل کے ساتھ اس کا اظہار کرتے رہئے اللہ کی توفیق آپ کے شامل حال ہے۔

(باقی صفحہ 98 پر)

ISSN NO.2455-636X

آہ! مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ

الحاج مولانا ناظم علی خیر آبادی
سربراہ مدرسہ جامعہ حیدریہ مدینۃ العلوم
موبائل نمبر: 9415250426

عالم باعمل، مفکر منفرد، مایہ ناز قلمکار، سرمایہ افتخار ادب وصحافت، باوقار مقرر، ممتاز مؤلف، مصنف ومترجم، استاد وشاعر، نکتہ رس الفاظ و معانی، مروج پیغامات بانیٔ انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ العظمیٰ آقائے خمینیؒ، ناشر احکام ہدایات مقام معظم رہبری آیۃ اللہ العظمیٰ آقای خامنہ ای، دانشور علوم مشرقیہ، موسس حوزہ علمیہ للبنات، بانی ہفتہ وار صداقت حجۃ الاسلام مولانا سید حسن عباس فطرت کی رحلت سے جہان مسلم وادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا بیحد مشکل بلکہ ناممکن نظر آرہا ہے۔

مولانا مرحوم نے اپنے وطن ہلور ضلع بستی سے نکلنے کے بعد وثیقہ عربی کالج فیض آباد میں علم دین حاصل کیا اور اس کی تکمیل جامعہ ناظمیہ لکھنؤ میں کی تحصیل علم کے زمانہ ہی سے تحریر وتقریر کا فطری ذوق تھا تو اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت کے حامل رہے شاعری بھی زمانہ طالب علمی سے کرنے لگے تھے جس میں طبیعت اور فطرت کی خوبیوں نے منزل کمال تک پہنچادیا اور الشعراء تلامیذ الرحمان کی صف میں سرفہرست آگئے اور لکھنؤ کی محافل میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے رہے اور اساتذہ شعروسخن سے داد وتحسین حاصل کرتے رہے۔

مولانا نے تحصیل علم کے بعد افریقہ کے متعدد مقامات پر تبلیغ دین اسلام کی خدمت برسوں تک انجام دی اور دارلسلام افریقہ میں ایک دینی مرکز قائم کیا جس کے زیر سرپرستی مختلف مکاتب چھوٹے مقامات پر قائم ہوئے، کئی سال تک کیرالہ میں مجالس عزا اور دینی پروگراموں کو خطاب کیا افریقہ میں قیام کے زمانہ میں متعدد بستیوں کے حالات، تہذیب وتمدن، سماج ومعاش کو مضامین کی صورت میں تحریر کیا جو ہفتہ وار بلٹز میں شائع ہوتے رہے بعد میں اسے کتابی صورت میں بھی طبع کیا گیا، ان کے ادبی سیاسی، سماجی مضامین بلٹز، انقلاب میں برابر شائع ہوتے رہے انہوں نے کچھ دنوں ممبئی کے عظیم دانش کدہ میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے! اس دوران بھی وہ دین اسلام اور مذہب اہل بیتؑ کی تبلیغ وترویج سے غافل نہیں ہوئے۔ مساجد کے موعظے، امامبارگاہوں کی مجلسیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔ ہندوستان میں پونہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی لڑکیوں کی تعلیم کیلئے حوزہ قائم کیا اور ایک موقر ہفتہ وار رسالہ صداقت جاری کیا جس میں دینی، سماجی، ادبی پُر مغز مضامین شائع ہوتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ہندو بیرون ہند سے اردو زبان میں شائع ہونے والے دینی علمی اور ادبی رسالوں میں اکثر ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔

مولانا واقعی روشن فکری اور عصری حالات سے باخبری کے ساتھ دینی پیغامات کو مؤثر، منفرد اور دل پذیر انداز تحریر سے قاری کے ذہن کو اس حد تک متاثر کرتے تھے کہ ہر پڑھنے والا اسی میں گم ہوجاتا تھا انقلاب اسلامی ایران کی آواز کے بلند ہونے کے ساتھ اس کے باقاعدہ ہمنوا رہے بانی انقلاب امام خمینیؒ اور مقام معظم رہبری آیت اللہ خامنہ ای کے پیغامات اور فرمودات کو اردو زبان میں منتقل کرکے قوم کے لوگوں تک پہنچاتے رہے، متعصب اور عناد پرست کے اعتراضات کے جوابات بھی تحریر وتقریر میں دیتے رہے۔ مولانا کے زیر نگرانی آیت اللہ العظمیٰ آقای خمینیؒ کی توضیح المسائل کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا، مولانا مسلسل ایران کی اسلامی حکومت کی جانب سے منعقد پروگراموں میں شرکت کیلئے مدعو کئے جاتے تھے۔ سیمینار میں ان کے مقالے بیحد عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ (باقی صفحہ 67 پر)

ISSN No.2455-636X

مرنے کی عمر نکلی جارہی ہے

حجۃ الاسلام مولانا سید حسین مہدی حسینی (ممبئی)
موبائل: 9833232361

دس سال قبل میرے گھر ممبئی میں ایک شب قیام رہا میں نے خیریت دریافت کی تو فرماتے ہیں: ''اماں کیا بتاؤں، مرنے کی عمر نکلی جارہی ہے''۔ شادی کی عمر نکلی جارہی ہے، ملازمت کی عمر نکلی جارہی ہے تو سنا تھا لیکن مرنے کی عمر نکلی جارہی ہے اس جملے کے خالق صرف اور صرف مولانا سید حسن عباس صاحب فطرت ہیں اوسط عمر پانے کے بعد عموماً جسمانی کمزوری لکھنے پڑھنے نہیں دیتی نتیجے میں شہرہ آفاق افراد ذہنوں سے محو ہونے لگتے ہیں۔

مولانا سید حسن عباس صاحب فطرت کو اس کا خوف تھا کہ ضعیفی کے سبب کہیں جیتے جی وہ بھلا دیئے جائیں لیکن اللہ کا ہزار ہزار کرم ان پر رہا کہ وہ پیری میں بھی جوانوں سے زیادہ حوصلہ رکھتے تھے آخری وقت تک خوب لکھا اور نہ کبھی مضامین مانگنے والوں سے عذر و معذرت کی نہ شکوہ پیری و ناتوانی جب کسی نے فرمائش کی برجستہ مگر جامع مضمون آمادہ کر دیا، ادبی اور دینی دونوں جرائد ان کے مضامین سے زینت پاتے رہے حوزوی تعلیم رکھنے والے چاہتے ہوئے بھی وہ سلاست و روانی نہیں لا پاتے جو قاری کو اپنی طرف جذب کر سکے لیکن مولانا مرحوم کو یہ قدرت تھی کہ جب لکھتے تو ایسا لکھتے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی کم نہیں ہوتی۔ برسوں کی معلومات و اطلاعات بھی ان کے حافظے میں محفوظ رہتی اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں نے اپنی تالیف صحیفہ نماز، و فلسطین خونبار، پر پیش لفظ کی گذارش کی تو صحیفہ نماز، کے لئے دو صفحوں میں نماز کے موضوع پر برجستہ احادیث کی روشنی میں وہ چیزیں لکھ دیں جو عموماً مطالعہ کر کے لکھی جاتی ہیں۔ اسی طرح فلسطین خونبار پر مقدمہ لکھتے وقت ان قدیم کتابوں اور حقائق کی طرف اشارہ کر دیا جس کی خود ہمیں خبر نہیں تھی اپنے دو صفحوں میں اسرائیل کے ظلم و جور کو نقطہ بسم اللہ کی طرح سمیٹ دیا۔

قدرت حافظہ کا اندازہ قم میں ہوا میرا کمرہ مدرسہ فیضیہ میں تھا چونکہ یہ حرم معصومہ سلام اللہ علیہا سے متصل ہے لہٰذا ہند و پاک سے زیارتوں یا کانفرنسوں میں آنے والے علمائے اعلام مثلاً علامہ جوادی، علامہ طالب جوہری، صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد، مولانا ادیب الہندی وغیرہ ہم نماز ظہرین و مغربین سے دو ڈھائی گھنٹے قبل آجایا کرتے تھے اسی جگہ طلاب کرام اور علمائے اعلام کے احباب ملاقات کے لیے آتے ایک بار مولانا حسن عباس صاحب ہی کے سن و سال کے ایک پاکستانی عالم دین میرے کمرے میں تشریف لائے مولانا فطرت صاحب مرحوم ان دنوں میرے مہمان تھے مولانا فطرت صاحب نے پاکستانی عالم دین سے اجنبی کی طرح علیک سلیک کی مرحوم سمجھ رہے تھے مجھ سے ملنے آئے ہیں جب کہ وہ انہیں سے ملنے آئے تھے چند لمحے جب گذر گئے تو آنے والے پاکستانی عالم دین نے فرمایا آپ نے مجھے پہچانا؟ لمحے سے بھی کم چہرے پر نظر جمائی اور برجستہ بولے ہاں ہاں کیوں نہیں آپ سلطان المدارس میں رہتے تھے۔ ملک تقسیم ہوا کسی کو کسی کی خبر نہیں تو جوانی پیری میں بدل چکی تھی قبلہ فطرت صاحب کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ چالیس سال بعد ایک دوسرے سے ملیں گے اس عرصے میں نہ دونوں کے درمیان خط و کتابت نہ رابطہ لیکن چند سکنڈ میں پہچاننا قابل تعریف تھا۔

مرحوم چہرے سے محقق نہیں لگتے تھے مسکراتا ہوا چہرہ تھا عموماً شاعر و ادیب جسم سے تو لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں لیکن ذہنی طور سے کچھ نہ

ISSN No.2455-636X

کچھ سوچا کرتے ہیں لیکن مولانا فطرت صاحب بالکل الگ تھے جس وقت لکھنے بیٹھتے اسی وقت سوچتے اور ارتجالاً لکھتے جاتے یہ بھی خوبی تھی کاٹ پیٹ تحریر میں نہیں ہوتی دریا کی روانی کی طرح قلم چلتا رہتا۔

۱۹۸۲ یا ۱۹۸۳ کی بات ہے استاد محترم ادیب الہندی صاحب مرحوم کے ہمراہ مجھی میں پہلی بار ہماری ان سے ملاقات ہوئی علیک سلیک کے بعد پوچھا سلمہ آپ کہاں کے ہیں؟ آج بھی وہ صوت و آہنگ حافظہ کو لذت بخش رہا ہے۔ اس ملاقات کے بعد تو ملاقاتوں کا ایک طولانی سلسلہ رہا اور اس درمیان بہت سی چیزیں پوچھتا رہا وہ بتاتے رہے میں نے اپنے کسی مضمون کو اصلاح کے لیے دیا ان کی خوبی رہی کہ مضمون نگار کے خیال کو ہو بہو باقی رکھتے ہوئے ایسی اصلاح کرتے کہ گونگی تحریر گویا ہو جاتی ایک بار میرے مضمون پر اصلاح کے بعد لکھا:

"بار بار لکھو اور بار بار پڑھو پھر ایک بار لکھو تا کہ لوگ بار بار پڑھیں"

اردو کے قدیم اور جدید اساطین و اساعیذ کے سارے کلام پڑھ چکے تھے لہذا اگر کسی لفظ یا ترکیب سے متعلق کوئی سوال کرتا تو اپنے خاص انداز میں فرماتے ہاں ہاں سودا، یا غالب، نے استعمال کیا ہے۔

ان میں بڑی خوبیاں تھیں صرف ایک کی طرف اشارہ کر رہا ہوں شاذ و نادر ہی کوئی صنف علما میں ایسا ہوگا جس کی زندگی میں کبھی مالی پریشانی نہ ہوئی ہو علمائے کرام کے ساتھ تو ہوتا ہی ہوتا ہے چونکہ انکی آمدنی انکی واجب ضرورت کو بھی پورا نہیں کرتی خواہ نخواہ کبھی تو قرض لینا ہی پڑا ہوگا لیکن وہ کہتے تھے میں نے اپنا خرچ ہمیشہ آمدنی کے مطابق رکھا کبھی کسی سے قرض نہیں لیا۔

مولانا سید حسن عباس صاحب مرحوم کی موت سے اردو ادب کا ناقابل فراموش نقصان ہوا ہے۔ بہت دنوں تک دینی اور ادبی جرائد انکے فراق میں سوگ نشیں رہیں گے۔ رب غفور بحق محمد و آل محمد علیہم السلام ان کے درجات بلند فرمائے اور اس علمی خلا کو جلد از جلد پر فرمائے۔ ✿✿✿

صفحہ 46 کا بقیہ۔۔۔

انہوں نے ایک نیوز ایجنسی قائم کی جس کا نام مجموعہ اخبار صداقت رکھا۔ آج بھی یہ اخبار جاری ہے۔ حالات کے نشیب و فراز پر کیا بہترین مضامین اس میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ظلم کے خلاف مظلومیت کی علامت دنیا کی سب سے زیادہ جاندار تحریک کربلا ہے۔ اسی تحریک سے ہندوستان میں آزادی کی تحریک کی قیادت کرنے والے آنجہانی مہاتما گاندھی نے خوب استفادہ کیا۔ اور یہی تحریک بنیاد بنی انقلاب اسلامی ایران کی لہذا علامہ فطرت مرحوم نے واقعہ کربلا پر بہت کچھ لکھا۔ ماہنامہ اصلاح کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس سلسلے کے ان کے بیشتر مضامین اس مجلہ میں شائع ہوتے رہے۔ ادھر انہوں نے ایک سلسلہ مضامین "یکی از فرزندان عاشورہ" شروع کر رکھا تھا کہ جس کی متعدد قسطیں شائع ہو چکی ہیں یہ سلسلہ ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ ان کی شمع حیات گل ہو گئی۔

دور حاضر میں عالم انسانیت کا بہت بڑا المیہ مسئلہ فلسطین ہے جو ۱۹۴۸ء سے ظالموں کی حمایت کے بل پر آج تک زندہ ہے۔ اس جرم کے خلاف آواز احتجاج کو مضبوط کرنے کے لئے امام خمینی علیہ الرحمہ نے جمعۃ الوداع کو یوم القدس کا نام دیا تھا پوری دنیا ہر سال جمعۃ الوداع کو امریکہ مردہ باد اسرائیل مردہ باد کے نعروں سے گونجتی رہتی ہے۔ اس موقع کے پر مولانا حسن عباس فطرت مرحوم خصوصی شمارے شائع کرتے۔ اس موضوع پر بہترین مضامین لکھتے لیکن اسے بھی آپ اتفاق کہیے یا ان کی انصاف پسند طبیعت پر الٰہی تائیدی مہر کہ ان کی وفات ماہ صیام کے آخری پنجشنبہ کو ہوئی اور شب جمعۃ الوداع آسودہ لحد ہو کر یہ پیغام دے گئے کہ دیکھو میں تو جا رہا ہوں لیکن ظلم کی مزاحمت میں اس تحریک کو کبھی بھی کمزور نہ ہونے دینا۔ اک شمع تحریک مزاحمت ۲۱ مئی ۲۰۲۰ء کو خاموش ضرور ہو گئی ہے لیکن اس کی روشنی انصاف پسندوں کے دلوں کو روشنی سے منور کرتی رہے گی۔

ع: حق مغفرت کرے بڑا آزاد مرد تھا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مزدوروں کا مسیحا —— مرحوم

سید محمد جابر جوراسی

۲۱/مئی ۲۰۲۰ء کو مشہور عالم وصحافی ونقاد علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ پونہ مہاراشٹر میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یاد رہے یکم مئی کو مزدوروں کا عالمی دن تھا، وہ مزدور کہ جن کی محنتوں کے نتیجے میں ملکوں کی زندگی پٹری پر رہتی ہے لیکن عجیب اتفاق کہ وہی مزدور لاک ڈاؤن کے اعلان میں منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے بالآخر شاہراہوں پر آگئے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس اعلان سے ایک ہفتہ پہلے عوام پر یہ واضح کر دیا جاتا کہ ایک ہفتہ کے بعد ۲۱ دن کا لاک ڈاؤن ضروری ہے۔ حسب ضرورت اس میں اضافہ بھی ممکن ہے لہٰذا جس کو جہاں جانا ہے وہ چلا جائے بعد میں نقل وحرکت کی اجازت نہ ہوگی۔ لیکن اچنبھے میں ڈال دینے والے اعلانات کرنے کی عادت نے پورے ملک کو مخمصے ومصیبت میں ڈال دیا۔ مزدوروں نے بہت برداشت کیا لیکن جب لاک ڈاؤن میں اضافہ پر اضافہ ہوتا رہا اور ان کی جمع پونجی ساتھ چھوڑنے لگی، غذا فراہم کرنے کے وعدے کمزور سے کمزور ہوتے رہے تو یہی مزدور اپنے اپنے وطن پیدل جانے کے لئے باہر نکل آئے۔

اب اسے اتفاق ہی کہئے کہ جب ان کا سفر نقطۂ عروج پر تھا تو وہ مئی کا مہینہ تھا۔ وہ مئی کا مہینہ جس کی پہلی تاریخ کو مزدوروں کا عالمی دن تھا۔ اور اس کے بعد بیس دن تک ایک حساس عالم وصحافی علامہ حسن عباس فطرت ان حالات پر نظر تاسف ڈالتے رہے۔ اور جو کچھ انہوں نے سنا اور دیکھا اس کے بعد ان کے زندہ رہنے کا حوصلہ دم توڑ گیا۔ ۲۱ مئی ۲۰۲۰ کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور شب جمعۃ الوداع پونہ مہاراشٹر کے شہر خموشاں کا حصہ بن گئے۔

مولانا مرحوم ایک ایسے صحافی اور اہل قلم تھے کہ جنہوں نے اپنی بے باک تحریروں کے ذریعہ ہمیشہ ظالم سرمایہ دارانہ نظام سے ٹکر لی۔ اسلام سرمایہ داری کا مخالف نہیں ہے فقط اس ناانصافی برتنے والی سرمایہ داری کے خلاف ہے۔ جس میں مزاج حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی خوبو نہ ہو۔ وہ محنت ومزدوری کرنے والوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آئے۔ ایک طرف خوجہ مسجد میں امامت جمعہ وجماعت کا فریضہ بھی انجام دیا اور بقول استاذ وثیقہ عربی کالج فیض آباد مولانا نذیر حسن عابدی انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے ممبئی میں وہ دودھ ڈیری دیکھی کہ جو علامہ حسن عباس فطرت مرحوم نے قائم کی تھی۔ اور صنف علماء کو ایک پیغام دے دیا تھا کہ دیکھو یہ محنت وتجارت ایک باعزت پیشہ ہے اس سے گریزاں نہ ہونا۔ ورنہ ایک دن ایسا آئے گا کہ جب تمہاری آمدنی کے معروف ذرائع امامت وخطابت وغیرہ خطرے میں پڑ جائیں گے تو یہی تجارت تمہیں دعوت آسودگئ زیست دے گی۔

مولانا حسن عباس فطرت اگرچہ دینی مدارس وثیقہ عربی کالج فیض آباد جامعہ ناظمیہ لکھنؤ کے تعلیم یافتہ تھے اور ان کی بنیادی دینی تعلیم میں ان کے وطن میں اس وقت کے پیش نماز مبلغ اسلام مولانا سعید اختر رضوی طاب ثراہ کا خصوصی حصہ تھا۔ جنہوں نے بعد میں سرزمین افریقہ پر اس اسلام کو کالوں کے درمیان پھیلایا کہ جو اسلام کالے گورے کے فرق کو قطعاً تسلیم نہیں کرتا۔ ایسے استاد کی تربیت رنگ لائی اور دینی حلقوں میں انہیں اس سلسلے میں تبلیغ کی کچھ کمی نظر آئی تو انہوں نے ترقی پسند تحریک کے دامن کو تھام لیا۔ جس میں وہ افراد بھی تھے کہ جو مذہب سے لاتعلق رہے جیسے خواجہ احمد عباس، جناب گل حسن، ظ انصاری۔ ظ انصاری کے مزاج میں بھی روح انقلاب موجود تھی، کون ناواقف ہوگا سید جمال الدین افغانی کی شخصیت سے کہ جنہوں نے ملکوں کا دورہ کر کے مظلوموں کی حمایت اور مظلوں کے حامی سب سے بڑے مذہب اسلام کی تاش میں جاندار تحریکیں چلا رکھی تھیں۔ نئی دہلی میں سفینۃ الہدایہ ٹرسٹ کی جانب سے بانئ انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کے دیسے کے سلسلے میں ایک سیمینار تھا جس میں میرا مقالہ سید جمال الدین

ISSN No.2455-636X

افغانی مرحوم کی انقلابی اور مجاہدانہ زندگی پر تھا۔ جس نشست میں میرا مقالہ پڑھا گیا اس کی صدارت جناب ظ انصاری مرحوم کر رہے تھے وقت کم تھا منتظمین نے ایک تحریر کے ذریعہ مجھے متوجہ کیا کہ یہ مقالہ اب ختم کر دیجئے بعد میں شائع ہو جائے گا۔ میں نے کسی موقع پر کہا تھا "مقالوں کی قسمت چھپنا ہوتا ہے پڑھنا نہیں" بہر حال صدارتی خطبے میں جب انہوں نے ہر مقالے پر روشنی ڈالی تو میرے مقالے کے لئے فرمایا کہ مجھے بہت افسوس ہے کہ یہ بہترین مقالہ پڑھنے نہیں دیا گیا۔ جمال الدین افغانی سے ان کی عقیدت بتا رہی تھی کہ اسلامی عظمت کے مقابلے میں اشتراکیت جاں بلب تھی جس کا ثبوت بھی ہمارے پاس فراہم ہو گیا اور وہ اپنے اشتراکی نظریات سے تائب ہو گئے۔

اس تحریک میں مذہب سے انتہائی دلچسپی رکھنے والے پروفیسر احتشام حسین مرحوم بھی موجود تھے۔ ترقی پسند تحریک کو اشتراکیت کی جھولی میں ڈال دینا انصاف نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اشتراکیت سے کہیں زیادہ اسلام نے مساوات کا سبق سکھایا ہے۔ مثلاً جب اسلام کا نشاۃ جدید پیغمبر اسلام حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے سہارے گھٹنیوں چل رہا تھا تو انہوں نے ایک حبشی غلام بلال کو سفید رنگت والے قریشیوں پر اس طرح ترجیح دی کہ انہوں نے مؤذنی پر جناب بلال حبشی کو پہنچا کر یہ عملی اعلان کر دیا کہ اسلام میں جلد کی رنگت کو اہمیت نہیں حاصل ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے اخلاص و تابندگی کو عظمت و اہمیت حاصل ہے۔ یہی پیغمبر اسلام ﷺ تشریف فرما ہیں آپ کی خدمت میں ایک مزدور حاضر ہوا ہاتھ میں پھاوڑا چلانے کی وجہ سے اس کی ہتھیلیاں کھردری اور سخت تھیں۔ پوچھا گیا کرتے ہو کہا پہاڑیوں کو کاٹ کر محنت و مزدوری کرتا ہوں کیا کہنا اس شخصیت کا کہ جس کو شب معراج آواز دی گئی تھی کہ پہنے ہوئے نعلین چلے آؤ محمدؐ اور ان کے قدموں کو عرش کی بلندیوں نے بوسہ دیا تھا اس باعظمت نبیؐ نے اس مزدور کے ہاتھوں کو ہاتھوں میں لیا اور انہیں بوسہ دے کر اس سستی اور کاہلی کے نظام پر طمانچہ مارا کہ جو سرمایہ داروں کی غلامی کو اپنی زندگی کے غلامانہ نظام کا حصہ سمجھتی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے خانوادہ کی اس انفرادیت کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے داماد وصی و وزیر مولائے غدیر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تھے تو مولائے کائنات، لیکن جب وہ یہودی کے باغ میں مزدوری کرنے کے بعد مزدوری میں کھجوریں حاصل کر کے خدمت پیغمبرؐ میں حاضر کرتے ہیں تو آپ انہیں تناول کر کے مزدوری کے پیشے کو تمغۂ شرف سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ یہی مزدور طبقہ وہ ہے کہ جو بظاہر مالی حیثیت سے کمزور ہوتا ہے لیکن اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ اگر اٹھ کھڑا ہو، شاہراہوں پر آ جائے تو عوامی انقلاب نظام ظلم و جور و ناانصافی کے خلاف دستک دینا شروع کر دیتا ہے۔ سیتھل ضلع بریلی میں بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر جناب انتقام الحسنین منتقم سیتھلی مرحوم کی میزبانی میں عید کے دن ایک مشاعرہ ہوا کرتا تھا جس کے ایک مشاعرے کی صدارت راقم السطور کے بھی سپرد ہوئی مصرعہ طرح تھا: "جن کو چلنا نہیں آتا وہ کچل جاتے ہیں"۔ میں غزل گو نہیں ہوں لیکن وہاں تقاضۂ منصب کے تحت طرحی اشعار کہنا ہی پڑے۔ میں نے مصرعہ طرح میں جو گرہ لگائی تھی وہ یہ تھی:

جن کو کچھ آ گیا چلنا وہ کچل دیتے ہیں   جن کو چلنا نہیں آتا وہ کچل جاتے ہیں

اور اسی میں ایک شعر تھا جو غریبوں اور مزدوروں کی حالت زار پر ہر دور میں روشنی ڈالنے والا ہے اور وہ یہ تھا:

ظلم کے پاؤں سے جو لوگ کچل جاتے ہیں   وہ جب اٹھتے ہیں تو حالات بدل جاتے ہیں

بدلے ہوئے عالمی حالات کی آہٹ علامہ حسن عباس فطرت نے سنی مگر پورا منظر نہ دیکھ سکے۔ ہمارے ملک میں جب مزدور شاہراہوں پر آ گئے، ریل کی پٹریوں پر کٹ گئے، راستوں میں بھوکوں مر گئے تو اقتدار کے سارے ہوائی قلعے زمیں بوس ہوتے ہوئے نظر آئے۔ علامہ فطرت مرحوم نے یہ منظر نہیں دیکھا لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہی کمزور افراد کہ جو سرمایہ دارانہ نظام کے پیروں تلے کچلے جاتے رہے ہیں ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے ہیں وہ جب اٹھتے ہیں تو کیا ہوتا ہے یہی مئی کا مہینہ رخصت ہوتے ہوتے ایک عبرت ناک منظر دنیا کے حوالے کر گیا۔ امریکہ کا ایک غریب سیاہ فام جارج فلائیڈ ایک دکان پر بیس ڈالر کا نوٹ لے کر گیا تھا جو نقلی پایا گیا۔ یہ نقلی نوٹ چھاپنا بھی کسی سرمایہ داری کا کام ہوگا مگر زد میں آ گیا وہ غریب

سیاہ فام کہ جس کی عزت اصلی و نقلی کا فرق پہچاننے کی حیثیت میں نہیں تھی۔ پولیس کو فون کیا اس نے جارج کو حراست میں لیا، اور وہ پولیس جسے بعض علاقوں میں مصلحت پسندی کی وجہ سے مجاہد کا درجہ دے دیا گیا۔ اور اس کی زیادتیوں پر پردہ ڈال دیا گیا۔ یہی مثال لے لیجئے ہمارے ملک میں جب تبلیغی جماعت کا مسئلہ ابھرا اور مسجدوں مسجدوں ان کی تلاشی ہونے لگی تو کسی حاسد کی غلط اطلاع کی بنیاد پر ایک پولیس ٹیم میرے مکان سے ملحقہ مسجد میں بھی جماعتیوں کی تلاش کے لیئے پہنچ گئی۔ میں نے کوتوال سے کہا ہم شیعہ ہیں جماعت سے ہم لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے اس پر وہ واپس تو چلے گئے مگر ان کے شعور تفتیش پر سخت حیرت ہوئی۔ پولیس ہی کے ایک سپاہی نے جارج کے گلے کے اوپر اپنا گھٹنا اتنی سختی سے ٹیک دیا وہ غریب چلاتا رہا میرا دم گھٹا جارہا ہے، تماش بینوں نے فلم بھی بنالی، گھٹنے کے دباؤ سے جارج کا دم نکل گیا۔ گلے میں اس کی آواز احتجاج دم توڑ تو گئی لیکن لاتعداد لوگوں کو سلیقہ احتجاج دے گئی۔ دم تحریر امریکہ کے بیشتر شہروں میں اس ظلم وستم کے خلاف شاہراہوں پر احتجاج جاری ہے۔ جس کا افسوسناک پہلو بھی ہے کہ اکثر مقامات پر یہ متشدد ہوگیا ہے۔ کالے احتجاجیوں کے ساتھ گورے بھی شامل ہوگئے۔ اور باضمیر پولیس والے بھی اپنے محکمہ کی درندگی پر شرمندہ نظر آئے اور احتجاجیوں کا ساتھ دینے لگے۔ وہ امریکی صدر ٹرمپ کہ جنہوں نے پوری دنیا کو اپنی سرکاری دہشت گردی کا میدان بنا رکھا ہے ولو وہ جب ہمارے ملک آئے ''ٹرمپ نمستے'' کے ذریعہ انہیں ناروا خراج عقیدت پیش کیا گیا لیکن جب انہیں کے شہری خود ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو ان کے ٹوٹے ہوئے مجسمے شاہراہوں پر بکھرتے ہوئے نظر آئے۔ کبھی یہ حضرت بنکر کے اندر اپنی بے قیمت زندگی بچاتے نظر آئے۔ تو کبھی اس فوج کے حوالے احتجاجی شہروں کو کرنے کی دھمکی دیتے نظر آئے۔ جس فوج کے ذریعہ انہوں نے کئی ممالک بالخصوص مشرق وسطیٰ کے ممالک کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ انہوں نے عراق ہو یا ایران شام ہو یا لبنان سازش کر کے وہاں کئی مرتبہ شورش برپا کرنا چاہی اور ان ملکوں کی مضبوط حکومت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ آج خود وہ اپنی سازش کا شکار ہو چکے ہیں اور اس فارسی مثل کی زندہ مثال بن گئے ہیں: چاہ کندن را چاہ درپیش (دوسروں کے لئے کنواں کھودنے والا خود اس کا شکار ہوتا ہے)۔

کیا کہنا اس باوقار اہل قلم کا اور اس بے باک صحافی کا کہ جس نے زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھانے کو اپنا دینی وانسانی فریضہ سمجھ رکھا تھا۔ کالوں کے علاقے افریقہ کے سفر پر جب گئے اور انہوں نے وہاں دیکھا کہ گوروں نے ان قدیمی باشندوں کے استحصال کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے تو جہاں جہاں بھی کالے انقلاب برپا کرتے نظر آئے مولانا مرحوم ان کے تائیدی بنے حقیقت یہ ہے کہ ظلم وستم کے ہاتھوں بہنے والا ان کالوں کا خون نہ سفید تھا نہ سیاہ۔ رنگت تو ان کی سیاہ تھی لیکن خون ان کا سرخ تھا۔ انہوں نے جب اپنا سفرنامہ لکھا تو کیا بہترین ان کا نام رکھا ''افریقہ سرخ وسیاہ'' وہاں کے کئی ملکوں کے حالات کا جائزہ لیا تو ان کا انصاف پسند قلم جولانی پر آگیا۔ انہوں نے ان کالوں کی منصفانہ حمایت میں صفحات کے صفحات سیاہ کردیئے۔ یہی سرمایہ دارانہ نظام تھا کہ جس نے ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کے سہارے مملکت اسلامی ایران کو اپنے شکنجے میں لے رکھا تھا لیکن ایک سیاہ عمامہ پوش کبیر السن لیکن عزم وحوصلے میں جوان امام خمینیؒ جیسے مجاہد نے اپنے دستہائے احتجاج سے اس شہنشاہیت کا گلا گھونٹ دیا۔ اور ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو یہ انقلاب شرمندۂ تعبیر ہوگیا۔ تو گویا مولانا حسن عباس فطرت کی انصاف پسند طبیعت کو بہت بڑا سرمایہ ہاتھ لگ گیا۔ مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی مخالفت کا اچھا موقع ہاتھ لگا۔ انہوں نے متعدد مضامین انقلاب اسلامی کی حمایت میں لکھے جن کا مجموعہ 'چشمۂ آفتاب' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس حسن اتفاق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ بانی انقلاب امام خمینیؒ نے اپنی زندگی میں کمیونزم کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز سن لی تھی اور موجودہ رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای مدظلہ نے سرمایہ دارانہ نظام کی ہڈیوں کو چور چور ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔

علامہ حسن عباس فطرت مرحوم بار بار متعدد تقاریب میں اسلامی جمہوری ایران جاتے رہے۔ وہ عالمی اہل بیت کونسل کے رکن تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عدل وانصاف کے معیار کی ایک عظیم علامت اہل بیت اطہار علیہم السلام کی مثالی زندگیاں ہیں۔ (باقی صفحہ 43 پر)

ISSN NO.2455-636X

آہ! آسمان علم وادب کا درخشندہ ستارا غروب ہوگیا

الحاج مولانا شیخ ابن حسن املوی
(صدرالافاضل، واعظ)
بانی وسرپرست حسن اسلامک پی ڈی ایف (PDF)
لائبریری، املو، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

مشہور شیعہ عالم دین اور اردو کے ممتاز ادیب وصحافی علامہ سید حسن عباس فطرتؔ بلوری ۸۵ رسال کی عمر میں ۲۰ رمئی بروز جمعرات پونے مہاراشٹر میں جہاں مستقل طور سے امام جمعہ و جماعت تھے دنیا سے رحلت فرماگئے۔آپ کا آبائی وطن اتر پردیش کے ضلع بستی کا مشہور قصبہ بلور ہے۔فطرتؔ آپ کا تخلص تھا۔اچانک آپ کے انتقال سے ہندوستان، پاکستان، ایران، عراق، جرمنی، ناروے، افریقہ، امریکہ سمیت کئی ممالک کے علمی وادبی اور مذہبی حلقوں میں غم کی لہر دوڑ گئی۔تعزیتی جلسے اور پیغامات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔جو لوگوں کی علامہ فطرتؔ سے عقیدت و محبت کی علامت ہے۔اور اس بات کا ثبوت ہے کہ حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا حسن عباس صاحب فطرتؔ بلوری کے علمی فیوض و برکات کسی ملکی، علاقائی سرحدوں میں محدود نہیں تھے بلکہ عالمی پیمانہ پر دنیا کے گوشے گوشے میں اب بھی جاری وساری ہیں۔معروف عالم دین، ادیب عصر، محقق دوران، مبلغ اسلام، امام وخطیب، مصنف ومولف ومترجم، کہنہ مشق تجربہ کار معتبر صحافی وشاعر حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید حسن عباس فطرتؔ بلوری علم وادب کا درخشندہ ستارا تھے آہ! آسمان علم وادب کا درخشندہ ستارا ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔مرحوم نہایت خوش اخلاق، نیک کردار، ملنسار انسان تھے۔مجھ سے ایک دوست کی طرح ملتے تھے، کبھی کبھی وہ خود احوال پرسی کے لئے پونہ یا لکھنؤ سے مجھ کو فون کرتے تھے۔اور میں بھی ایک مخلص بزرگ کی دعا لینے کے لئے ان کو فون کیا کرتا تھا۔میری چند کتابوں پر آپ نے جو بہترین تاثرات قلمبند فرمائے ہیں وہ ادبی ذوق رکھنے والے قارئین کے لئے ادبی نمونہ بھی ہیں اور میرے لئے تحفہ وسند۔نیز علامہ بلوری طاب ثراہ کے اسلوب نگارش کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔میری کتاب تاریخ مدرسہ سلطان المدارس و جامعہ سلطانیہ لکھنؤ جلد اول (شائع شدہ ۲۰۱۶ء از مرکز بین المللی نور میکرو فیلم، ایران کلچر ہاؤس، نئی دہلی، دفتر آقائی ڈاکٹر مہدی خواجہ پیری) میں آپ نے بطور تاثرات ''سلطان المدارس کچھ یادیں کہر آلود حافظے سے'' عنوان کے تحت چار صفحات میں تحریر فرمایا ہے۔جس کے کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں۔مدرسہ کی شان وشوکت ان الفاظ میں بیان کی ہے:۔

''سلطان المدارس۔جب بھی کہیں بھی یہ نام کان میں پڑ جاتا ہے تو اچانک ماضی کی طویل رات یادوں کے ان گنت جگنوؤں سے روشن ہو جاتی ہے۔نہ جانے کتنے پردے گرتے ہیں اور پھر اٹھ جاتے ہیں۔سائے، پرچھائیوں کا راج ہوتا ہے۔انھیں کے بیچ انسانوں کی چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔جس میں بعض چہرے اپنی تابناک نورانیت کے باعث پہچان میں نہیں آتے۔تہذیب ایک حسین مرقع، ثقافت وروایت کا انمول نمونہ، دو قدیم کھجور کے سوکھے درختوں کی دربانی میں ایک عالیشان بلند وبالا خوبصورت عمارت، چاروں طرف پھیلا ہوا سبزہ، اندرون بلڈنگ ایک بڑے ہال میں بچھے ہوئے بڑے بڑے تخت جس پر سفید دودھیا چادر (جسے چاندنی کہا جاتا ہے) قرینے سے بچھی رہتی، ارد گرد کے میدان میں چھائی ہوئی کروندے کی بیل، اکادکا بیل کیتھ کے درخت اس پر نشانہ بازی میں مصروف چند نوخیز لڑکے، لق ودق میدان کھیل کود اور راہ گیروں کی مدد کے لئے۔ہال کے اندر تخت پر بیٹھے استاد بھی شاگرد بھی۔شمالی ہند وپنجاب وسرحد کے طالب علم اپنی اپنی کتابیں کھولے آمدنامہ، میزان ومنشعب کی گردان دھراتے ہوئے اور مولوی صاحبان ان کی رہنمائی اور دیکھ ریکھ میں مصروف۔علوم اسلامی کا یہ قدیم مرکز اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے۔یہاں

ISSN No.2455-636X

پڑھ عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے امیر، غریب، راجہ، پرجا، نواب، تعلقدار سب آتے تھے ان میں سے بعض پڑھ لکھ کر عالم فاضل بھی ہوئے اور صاحب تصنیف و تالیف بھی"۔

اور آگے اپنے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"ہم نے اپنی طالب علمانہ زندگی کے دو قیمتی سال یہاں (سلطان المدارس میں) گذارے اور مدرسہ کے مدرسین کرام کی شفقتوں سے بہرہ یاب ہوئے۔ الہ آباد بورڈ کا منشی پاس کیا اور وثیقہ اسکول فیض آباد میں پڑھ لیا۔ وہ زمانہ ۱۹۴۲ء–۱۹۴۶ء کا تھا۔ جو سلطان المدارس کا زریں دور تھا۔ عالی رتبہ اساتذہ کرام کے ساتھ طلباء میں مولانا شبیہ الحسن نونہروی، مرتضیٰ حسین فاضل، سبط محمد اکبر پوری، مولانا غلام مرتضیٰ صاحب، مولانا کلب عابد صاحب، مولانا ذکی حیدر کراروی وغیرہ جو بعد میں مفسر، مورخ، ادیب، و حکیم اور مختلف علوم و فنون کے ماہر مانے گئے"۔

اور آگے مدرسہ ناظمیہ کا بھی ذکر خیر فرمایا ہے:۔

"سلطان المدارس اور مدرسہ ناظمیہ دونوں ملت جعفریہ کی متاع بے بہا ہیں۔۔۔۔۔ احقر کو دونوں مدرسوں میں رہ کر استفادہ علمی کا موقع ملا اس کی داستان مختصر نہیں ہے۔ موقع ملنے پر پھر کبھی بشرط حیات اسے دہراؤں گا۔ کیوں کہ وہ بہت دلچسپ ہے۔ ابھی تو میرے کانوں میں سلطان المدارس کے گھنٹے کی آواز آرہی ہے۔ یہ گھنٹہ دن رات گھنٹے گھنٹے پر بجتا رہتا ہے۔ یہ تاریخی گھنٹہ ہے جو کتب خانہ کے سامنے آویزاں ہے۔ اس کا بجانے والا چپراسی بھی انتہائی پرانا اور عمر دراز ہے۔ رات کو سناٹے میں مدرسہ کے ارد گرد ایک آواز یا علیؑ حیدری کی گونجتی رہتی ہے۔ یہ پکارنے والا اپنی رعب دار آواز سے ارد گرد کے لفنگوں کو اپنی موجودگی بتاتا رہتا ہے"۔

سلطان المدارس میں اپنے دور کے مشہور اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ہمارے زمانہ میں سلطان المدارس میں درجہ ادبیات مولانا ابن حسن نونہروی کے ذمہ تھا جو خطابت کے بادشاہ تھے۔ معقولات مولانا عبدالحسین صاحب سنبھالے تھے جو اپنے فن و کمال میں منفرد تھے۔ فقہ و الٰہیات کا درس مولانا حسین صاحب مجتہد دیتے تھے۔ آل باقر العلوم سید محمد صاحب مجتہد پرنسپل تھے جن کا علم و تقویٰ مشہور تھا"۔

یہ تحریر پر تنویر علامہ بلوری نے ۱۰ رفروری ۲۰۱۶ء کو رقم فرمائی تھی۔ جب میں نے حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید حسن عباس صاحب قبلہ فطرت بلوری سے اس کتاب پر کچھ لکھنے کے لئے کہا تو پوچھا کہ یہ کتاب مکمل ہو جائے گی تو پھر کس مدرسہ کا نمبر ہوگا کیونکہ اس سے قبل "تاریخ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ" میں نے تین جلدوں میں تالیف کیا اس پر بھی آپ اپنے تاثرات قلمبند فرمائے ہیں۔ تو اس وقت میں نے تذکرتا کہا کہ ہاں ان شاءاللہ اب جامعہ ناظمیہ کا ارادہ ہے۔ کیونکہ اس وقت آقائی ڈاکٹر مہدی خواجہ پیری اور حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ سید حمید الحسن صاحب قبلہ نے بھی اس کام کے لئے مجھ سے کئی بار خواہش و فرمائش کی تھی۔ شاید اسی امید پر علامہ حسن عباس فطرت صاحب قبلہ نے ناظمیہ کے تعلق سے یہ جملہ لکھا ہے کہ "اس کی داستان مختصر نہیں ہے۔ موقع ملنے پر بشرط حیات اسے دہراؤں گا کیونکہ وہ بہت دلچسپ ہے"۔ جامعہ ناظمیہ سے ان کو لگاؤ کچھ زیادہ ہی تھا کیونکہ وہاں کے فارغ التحصیل "ممتاز الافاضل" تھے۔

افسوس کہ ان کے دل کی تمنا دل ہی میں رہ گئی کیونکہ تاریخ جامعہ ناظمیہ کی ترتیب و تدوین کا نہ ہم کو موقع ہی مل سکا اور نہ علامہ کی حیات نے وفا کی۔ رحمت کے مہینہ میں جمعرات کے بافضیلت دن میں اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے۔ اللہ بحق محمد و آل محمد علیہم السلام علامہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

E-Meil: ihamilovi@gmail.com / mobile: 765110786

ISSN No.2455-636X

سفرنامۂ فطرت

استاذ حجۃ الاسلام مولانا سید شمشاد حسین رضوی، اترولوی قمی
مقیم حال اوسلو ناروے

سفرنامہ لکھنے کے لئے جن شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے، اس میں پہلی اور ضروری شرط، اس علاقہ کا سفر کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ''خبر'' بغیر مشاہدہ کے درست نہیں ہوتی۔ یعنی بلا سفر کئے ہوئے، سفرنامہ کے لئے قلم اٹھانا صحیح نہیں۔

سفرنگاری کی تحریر میں منظر کشی، قاری کو توجہ دلاتی ہے کہ اس جگہ کا کیا منظر اور سین ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ لکھنے والے کا مشاہدہ تیز اور باریک بین ہونا چاہئے۔ تاکہ پڑھنے والا جب بھی اس مقام پر جائے تو دیکھنے کے بعد اس کے ذہن میں وہ سارا منظر گھوم جائے اور یہ کہہ اٹھے کہ ہاں یہ وہ منظر اور جگہ ہے، جس کا ذکر میں نے فلاں سفرنامہ میں پڑھا تھا۔ سفرنامہ میں منظرنگاری کے ساتھ ساتھ واقعہ نگاری پر بھی زور دینا تحریر کو دلچسپ بناتا ہے۔ یعنی جس چیز کی منظرنگاری ہو، وہ واقعتاً بھی موجود ہو۔ صرف تخیل اور فرضی بات نہ ہو، بلکہ حقیقت اور واقعیت سے قریب تر ہو۔ سفرنامہ لکھنے کے شرائط کی تفصیل اگر لکھی جائے تو وہ خود ایک مقالہ یا کئی مقالات معرض وجود میں آسکتے ہیں۔

اس وقت ''سفرنامہ فطرت'' پر کچھ سطور سپرد قرطاس کرنے ہیں۔ قلم لرزاں ہے کہ اُن کو مرحوم لکھوں۔ ان کے دار فانی سے دار بقا کی جانب سفر کرنے کا جہاں شدید افسوس ہے اتنا ہی زیادہ ان کے قلم کی فیوض و برکات اور افادات سے محروم ہونے کا دلی صدمہ ہے۔ اللہ کی بے پایاں رحمتیں اس درویش صفت، جفاکش و محنتی اور غیر لالچی مصنف پر ہوں جس نے اپنی تحریر کا چار دانگ عالم میں ' نقوشِ غیر معدوم ' ثبت کئے۔ ان کی طبیعت کو چاپلوسی اور خوش آمد ہرگز پسند نہ تھی۔

مولانا حسن عباس فطرت ہلوری نے جامعہ ناظمیہ لکھنؤ (درجہ ممتاز الافاضل) سے فراغت کے بعد مختلف اداروں اور تحریری دفاتر سے اپنے آپ کو منسلک رکھا۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ لوگوں کی توجہ ان کی طرف رہی کہ ان سے مضامین لئے جائیں۔ ان کو طالبعلمی سے ہی لکھنے کا شوق تھا۔ جغرافیہ اور نقشۂ عالم کا مطالعہ ان کی ہابی تھی۔ اسی وجہ سے ثقافتی و ادبی اور مذہبی رسالوں میں مضامین کے انبار ہیں۔ تبصرہ اور تنقید کرنے میں جہاں آپ کا ثانی کوئی نہیں تھا، وہیں منظرنگاری اور واقعہ نگاری میں بھی اپنی آپ مثال تھے۔ وہ مرنجامرنج شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی مشہور کتب: گزرنامۂ آفتاب، خسرو حافظ اور ایران، افریقہ سرخ وسیاہ 'بیان اپنا' وغیرہ ہیں۔ جن میں سفرنامہ کے اعتبار سے ''افریقہ سرخ وسیاہ'' بہترین تصنیف ہے۔ جس کو قاری دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہوئے اگلی سطروں کی قرات و مطالعہ میں جلدی جلدی آگے بڑھتا ہے تاکہ کس منظر سے وہ لطف اندوز ہو اور کس طلسماتی واقعہ کو پڑھ کر مناظر قدرت اور اس کی رعنائیوں کا مشاہدہ، تحریر میں کرے۔ رب الارباب کی صناعیوں کو گویا وہ خود چشم دید سے ملاحظہ کر رہا ہے۔ اس سفرنامہ میں ان کا انوکھا اسلوب، قاری کو پڑھنے پر مجبور کرتا ہے کہ آگے بڑھو اور تیزی سے چلو۔ یہ عکاسی تو سفرنگاری کی بولتی تحریر سے واضح ہوجاتی ہے۔ چونکہ سفرناموں میں الفاظ سے کھیلنا ہوتا ہے۔ جا بجا ضرب الامثال، حکایات، واقعات، تشبیہ، استعارات، تلمیحات، متضاد، متقارب الفاظ و مصرعے وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حرفوں، لفظوں، جملوں اور عمدہ تراکیب سے کھیلنے کا مقصد اپنے قاری کو متنوع مواد فراہم کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ بوریت محسوس نہ کرے۔ اسی طرح کوشش کی جاتی ہے کہ اپنے پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ معلومات بہم فراہم کی جائیں۔ جیسے کہ آپ مناظر کو

ISSN No.2455-636X

ویڈیو سے خود دیکھ رہے ہوں۔ فطرت مرحوم کی ادبی اور آزاد خیالی سفرنامہ میں جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ مولانا فطرت نے "افریقہ سرخ وسیاہ" سفرنامہ میں افریقہ کے معاشرہ، مذہب، سیاست، سماج اور تہذیب و تمدن کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ لائق تحسین ہے۔

افریقہ تو وہ مبلغ کی حیثیت سے گئے، جہاں اسلام اور مکتب اہلبیتؑ کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ لیکن جہاں بھی وہ گئے اپنی مرنجا مرنج طبیعت کی وجہ سے تاریخی و جغرافیائی لحاظ سے قوم، جگہ، کلچر، زبان، مذہب، سیاست کا تحلیلی و تجزیاتی مطالعہ و ملاحظہ کرتے رہے اور سفرنامہ لکھتے رہے۔ سفرنامہ کی تعریف و توصیف میں وہ خود اس بات کے قائل تھے کہ "سفرنامہ میں معلومات زیادہ ہوں اور ضمنی باتوں کا بیان خال خال ہونا چاہئے" (اس لئے کہ) "عموماً سفرناموں میں سفر کا حال کم اور اپنا بیان زیادہ ہوتا ہے جو بہر حال صحیح نہیں ہے"۔ (انھوں نے اپنے سفرنامہ کے بارے میں مستقبل کے سفرنگار کے لئے ایک خط قائم کرتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا): "اس میں ایسا مواد ہو جو ہمیشہ کام آئے اور بعد کے لکھنے والوں کو اس سے کچھ مدد و سہارا ملے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا استعمال حوالے کے طور سے بھی کیا جاسکے...... مصنف نے اپنے اسلوب و طرز ادا کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ پڑھنے والے کو لذت ملے اور وہ سمجھیں کہ ہم نے کوئی کتاب پڑھی، ساتھ ہی بہتر ہو کہ اپنے بچوں کو بھی آگاہی دیں"۔

میں نے ان کے سفرنامے کچھ ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں "اردو ہفتہ وار اخبار بلٹز بمبئی" میں پڑھنا شروع کیا تھا اور اسی وقت سے میں ان کی تحریروں سے متاثر ہوا تھا۔ ابھی تک یادوں کے جھروکوں میں طلسماتی واقعات، بہت ہی ہلکے ہلکے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان جگہوں کا سفر مصنف کی طرح کرتا تو تصور کو تصدیق سے یقیناً بدلتا۔ تو آیئے انھیں کی کتاب (افریقہ سرخ وسیاہ) کی ورق گردانی کریں اور ان کی تحریر کے ساتھ سفر کا لطف اٹھائیں۔ جیسا کہ ان کی خود تحریر سے واضح ہے کہ انھوں نے ہندوستان سے باہر کا پہلا سفر، پہلی بار افریقہ کے ملک "کینیا" کا سفر کیا تھا۔ (ص ۵۰)۔ تو پھر ملک "کینیا" سے ہی ان کی کمینٹری کو سننے کے بجائے پڑھتے ہوئے لطف اندوز ہوئیے، جیسی عکاسی ان کے سطور میں اس طرح ہے:

(بمبئی سے ممباسہ کا دریائی سفر) "مسلسل دس دن میں حلقۂ آب میں غلطاں و پیچاں رہنے کے بعد امید زندگانی نو پیدا ہوئی" (ص ۵۰)۔ "ممباسہ ایک بہترین بندرگاہ ہے جہاں آپ کو ساری دنیا کے جہاز دور تک دکھائی دیں گے۔ پہلے یہ تنہا سا جزیرہ تھا جسے پل کے ذریعہ کینیا سے جوڑ دیا گیا۔ پورٹ سے باہر نکلتے ہی میزبان عالی شان آگے بڑھ کر بغل گیر ہوئے اور پھر ہماری موٹر کار ممباسہ کی بارونق اور کشادہ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ شام سہانی تھی، روڈ پر بجلی کے قمقمے روشن تھے اور ساحل کی خنک ہوائیں ہمیں گھیرے میں لئے ہوئے تھیں۔ چنانچہ منزل تک پہنچتے پہنچتے ساری تکان و کلفت کافور ہو گئی" (ص ۵۱)

ایسا نہیں تھا کہ کینیا میرے لئے کوئی انجان جزیرہ جیسا ہو۔ جذباتی طور پر میری اس سے وابستگی پرانی تھی۔ نیروبی کا خوبصورت و بین الاقوامی شہر، ریلوے میں ملازم ہزاروں ہندوستانی، ماؤ ماؤ کی تحریک اور کئی برس کی طویل ایمرجنسی جوموکینیاٹا کی سوانح عمری پڑھ چکا تھا۔ جوگندر پال اور اس کے افسانوں کو جانتا تھا۔ جھیل وکٹوریہ، کلمن جارو پہاڑ، کھانگا (تہمد) سواحلی زبان، مھوگو (شکر قند) سے دور کی صاحب سلامت تھی۔

کینیا کی ساری آن بان، رونق و ترقی ان ایشیائیوں کے دم قدم سے تھی جو دو لاکھ کی تعداد میں یہاں مدتوں سے آباد تھے۔ آج ان کی قابل لحاظ تعداد ملک چھوڑ کر یورپ چلی گئی ہے۔ اردو زبان اور ہندوستانی ماحول کا جتنا لطف نیروبی شہر میں تھا، دنیا کے کسی خطے میں نہ ہوگا۔ ہمدرد دواخانہ کی ایجنسی، امرت انجن بام کا اشتہار، مسلم گرلس اسکول، دیسائی میموریل ہال، بزم سخن کی علمی و ادبی سرگرمیاں اور بیس ہزار کتابوں کے مالک، جوموکینیاٹا کے سابق پارلیمنٹری سکریٹری جسٹس چانن سنگھ کو دیکھ کر کون ہوگا جو حیران و ششدر نہ ہو جائے۔

کینیا کا وسیع و عریض ملک ۵،۸۲،۶۴۴ مربع کلو میٹر (سوا دو لاکھ مربع میل) میں پھیلا ہوا ہے خط استوا اس کی تصنیف کرتا ہے۔ اس لئے دن رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔ موسم عام طور پر معتدل ہے۔ راجدھانی نیروبی کا کہنا ہی کیا! قدرت نے اس شہر کو نہیں، اس کے گرد و نواح کو بھی حسین بنانے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔ چھوٹی بڑی سرسبز گل پوش پہاڑیوں کے نشیب و فراز میں بسی ہوئی اس آبادی کو جب میں نے دس سال بعد دوبارہ دیکھا تو عش عش کر اٹھا۔ افریقی ممالک کے تمام شہروں میں نیروبی لاجواب ہے اور شہر نیویارک کا جواب ہے۔

ISSN NO.2455-636X

کینیا کے باشندے طبعاً سادہ لوح، قناعت پسند، اور دھن کے پکے، خوش مزاج اور مضبوط جسم والے ہیں ان کا لباس افریقن لمبے کرتے اور کھانگا (تہمد) ہے جس کے ساتھ وہ رنگ برنگی روایتی ٹوپی بھی لگاتے ہیں جو خود ان کے یہاں ہاتھ سے بنتی ہے کینیا کی دھرتی بے شمار کشش کا سامان رکھتی ہے کینیا کے لوگوں نے اپنا رنگ برنگا، انوکھا قدیم کلچر سمیٹ کے رکھا ہوا ہے۔ یوں تو کینیا کی راشٹر بھاشا سواحلی ہے لیکن لسانی اعتبار سے اس کی چار بڑی شاخیں ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ زبان کا یہ فرق علاقے کے اعتبار سے نہیں، قبائل کے لحاظ سے ہے۔ کینیا کی نصف سے زائد آبادی کا دارومدار کھیتی کسانی پر ہے۔ گلہ بانی دوسرا پیشہ ہے۔ صنعتی اعتبار سے کینیا پہلے بہت پیچھے تھا لیکن اب سمنٹ، جوٹ و شکر کے کارخانوں کے علاوہ بڑے بڑے صنعتی مراکز قائم ہوگئے ہیں"۔ (ص: ۵۴ و ص: ۵۶)

مولانا حسن عباس فطرتؔ نے اپنے سفرنامہ میں تقریباً ۱۲ ممالک کی تصویرکشی بڑے لطف اندوز، انداز میں کی ہے۔ خود انھوں نے اپنے سفرنامہ میں "کینیا" کے لئے تقریباً بیس صفحات مختص کئے ہیں لیکن اختصار کے لحاظ سے اب ملک "مڈاغاسکر" کے قدیم و عجیب جزیرہ کی طلسماتی کیفیت ،ان کے جملوں میں پیش خدمت ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے ترتیب میں اسے پہلا رکھا تھا لیکن چونکہ ان کے پہلے بیرونی سفر کی ابتدا "کینیا" سے تھی اس لئے میں نے اسے پہلے ہی آپ کی نذر قراءت کیا......

اس پر اسرار جزیرہ میں میرا قیام دو برس تک رہا۔ میں شمال، جنوب، مشرق، مغرب ہر سمت پھرا۔ ہزاروں میل کا ہوائی اور زمینی سفر کیا۔ شہروں و دیہاتوں میں آسانی سے گھوما، دریاؤں کی سیر اور جنگل و بیابان کا نظارہ کیا مگر میں اسے بھید بھرا کہہ سکتا ہوں نہ کہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ یہ سچ ہے کہ یہ حسین ملک ہے مگر ہرا نگ اس کا سندر بھی نہیں۔ بعض حصے جتنے خوش نما ہیں اس سے زیادہ کچھ علاقے کھردرے، بدنما اس اور بے کیف بھی ہیں۔" (ص: ۲۲)

مڈغاسکر عجائب و غرائب کی کان ہے سب سے بڑا عجوبہ میری نظر میں یہ ہے کہ ایک لاکھ سے زائد افراد جن کے پرکھے وہیں دفن ہیں، آزادی کے بعد بھی ملاگاسی شہریت سے محروم ہیں اور پردیسی کہلاتے ہیں۔ (ص: ۲۳) سب ملا کر پورے جزیرے میں گنتی کی چند مساجد ہوں گی۔ اور اسلامی درس گاہ کا تو خیر سے کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔ ماریشس سے ایک گھنٹہ کی مسافت طے کر کے جب میں تناناریوا ایئرپورٹ پر اترا تو اندھیرا ہو چکا تھا اور چشم زدن میں مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ محض وقت ہی نہیں بدلا ہے بلکہ میں ایک دوسری دنیا میں آگیا ہوں۔ زبان فرانسیسی یا ملاگاسی، گھٹا گھٹا ماحول، ہر طرف اجنبیت و روکھاپن۔ کسٹم پر ہر مسافر پر مشکوک نظریں۔ یہ تھی بحر ہند میں فرانسیسی استعماریوں کی سب سے بڑی کالونی۔ جہاں ایئر فرانس کے سوا کوئی اور طیارہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ (ص: ۲۴)

اسی مڈاغاسکر کے بہارستان "نوزی بے" کے بارے میں مولانا فطرتؔ رقمطراز ہیں......

" جہاز کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی گھنے جنگل، ہرے بھرے پہاڑ، اٹکلیاں کرتے ہوئے گرم و سرد پانی کے چشمے، لہراتی، اٹھلاتی ندیاں حسین و دلفریب ڈیلٹاؤں کا پچ رنگی منظر، چاول، کپاس، اور گنے کے کھیت، ناریل، کیلے، آم، امرود کے باغات، کھاڑیوں کے آس پاس ست رنگے بادلوں کے تلے پانی کا اندرو ھنش اور سارے میں پھیلی ہوئی اس "لال ٹاپو" کی سرخ انگارہ جیسی مٹی من کو موہ لیتی ہے۔ ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد میلوں لمبا مرغزار سا راستہ طے کر کے تناناریو شہر میں داخل ہونا ہوتا ہے جو ملک کی راجدھانی ہے"۔ (ص: ۲۸)

" حالیہ معلومات کے مطابق مڈغاسکر میں اسلام کی تبلیغ زور و شور سے ہو رہی ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ سرکاری یا نجی بالکل نہیں ہے۔ سیاسی اتھل پتھل چلتی رہتی ہے، وہ بھی یہاں کا قدیم مزاج ہے"۔ (ص: ۳۱)

مولانا حسن عباس صاحب مرحوم نے "ماریشس" کو ہند صغیر گردانا ہے۔ تو ان کے الفاظ سے کمینٹری سنئے:۔

" ماریشس کیا ہے؟ ایک چمنستان رنگ و بو جسے دیوتاؤں نے وسیع سطح آب پر ابھار کر سارے عالم کی نگاہیں ادھر پھیر دی ہیں" (ص: ۴۱)۔ ایک فرانسیسی شاعر کا قول یوں نقل کرتے ہیں.....:

خوبصورتی اور نظارۂ فطرت کے ہجوم نے ماریشس کو ایسی ہی انگنت تشبیہوں کی جھالر سے سجا رکھا ہے۔ یوروپین اسے سویٹزرلینڈ کہتے ہیں تو

ایشیائی بھائی کشمیر مگر حقیقت یہ ہے کہ ماریشس توازن، اعتدال وتناسب میں اپنی آپ مثال ہے۔ یہ کوئی ہل اسٹیشن ہے نہ برفیلی چوٹیوں سے لدی ہوئی سجی سجائی دلہن بلکہ جنوبی ہند جیسی معتدل آب وہوا کا حامل ایک ننھا منا جزیرہ ہے۔ (ص:۴۱)

"مناظر قدرت سے اپنی آنکھوں کی گودی بھرنے والے سیاح، ماریشس کی دھرتی پر قدم رکھتے ہی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ جنت گم شدہ میں آ پہنچے۔ تھکن سے بوجھل ہونے کے باوجود اس کے حسن سے لطف اندوز ہونے کا نشہ ان پر سوار ہونے لگتا ہے اور قدم پھر آمادہ سفر ہو جاتے ہیں۔ ماریشس کی دلفریبی میں قدرت کے ساتھ ساتھ ہزاروں ہندی مزدوروں کا بھی ہاتھ ہے۔ ساحل جتنا دور سے بھلا لگتا ہے اس سے زیادہ لطف نزدیک پہنچ کر مہیا ہوتا ہے۔ ہر جگہ کنارہ اتھلا ہے اور نہانے، تیرنے، دوڑ لگانے کے لئے مناسب (ص:۴۳)۔"

مولوی حسن عباس نے ماریشس کے عنوان: "جزیرہ ماریشس..... آج اور کل" میں عزاداری سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا یادگاری نقشہ کھینچا ہے۔ ص ۹۹ سے ص ۱۰۳ تک انداز عزا، نوحہ خوانی، تعزیہ کی شکل، روز عاشور کا سارا منظر دلچسپ ہے۔ کبھی کسی سطر میں ہندوستانی انداز اور کبھی کسی سطر میں عزا کا الگ طریقہ دکھائی دیتا ہے۔ جو قاری سفرنامہ کو بہترین معلومات فراہم کرتا ہے۔

مولانا فطرت کے سفرنامہ میں میں نے "یوگنڈا" کے لئے جو واقعہ نگاری دیکھی ہے وہ اپنی آپ مثال ہے۔ اس کو انھوں نے مشرقی افریقہ کا دل کہا ہے۔ انداز ملاحظہ کیجئے:.....

عالمی نقشہ پر یوگنڈہ کی شکل چین میں دل جیسی ہے۔ اسے کہا بھی جاتا رہا ہے، مشرقی افریقہ کا دل، اور تھا بھی یہ دولت وفراغت، نفاست و خوش جمالی تہذیب وتمدن کے لحاظ سے قلب افریقہ، مگر سیاحوں کے لئے دلبر و دلربا کہنا زیادہ بہتر ہے۔ خط استوا کی پازیب پہنے ہوئے سمندر سے دور سطح مرتفع پر طرۂ دستار کی طرح نمایاں، جھرنوں، آبشاروں، جھیلوں، کی آغوش کو سمیٹے ہوئے ہے یہ کنواری دھرتی۔

"اے کشمیر جنت نظیر! تیرے قدرتی مناظر، شہابی رنگت، حسن وادا پر سندرتا قربان! لیکن جاڑوں کے چار مہینے تو تیرا تصور بھی دل کو یخ بستہ کر دیتا ہے۔ سایہ رکھتا ہے سال کے ۳۶۵ دن جو یکساں خنک، موسم اور رسیلی آب وہوا، ریشم جیسی دھوپ، اور ململ جیسا سایہ رکھتا ہو تو یوگنڈا ہی ہے۔ بارش وہاں کی چھلاوہ ہے یا کسی مہوش کا خرام ناز۔ لہراتی بل کھاتی کب آئی کب گئی اس کا تعاقب دشوار ہے۔ آپ تلاش وتحقیق کے لئے باہر نکلے تو وہاں صرف چھجوں سے برکھا دیوی کا پسینہ ٹپکتا ہوگا۔ ہم گرج، کڑک، گھٹا، سیاہی کو بارش کا مقدمہ الجیش گردانے والے، ایسے متین وسنجیدہ اور مرنجاں مرنج میگھ راجا کو دیکھ کر چندھیا ہی تو گئے۔ (ص:۷۱)

آئیے کچھ دیر شہر مینا سواد، شاد آباد دار الخلافہ کمپالا کی سیر کی جائے۔ جہاں کوئی مکان دوسرے سے ملا ہوا نہیں۔ آگے پیچھے سڑک ہے یا باغیچہ۔ ہر مکان دودھ میں نہایا ہوا، اور دو منزلہ سے زیادہ نہیں۔ مساجد، منادر کلیسا وصومعہ کو سفید بہشتی لباس پہنے دیکھا۔ جس پر نہ داغ نہ دھبہ۔ ہر تیسرا شخص "باکار" اور سڑک پر خاک اکسیر سے زیادہ نایاب اور جب کباب اور پان کی دوکانیں بھی موجود پائی گئیں تو دل کی کلی پھول بن گئی۔ خوش اطوار اور خوش اخلاق لوگ۔ مستعد وچوکس لوگ۔ ایسے پر مرغی خانے تفریح طبع کے طور پر کھول رکھے تھے۔ ویسا ہی لوٹ کر وہ کھاتے بھی تھے۔ ان کا دسترخوان کیا تھا گوشت مچھلی کی مصنوعات کی نمائش گاہ۔" (ص:۷۳)

یوگنڈہ کے دوسرے سفر کے ذکر میں کچھ آخر سے پہلے کا ذکر یوں ملتا ہے:.....

یوگنڈہ کے حالیہ مختصر سفر میں ایک طرف اجڑے ہوئے ملک کی نشانیاں دیکھنے میں آئیں تو دوسری جانب تعمیرات نو کا بھی مشاہدہ ہوا۔ صدر موسیٹی فعال ہیں اور ساری دنیا میں یوگنڈہ کی ترقی کا ایجنڈا لے کر گھومتے رہتے ہیں۔ یوگنڈہ میں مسلم آبادی صرف ۱۵ فیصد ہے مگر ان سے کوئی تعصب نہیں برتا جاتا۔ (ص:۸۴)

اختصار کی خاطر تمام ممالک کا ذکر کئے بغیر آپ کو دعوت دیتا ہوں دفتر اصلاح لکھنؤ سے "افریقہ سرخ وسیاہ" کو حاصل کیجئے اور پورے سفرنامہ کا مطالعہ کیجئے۔ مرحوم کے لئے فاتحہ مع الصلوٰۃ۔ ✿✿✿

ISSN No.2455-636X

ادیب صحافی ذاکر مصلح قوم

مولانا حسن عباس فطرتؔ

پروفیسر عراق رضا زیدی
صدر شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
موبائل نمبر:9818818215

خاندان عبقات کے جسٹس کرامت حسین کے بعد اس لگن، جدو جہد اور محنت کے نتائج سے آشنائی بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے خاص کر سستی اور نعروں سے گونجتی مجالس کے ذاکرین نے مطالعے کا دامن چھوڑ کر قوم کے مزاج سے علم کی دلچسپیاں کم کرنے میں پورا کردار ادا کیا ہے۔ آج جسٹس کرامت حسین کے بارے میں قوم کی اہم شخصیات شاید کچھ بھی نہیں جانتیں حالانکہ لکھنؤ کا کرامت حسین کالج انہیں کی کاوش کا نتیجہ اور انہیں کے نام سے منسوب ہے البتہ اس جناتی کردار کی جھلک حسن عباس فطرت میں ضرور نظر آتی تھی۔

یاد نہیں ان سے پہلی ملاقات کب ہوئی۔ اتنا یاد ہے کہ ہم خیال ہونے کی بنا پر ان کے ذہن کے کسی گوشے میں حقیر کا تصور ضرور رہا۔ ۲۰۰۴ء میں جب آل انڈیا پرشین ٹیچرس ایسوسی ایشن (Aipta) کی کانفرنس جب اعظم کیمپس پونہ میں منعقد ہوئی تو اس میں ایکزیکیٹو ممبر ہونے کی بنیا پر سرفہرست اس خاکسار کی شرکت لازمی تھی۔ خدا کے فضل سے آج اس انجمن کے جنرل سکریٹری ہونے کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہا ہوں۔ ذہن میں ایک خوشی یہ بھی تھی کہ فطرت صاحب سے ملاقات ہوگی اور علم میں اضافہ ہوگا۔ ذہن میں ایک خاکہ یہ بھی تھا کہ نہایت ملنساری کا ثبوت سامنے آئے گا لیکن حیرت کی انتہا تب ہوئی جب وہ پہلے ہی دن ملاقات کے لئے آئے تو گویا اعظم کیمپس میں بھونچال آگیا۔ کیمپس کے تمام سرآوردہ لوگ جن میں غالبا کروڑ پتی سے کم کوئی نہ رہا ہوگا فطرت صاحب کے آس پاس منڈلا رہے تھے۔ موصوف کو میرے کمرے تک بھی نہیں آنے دیا گیا اور سکریٹری کے آفس میں گویا اس حقیر کی پیشی ہوئی۔ پھر بھی خوشی یہ تھی کہ فطرت صاحب ملنے آئے ہیں۔ اس وقت تک ان کی عبقری شخصیت سے نا آشنا تھا اور ایک مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ آفس پہنچ کر اندازہ ہوا گویا وہ تو پونہ والوں کے مرشد ہوں۔ مختصر ملاقات ہوئی اور وہ واپس چلے گئے۔ بڑی مایوسی ہوئی البتہ کیمپس کے کارکنان سے معلوم ہوا کہ وہ پورا پروگرام لکھ کر لے گئے ہیں اور کانفرنس میں آتے رہیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اتفاق سے ہمارے ٹکٹ زیراکس کے لئے اس آفس میں موجود تھے۔ ایک کاپی وہ ساتھ لے گئے۔ کانفرنس شان و شوکت کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ تمام اساتذہ واپس چلے گئے سوائے ایکزیکیٹو ممبران کے دوسرے دن صبح نماز پڑھ کر باہر نکلا تو مولانا صاحب منتظر ہیں۔ نہایت کرخت آواز میں حکم دیا اس گاڑی میں بیٹھ جائیے، پھر نہایت شفقت بھرے انداز میں پونے کے اہم مقامات کی سیر کرائی خاص طور سے ایرانی امام باڑے میں ضیافت کا سامان موجود تھا۔ تمام دن ساتھ رہے۔ جدھر سے گزرتے ٹھہرتے ملنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ اور بھی بڑی بات یہ بھی تھی کہ ان کے مریدین میں مسلک تو کیا مذہب کی بھی کوئی قید نہیں تھی کتنے ہی غیر مسلم مرحوم کے گرویدہ نظر آئے۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ ان کا وقت کتنا قیمتی ہے۔ ہر دل عزیز ہونا کم از کم اس دور، میں تو نا ممکن ہے۔ جسے کردار، اخلاق، ذہانت اور دوسروں کی مدد کرنے کے جذبے نے ممکن بنا دیا تھا۔ اس وقت کے نامور ادیب ان کا لوہا مانتے تھے۔ ظ انصاری ایک بڑا نام ہے۔ لیکن جب کچھ لکھتے مولانا کے مرہون منت ضرور ہوتے اپنے مقالات میں کہیں ان کا نام درج کر دیتے اور کبھی گول کر جاتے۔ یہی حساب کالیداس گپتا رضا کا بھی تھا جو پیسے کے بل پر ادیب تھے۔ اخبار والوں پر مہربان رہتے اور نذیر صاحب جیسے لوگ ان کی تعریف بھی کرتے اور ادبا مدد بھی۔ البتہ ان میں کوئی بھی فطرت صاحب جیسی فارسی، عربی اور

ISSN No.2455-636X

اردو زبان کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ فارسی اور عربی سے تو بھی ناواقف تھے۔ ہمارے دوست شمیم طارق صاحب نے فطرت صاحب کی کتاب" خسرو وحافظ اور ایران" میں بر سبیل تذکرہ، کیا خوب لکھا ہے:

"ڈاکٹر انصاری کی تصنیف، خسرو کا ذہنی سفر میں شامل خسرو کے کلام کے اردو ترجے (صفحہ ۸۵ سے ۱۴۳ تک) مولانا ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کتاب کے پہلے ایڈیشن میں اس کا اندراج نہیں۔ کالی داس گپتا رضا نے بھی مولانا فضل حق خیرآبادی کے قلمی عربی قصائد کے مفہوم تک رسائی کے لئے انہیں کی مدد لی تھی اور نام لئے بغیر یہ اعتراف کیا تھا۔ اس قصیدے کے معنی و مفہوم کے لئے ایک عربی عالم سے مدد لی گئی ہے اور وہی اس کی صحت کے ذمے دار ہیں۔" (صفحہ ۱۷)

یہاں ایک راز کی بات اور بتاتے چلیں کہ یہ آخری جملہ بھی اس لئے تحریر کیا گیا تھا کہ اس کی قیمت ادا نہیں کر پائے تھے اگر اس معنی و مفہوم کی قیمت دوسرے لوگوں کی طرح ادا ہو جاتی تو اس جملے کی گنجائش بھی باقی نہ رہتی۔ یہ تقسیم بھی انہیں کی ہوتی۔

طارق صاحب بر سبیل تذکرہ، میں ایک جگہ اور رقم طراز ہیں:

"اس کی ایک وجہ تھی کہ ڈاکٹر خلیق انجم کو بھی مع ترجمہ مسودہ پہنچانے کی ذمہ داری مولانا نے قبول کی تھی۔ انہوں نے مترجم کے طور پر اپنا نام لکھنے میں انکساری برتی تو وہ ان کے نام کے بغیر ہی چھپ گیا۔ ڈ صاحب نے اس کا برا بھی مانا مگر مولانا مسکرا کر رہ گئے۔ مگر دوسرے ایڈیشن میں مولانا کا نام آ ہی گیا۔

تین مقالوں پر مبنی کتاب خسرو حافظ اور ایران نہایت اہم کتاب ہے۔ البتہ بدقسمتی سے مولانا کی زندگی میں اس کتاب سے استفادہ نہیں کر سکا۔ ورنہ کچھ معروضات ضرور پیش کرتا خسرو شناسی میں یہ اہم کتاب ہے اور خسرو کی فکر و وطن پرستی، دکن آشنائی، تاریخ نویسی اور نثر نگاری کا مکمل احاطہ کرتی ہے البتہ حضرت نظام الدین اولیا اور خسرو کے روابط میں حسن معجزی کے واقعے کا اشتباہ ہوا ہے کہ" آخر عمر میں خسرو غیاث پور کے بزرگ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید ہوئے" (صفحہ ۲۲) ورنہ امیر خسرو کی شاعری میں یہ کیفیت نہ ہوتی اگر نظام الدین اولیا کا مشورہ نہ ہوتا۔ جس کا اطلاق تحفۃ الصغر میں نظر نواز ہوتا ہے۔ سیر الاولیاء میں درج ہے:

"اسی زمانے میں امیر خسرو نے شعر کہنا شروع کیا۔ وہ نظم کہتے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ ایک روز سلطان المشائخ نے ان سے فرمایا صفاہانیوں کی طرز پر شعر کہا کرو جو عشق انگیز بھی ہوں اور زلف وخال آمیز بھی اس روز سے امیر خسرو علیہ الرحمہ، نے اپنی شاعری میں زلف اور خال بتاں کی آمیزش کر کے اور اپنے اشعار کو نئی تشبیہوں اور استعاروں سے دلآویز بنا کر انتہائی کمال پر پہنچا دیا۔

اور یہ تمام لوازمات فطرت صاحب کے کئے ہوئے ترجمے سے بہت واضح ہیں۔ خسرو اشعار کی جو تشریحات اس کتاب میں ہیں ان سے بہتر تشریح شاید ہی کی جاسکے۔ اس کتاب کا دوسرا مقالہ" حافظ: فن وحیات، ایک سرسری مطالعہ ہے۔ یہ مطالعہ سرسری نہیں ہے۔ نہایت عمیق اور فنکار کے فن کو فنکار کے ذریعے ہی عیاں کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فطرت صاحب کو ایران اور ایرانیوں سے ایک خاص لگاؤ رہا ہے۔ ایران کے بارے میں معلومات کا اندازہ ان کی اسی کتاب کے اگلے مقالے ایران کے سفرنامے سے ہو جاتا ہے۔ حافظ کے دور کی تاریخ خود حافظ کا پس منظر اس کی عشقی کیفیات و عرفانی جمالیات ایران کے مقامات سے واقفیت وغیرہ سے مکمل استفادہ کرتے ہوئے حافظ کی زندگی اور ان کے اشعار کی تشریحات کی ہیں۔ جس سے فطرت صاحب کی فارسی کلاسیکل شاعری پر دسترس کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔ حافظ کی فکر میں اپنے افکار کی تلاش و جستجو بھی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولانا کے چاہنے والوں میں ہر مسلک اور ہر مذہب کے لوگ تھے۔ اسی نظریے کے تحت ایک اقتباس نذر قارئین کیا جاتا ہے:

ISSN No.2455-636X

"عارفان حق کا مذہب وہی ہوتا ہے جو خدائی مذہب ہے نہ اس میں فرقہ بندیاں ہوتی ہیں نہ قوم وملک کے جھگڑے مذہب کی آویزشیں نہ رنگ ونسل کے امتیازات۔ کیوں کہ وہ لوگ سرچشمہ حقیقت پر پہنچ جاتے ہیں جہاں من وتو کا سوال ہے نہ کعبہ وسومنات کا، مسجد وکلیسا کا نہ آتش کدہ کا، ناقوس کا نہ اذان کا وہ الآن کما کان کے رمز تک پہنچ جاتے ہیں جہاں جنگل، آبادی پہاڑ ودریا شمع پروانہ، آشنا وبیگانہ سب کچھ وہی ہوتا ہے۔

هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو على كل شي محيط

بقول شاعر:

در حیرتم کہ دشمنی کفر ودین چراست   از یک چراغ کعبہ وبت خانہ روشن ست   (ص ۱۳۔۱۱۲)

دراصل یہ مقالہ اشعار حافظ کی اردو میں تشریح ہے۔ جس سے فارسی کے طالب علم خاص کر اور فارسی سے دوستی رکھنے والے عام طور پر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

اس کتاب کا تیسرا مقالہ سفر ایران سے متعلق "ایک سفر ناتمام" کے عنوان سے ہے۔ یہ کتاب اسی اعظم کیمپس کے بانی حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ پونے کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے جہاں کا احوال خاکسار نے بیان کیا ہے۔

گو کہ اس سفرنامے پر عقیدت کا رنگ زیادہ چڑھا ہوا ہے۔ لیکن بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ اس مقالے کو فطرت صاحب کے مشہور سفرنامے افریقہ: سرخ وسیاہ کے ساتھ دیکھا جائے۔ یہ کتاب اس حقیر کو خود مصنف نے دہلی آنے پر ۲۲ر نومبر ۲۰۱۰ء کو بدست خود دستخط فرما کر عنایت کی تھی۔ یہی وہ سفرنامہ ہے جو مصنف کی اندرونی کیفیات کو ظاہر کرتا ہے۔ انسانوں سے ہمدردی، ظالموں سے بیزاری، حقدار کو اس کا حق دلانے کی مہم، دوسروں کی پریشانیوں کو اپنی پریشانی سمجھنا اور ان خیالات ومہمات کے لئے صرف کسی ایک ملک خطے یا مقام کی قید نہیں۔ بلکہ بقول اقبالؒ:

چین وعرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا   مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس سفرنامے میں افریقہ کے تیرہ (۱۳) ملکوں کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ جس کے لئے خود مصنف کے ایک اقتباس کا حوالہ دے کر مقالہ کو یہ سوچ کر تمام کیا جا رہا ہے کہ قارئین خود اپنے اندر ایسی کیفیات پیدا کریں۔ مجالس کو بیسویں صدی کی مجالس کی طرز پر دوبارہ برپا کرنے کی سعی کرتے ہوئے جوانوں کے سامنے کرامت حسین اور حسن عباس فطرت جیسے کرداروں کو پیش کر کے ان پر چلنے اور چلانے کی کوشش کریں۔

اس سفرنامے کی خصوصیت یا خامی یہ بھی ہے کہ اس میں عام روایتی انداز تحریر سے انحراف کرتے ہوئے صرف اہم وتاریخی باتوں کو ابھارا گیا ہے۔ البتہ جگہ جگہ آپ کو مصنف کے جذبہ دردمندی اور اس ملک اور اس کے عوام سے رابطہ ملی وہمدردی کا متحرک سایہ ملے گا۔ تحریر میں جس انشاء روانہ وشگفتگی، سادگی وپرکاری کا لحاظ رکھا گیا ہے ان تحریروں میں سے بھی ایک نے ریڈیائی نشریات تعدد طباعت واشاعت کی دور میں بھی نام کمایا ہے۔ اور مصنف کی شہرت وپہچان کا وسیلہ بھی بنی ہیں۔ (صفحہ ۱۵)

میں قیام کا مخالف ہوں: میں سوشل میڈیا سے ربط میں نہیں رہتا۔ جناب شوکت بھارتی نے پاکستان کے جواد نقوی صاحب کے کچھ بیانات کی جانب توجہ دلائی، ان کے بعض بیانات میں انتہا پسندی ہوتی ہے جس کی تائید نہیں کی جاسکتی۔ ایسے بیانات کی مذمت خود وہاں کے بعض دیگر علماء بھی کرتے ہیں۔ میں چونکہ بنیادی طور سے قیام پاکستان ہی کا مخالف ہوں لہذا کوئی پاکستانی اگر ہندوستانی علماء کو دعوت قیام دیتا ہو تو وہ بھی قیام پاکستان کی طرح غلط ہے۔ جس طرح جواد نقوی صاحب نے اپنے یہاں کے سابق حکمراں ضیاء الحق کی مذمت کی ہے جنھوں نے پاکستان میں شیعوں پر مظالم کے دروازے کھولے اسی طرح ہندوستان میں بھی انتہا پسندوں کی جانب سے اگر زیادتیاں ہوتی ہیں تو امت مسلمہ کے بعض علماء تقریری وتحریری طور سے آواز احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں۔ اور ہم ان عناصر کی واضح الفاظ میں مذمت کرتے ہیں جو مذہبی کم سیاسی مصلحتوں سے زیادہ یا خودنمائی کے لیے مسائل کو اچھال کر قوم میں انتشار پیدا کرتے رہتے ہیں۔ (مدیر ماہنامہ اصلاح)

ISSN No.2455-636X

انقلابِ اسلامی کے باوفا فدائی

ڈاکٹر علی اعظم خسروی شاہد یونیورسٹی (ایران)

حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین جناب آقای حسن عباس فطرت رضوی الٰہی ضیافت کے مہینے میں اپنے اللہ کی ملاقات سے شرفیاب ہو گئے۔

اس آزاد منش اور انقلابی عالم دین پر خدا کی رحمت و مغفرت کا نزول ہو جو ظالم شہنشاہی تاریک عصر اور خفقان آور پہلوی دور حکومت میں نہایت جوانمردی کے ساتھ میدان کارزار میں کود پڑے اور امام امت، خمینیؒ کبیر کی بیعت کے بعد ہندوستان میں امام خمینیؒ اور انقلاب کے یار باوفا بن گئے۔

اردو اخبارات اور رسائل میں ان کی تقریریں اور تحریریں، نامور صحافیوں کے انٹرویو، صداقت نیوز ایجنسی کا قیام، شہر پونہ کے ایرانی امامباڑے کے مورچے پر فریضۂ امامت جماعت و جمعہ کی ادائیگی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد میں فعال کردار ادا کرنے کے علاوہ دسیوں خدمات سے لیکر حوزۂ علمیہ (جامعۃ الرضا ضیاء العلوم، پونہ) کا قیام، اس عالم مجاہد کے تابندہ ماضی کا حصہ ہے۔

ہندوستان میں علمی، ثقافتی اور سماجی میدانوں میں انقلاب اسلامی کے لئے ثبات قدم واستقامت اور امام خمینیؒ کے جادہ نیز اسلامی انقلاب کی بے دریغ حمایت سے آپ کی زندگی کے کارنامے جگمگا رہے ہیں۔

امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد رہبر انقلاب آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ کی بیعت اور دوراندیشی و بصیرت کے ساتھ معظم لہ کی حمایت اس انقلابی عالم کے افتخارات میں شامل ہیں۔

انجمن دانشجویان اسلامی پونہ اور ہندوستان میں موجود (ایرانی) اسلامی انجمنوں کی اتحادیہ (کونسل) کے ممبران آغازِ انقلاب کے سخت ترین ابتدائی سالوں اور دفاع مقدس کے زمانہ سے ہی حاج آقای فطرت کے شیدائی اور اس عظیم شخصیت کی زحمتوں اور انتھک کوششوں کے چشم دید گواہ ہیں۔ یقیناً ان کا یہ حق ہے کہ وہ انقلابِ اسلامی کے اس باوفا فدائی کے لئے غمزدہ وسوگوار رہیں۔

ان کا دفتر اگرچہ بہت چھوٹا اور نہایت سادہ تھا مگر ان کا عظیم قلب اور عزم راسخ ہندوستان میں موجود انقلاب کے متوالوں کے لئے امید کا مرکز بن گیا تھا اور ان کی ندائے وحدت نے انقلاب اسلامی کی گرما گرم محفل میں شیعہ وسنی سبھی کو یکجا اکٹھا کر دیا تھا۔

مذکورہ خصوصیات کے علاوہ ان کی دسیوں نیک خصلتوں نے مرحوم کو ہندوستان میں ایک دائمی انقلابی چہرہ میں تبدیل کر دیا تھا اور اب ان شاء اللہ ان کی یادیں اور بنایا ہوا جادہ آئندہ نسلوں کے لئے چراغِ ہدایت اور حسین وجمیل حجت ثابت ہوگا۔

خداوند عالم ان کی روح پاک کو ان کے اجداد طاہرین کے ساتھ محشور فرمائے اور ان شاء اللہ امام انقلاب اور اس کے شہداء اس عظیم انقلابی شخصیت کے میزبان قرار پائیں گے۔

اس انقلاب کے اصل سرپرست امام زمانہ اروا حنا فداہ کی دعائے خیر ان کے لئے توشۂ راہ اور ان کی روح کی تسکین کا ذریعہ قرار پائے۔ محمد وآل محمد پر صلوات کی برکت سے۔ اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد

بروز جمعہ، ۲۸/ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ

(نوٹ: فاضل مقالہ نگار پونا یونیورسٹی انڈیا سے ڈاکٹریٹ کے بعد ملک وبیرون ملک خدمات انجام دیتے رہے ہیں اور فی الوقت شاہد یونیورسٹی ایران کی تعلیمی کمیٹی کے ممبر ہیں) ✿✿✿

ISSN No.2455-636X

کچھ نہ کچھ لکھتے رہیے!

علامہ حسن عباس فطرت طاب ثراہ

حجۃ الاسلام مولانا وزیر عباس حیدری مظفرنگری

فطرت! اللہ کی ہے اور دین {اسلام} وہ فطرت الہی ہے جس فطرت پر اللہ نے انسان کو خلق کیا ہے اور فطرت الٰہیہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی اگر ماحول و معاشرے کے اثرات سے انسان غلط راستے پر چلا بھی جائے پھر بھی اس کی یہ صلاحیت ختم نہیں ہوتی چنانچہ جب کبھی بھی وہ ہوی و ہوس، ضد و نقیض، عناد و دشمنی اور نفس پرستی کو چھوڑ کر حق پرستی کے حقائق پر غور کرتا ہے تو اس کی یہ صلاحیت اپنا اثر دکھانے لگتی ہے اور مسلسل کوشش کرنے کے بعد وہ حق تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

لفظ فطرت عربی کے لفظ "فطر" سے نکلا ہے جس کے معنی شگافتن (چیرنا)؛ ایسی اختراع جس کا پہلے کوئی نمونہ نہ ہو؛ یعنی مادر زاد صفات اور خصائص کو فطرت کہتے ہیں، جب بھی کوئی انسان پیدا ہوتا ہے فطرت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور جب تک اس دنیا میں رہتا ہے فطرت اس کے ساتھ رہتی ہے بسا اوقات انسان اس سے رخ موڑ لیتا ہے لیکن یہ کبھی کسی سے نہیں کتراتی اس کے اصطلاحی معنی تخلیق یا پیدائش کا خاص طریقہ یا ترتیب ہے جب اصطلاح میں انسانی فطرت کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے انسانی نفسیات کی ایک خاص پیدائش مدنظر ہوتی ہے جس کے کچھ لازمی نتائج، اثرات اور تقاضے ہیں، انسان جس خاص نفسیاتی بناوٹ کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اس میں چاہتیں، رجحانات اور سوجھ بوجھ پائی جاتی ہے ان چاہتوں اور سوجھ بوجھ کو فطری چاہتیں اور فطری سوجھ بوجھ کہا جاتا ہے۔

انسان کے اندر موجود ان خواہشات کو فطرت کہا جاتا ہے، جو بغیر سیکھے سکھائے ہر انسان میں موجود ہیں اور پیدائشی طور پر اس کے ساتھ ہیں مثال کے طور پر علم و جمال کی چاہت، اللہ اور توحید کے بارے میں جستجو اور کمال کو حاصل کرنا وغیرہ فطرت کا آسان مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو خلق کر کے اس میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے، اس کی وحدت پر ایمان رکھے، اس کے پیغمبروں اور اماموں کے لائے ہوئے آئین کی اتباع کرے۔

ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اپنے وجود اور کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرے یعنی تحقیق اور جستجو کرنا ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے اس کی یہ صفت اس قدر طاقتور ہوتی ہے کہ سمجھدار انسان تو کیا چھوٹے بچوں میں بھی اس صفت کا وجود پایا جاتا ہے اور وہ بھی ہر چیز کو جستجو خیز انداز میں دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مورد نظر شے کے بارے میں جانیں۔

جب انسان اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات ابھرنے لگتے ہیں اور اس کی فطری حس یہ سوال کرنے لگتی ہے: میں کہاں سے آیا ہوں؟ میرا خالق کون ہے؟ میں اس وقت کس جگہ پر ہوں اور کہاں جاؤں گا؟ انسانی فطرت میں اٹھنے والے یہی سوالات اسے خالق کے بارے میں سوچنے اور جستجو کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

علامہ فطرتؔ کی فطرت نے فقط سوچنے اور جستجو پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس سوچ اور جستجو کو اپنے قلم کے ذریعہ لوگوں کے سامنے پیش بھی کیا ہے خواہ وہ جہاد بالقلم کے ذریعہ ہو یا جہاد باللسان کے توسط سے۔

ISSN No.2455-636X

آپ نے ایسی ایسی نایاب کتابیں معاشرے کے درمیان چھوڑیں جو اسے راہ راست کی ہدایت کرتی ہیں اور اگر معاشرہ چاہے تو ان کے ذریعہ خدا، انبیا اور امام تک پہنچ سکتا ہے، ان کتابوں میں آپ نے اصول دین کو بیان کرکے فطرت کے تقاضوں کو پورا کیا اور فروع دین کی وضاحت کرکے عباد خدا کے مسائل کو حل کیا۔

علامہ حسن عباس فطرت کا یہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان پر مشتمل علمی کارناموں کا سفر، ہندو پاک، ایران وعراق، مکہ ومدینہ اور شام تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ براعظم افریقہ تک اس کے متبرک نقش دکھائی دیتے ہیں اور نتیجہ میں {افریقہ سرخ وسیاہ} نامی کتاب کی تدوین کرکے وہاں کے اسلام شناس اور بے بہرہ افراد کے دلوں میں روشنی کا ساز وسامان فراہم کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ آپ نے آیۃ اللہ علامہ سعید اختر رضوی عشری مرحوم کی معرکۃ الآرا کتاب {موت کے بعد} کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرکے بین الملی مترجم ہونے کا تمغہ حاصل کیا اور اپنے کو عربی فارسی زبان ہی میں محدود نہ رکھا۔

بعض افراد فطرت اور عادت کو ایک سمجھ بیٹھتے ہیں جبکہ ان دونوں میں بہت فرق ہے ان کے درمیان پائے جانے والے نمایاں فرق یہ ہیں:

1 فطرت بغیر سیکھے سکھائے انسان کے اندر ہوتی ہے جبکہ عادت انسان کسی عمل کو بار بار دھرانے سے اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے، مثلاً: حقہ، بیڑی اور چائے پینے کی عادت۔

بعض لوگ تو نماز، روزوں کو اپنی عادت بنالیتے ہیں جبکہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر انسان کو خلق کیا گیا ہے لہٰذا نماز، روزہ فطرت ہونا چاہئے نہ عادت۔

2 فطرت دنیا میں ہر انسان کے اندر ہے، جبکہ عادت کسی میں ہوتی ہے اور کسی میں نہیں ہوتی۔

عادت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی لیکن فطرت ہمیشہ اچھائیوں کا سرچشمہ ہے۔

ہر انسان فطرتاً اچھا ہی ہوتا ہے کوئی بھی شخص برا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی خلقت میں فطرت الٰہی شامل ہے اب جب تک وہ اس دین پر رہتا ہے جس میں فطرت الٰہی کا وجود ہے تو اچھا ہے اور جیسے ہی اس سے منحرف ہوا تو برا بن جاتا ہے دنیا میں آنے کے بعد اچھا اور برا بنانے میں ماحول، رہن سہن اور تربیت کا ایک کلیدی اثر انسان کی زندگی پر مرتب ہوتا ہے جس سے وہ دین الٰہی کو چھوڑ کر یہودیت، نصرانیت، مسیحیت، ہندومت، مجوسیت یا اپنے بنائے ہوئے دوسرے مذاہب اختیار کرلیتا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: كُلُّ مَولُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطرَةِ، وإِنَّمَا أَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ ويُنَصِّرَانِهِ...

"ہر پیدا ہونے والا فطرت {دین اسلام، معرفت خدا اور توحید} پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد والدین اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں"

فریقین کی کتابوں میں اس حدیث کو کثرت سے نقل کیا ہے اور فطرت سے مراد فطرت اسلام کو لیا ہے یعنی وہ دین جو فطرت اسلام پر آیا ہے البتہ اس سے پرانے ان ادیان کو الگ نہیں کرسکتے جو یکتا پرست اور خدا کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور اس کے پیغمبروں پر کماحقہ ایمان رکھتے ہیں جیسے دین ابراہیمی کہ جس پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ فخر ومباہات کرتے ہیں۔

قرآن میں فطرت کی تعبیر کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔

آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔

ISSN No.2455-636X

فطرت ایک ایسا موضوع ہے جس کا ذکر تفاسیر قرآن، متون احادیث، منطق، فلسفہ، کلام اور دیگر علوم میں تفصیل سے آیا ہے ہم نے یہاں پر فقط فطرت کی کچھ جھلکیاں دکھائی ہیں تاکہ اس مقالے کے قارئین خود علامہ حسن عباس فطرت مرحوم کی بعض خصائص سے ان کو منطبق کرسکیں اور الہی فطرت میں بندے کی فطرت یعنی معرفت الوہیت اور توحید کو محسوس کرسکیں جو مادرزاد اسے ودیعت کی گئی ہے۔

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم ۳۰ رجون ۱۹۳۵ء قصبہ بلور ضلع فیض آباد (تقسیم اضلاع کے بعد: ضلع سدھارتھ نگر) میں پیدا ہوئے آپ کا شجرہ نسب شاہ عبدالرسول سے ملتا ہے جو تقریباً تین سو سال پہلے مشہد مقدس (ایران) سے ہندوستان تشریف لائے اور مختلف شہروں میں زندگی بسر کرتے ہوئے اس خاندان نے قصبہ بلور کا انتخاب کیا اور اس کو اپنا وطن قرار دیا۔

آپ نے وثیقہ عربک کالج فیض آباد سے دینی تعلیم کا آغاز کیا اور جامعہ ناظمیہ لکھنؤ میں ارتقائی منازل طے کرکے وہاں سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی بمبئی یونیورسٹی سے بی اے کیا، علمی تشنگی بجھانے کی خاطر تین سال حوزہ علمیہ قم میں بحر علوم سے سیراب ہوئے، کریمہ اہلبیت حضرت معصومہ قم سے عملی توفیقات اور روحانی برکات کسب کی اور یہاں سے فقہ و اصول اور اس کے اہم قواعد کو سیکھا جبکہ مفتی آقا سید احمد علی، حجۃ الاسلام مولانا سعادت حسین خاں اور علامہ سعید اختر عشری گوپالپوری اعلی اللہ مقامھم (بلال مسلم مشن افریقہ) جیسی باعظمت شخصیتوں سے ہندوستان ہی میں دروس فطرت حاصل کرچکے تھے۔

جس کے نتیجہ میں آپ نے بیان اپنا، افریقہ سرخ و سیاہ، چشمۂ آفتاب، جینے کا سلیقہ اور امام خمینیؒ بے مثال رہبر، عظیم، رفیع، وسیع اور بے مثال کتابیں تالیف و تصنیف کی اور کئی کتابوں کا فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کیا مدرسہ خواہران، بنام جامعۃ الرضا، پونہ کی بنیاد رکھی، اپنی دیکھ ریکھ اور حضرت بقیۃ اللہ الاعظم (ارواحنا لہ الفدا) کی سرپرستی اسے پروان چڑھایا جو الحمدللہ جاری و ساری ہے۔

بہت سے ایوارڈ حاصل کئے جیسے: زینبیہ ایوارڈ بمبئی، شہید مطہریؒ ایوارڈ کلچر ہاؤس دہلی (ایران)، محسن ادب پونہ ایوارڈ، امیر المومنین ایوارڈ وغیرہ۔

ان تمام امور میں مشغولیت کے باوجود آپ کئی انجمنوں اور ادبی اداروں کے ساتھ ہمکاری بھی کرتے رہے، صحافت میں اچھا خاصا حصہ لیا، شاعری کا ذوق و شوق تو آپ طالب علمی کے زمانے ہی سے رکھتے تھے اور برسوں امام جمعہ والجماعت کے فرائض بھی انجام دئے۔

علامہ حسن عباس فطرتؔ مرحوم سے میری پہلی اور آخری ملاقات اسی وقت ہوگئی تھی جب مجھے حوزہ علمیہ قم آئے ہوئے تین چار سال سے زیادہ نہیں ہوئے تھے اس کے بعد کبھی کبھی ان کے مسودات اور مقالات تو ضرور دیکھنے کو ملے لیکن ملاقات کا موقع کبھی نہ مل سکا مگر حسن اتفاق یہ ہے کہ میری اس ملاقات کا معنوی سلسلہ ان سے کبھی ختم نہیں ہوا جس سے خود میں بھی بے خبر رہا اور مولانا موصوف بھی مطلع نہ ہوسکے مگر یہ سلسلہ ایک علمی رابطہ کی شکل میں برقرار رہا جس کا مختصر قصہ یہ ہے:

مدرسہ حجتیہ کے پارک جنت کی طرف سے مسجد کے روبرو ہوتا ہوا کسی کام سے باہر جارہا تھا سامنے دور سے ایوانوں کے بیچ بیٹھے ہوئے کسی تنہا باوقار شخص کو دیکھا ان کے عبا، قبا، عمامہ اور وضع قطع سے یہ اندازہ لگانا آسان تھا کہ وہ قم کے طالب علم نہیں ہیں بلکہ ہندوستان سے زیارتوں کے لئے آنے والے کوئی مولانا صاحب ہیں ہاں! ان کے تنہا بیٹھنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی تھی کہ یہ کوئی ایسی شخصیت ہے جسے مدرسوں اور علمی اداروں سے بے انتہا لگاؤ ہے اسی لئے یہ اپنی رہائشگاہ چھوڑ کر یہاں تشریف فرما ہیں میں راستہ کاٹ کر باہر جانا چاہتا تھا کہ موصوف نے ہنستے ہوئے نہایت گرم جوشی سے مجھے اس طرح آواز دی، جیسا کہ وہ مجھے برسوں سے جانتے ہوں، مولانا صاحب یہاں آئیے! میں نے آپ کو دور سے دیکھتے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ آپ مجھ سے ملے بغیر آگے نہیں جاسکتے۔

میں قریب گیا انھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا انھوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے تعلیم اور نصاب تعلیم کے بارے میں ادھر ادھر

کے بہت سے سوال کئے اور یہ جملہ کہکر سوالات کا سلسلہ ختم کر دیا کہ ماشاء اللہ آپ ذہین ہیں محنت سے پڑھئے اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہئے! ان کا یہ جملہ {کچھ نہ کچھ لکھتے رہئے} آگے چل کر میرے لئے فقط ایک نصیحت ہی نہیں رہی بلکہ اس نے ایک مستجاب دعا کی شکل اختیار کرلی۔

اپنا تعارف کراتے ہوئے آپ نے فرمایا: میرا نام حسن عباس اور تخلص فطرت ہے، میں بھی آپ کی طرح ایک طالب علم ہوں اور طالب علم کو دوست رکھتا ہوں، اس کے علاوہ شاید انھوں نے کچھ نہیں کہا اور میں نے بھی غالبا کوئی سوال نہیں کیا۔

جب علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ کا انتقال ہوا تو میں نے ان کے انتقال پر ملال پر مذکورہ بالا واقعہ، اظہار تاثر اور تسلیت نامہ کی شکل میں لکھ کر میڈیا کے حوالے کیا حسن اتفاق سے اس پر استاد محترم حجۃ الاسلام والمسلمین استاد سید شمشاد حسین رضوی (مقیم حال ناروے) کی نگاہ پڑگئی انھوں نے فورا فون کیا اور مجھے بتایا: آپ کا تسلیت نامہ دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم نے {فرقۃ الناجیہ فی الاسلام: مولف حضرت آیۃ اللہ سید علی محمد پالپوری متوطن اترولہ} سے متعلق اپنی کتاب {ارمغان مقالات} میں چھ صفحات پر مشتمل تبصرہ لکھا ہے جس میں اس کتاب کی افادیت ومعنویت کو تحریر کرتے ہوئے آپ کو ڈھیر ساری دعائیں دی ہیں۔

آپ کی {ارمغان مقالات} نامی کتاب 384 صفحات پر مشتمل ایک پر مغز اور غیر معمولی کتاب ہے جس میں مختلف مقالات کی شکل میں بہت سے علما وفقہا کے کارناموں کی نہایت حق وانصاف کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے آپ نے اپنی اسی عظیم المرتبت کتاب میں {فرقۃ الناجیہ فی الاسلام} پر سادہ، سلیس اور بڑے اچھے انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے اس طرح تحریر فرمایا ہے :

خوبصورت ایڈیشن ادارہ اصلاح نے مولانا شمشاد حسین اترولوی اور مولانا وزیر عباس حیدری کی فرمائش اور خاص اہتمام سے شائع کیا ہے جو ظاہری اعتبار سے بھی نئے رنگ وآہنگ کی حامل ہے، اس کی نئی تنظیم وتنسیق نے اس کے حسن وخوبی کو دوبالا کر دیا ہے۔

نیز اسی تبصرہ میں {فرقۃ الناجیہ فی الاسلام} کی خوبیاں شمار کرتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

حجۃ الاسلام شیخ وزیر عباس حیدری مظفر نگری نے اس کتاب {فرقۃ الناجیہ فی الاسلام} کو نیا پیراہن بخشا، تنظیم وتنسیق کی مشقت گوارہ کی اور اسے ظاہری ومعنوی دونوں حیثیت سے ممتاز ونمایاں بنایا، ان کے لئے بھی دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔

جب استاد محترم حجۃ الاسلام والمسلمین استاد سید شمشاد حسین رضوی صاحب نے یہ بتایا تو آنکھوں میں خوشخبری کی چمک محسوس تو ہوئی لیکن کچھ ہی لمحات کے بعد غائب ہوگئی جس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ علامہ سید حسن عباس فطرت اعلی اللہ مقامہ اس دنیا میں نہیں رہے ثانیا یہ کہ کاش یہ خبر مرحوم کی زندگی میں مل گئی ہوتی تو کم از کم ان سے یہ بتانے کی ضرور کوشش کرتا کہ یہ سب آپ ہی کی اس نصیحت اور دعا کا اثر ہے جو آپ نے سالہا قبل قم المقدسہ میں میرے لئے کی تھی تو کچھ اور دعاؤں کا سہارا مل جاتا اور ان سے یہ کہنے میں آسانی ہوتی کہ آپ خود اس امر میں سہیم ہیں یہ کاوش اس جملہ {کچھ نہ کچھ لکھتے رہئے} کا ظاہری اثر ہے اگرچہ اس وقت وہ دنیا میں نہیں ہیں لیکن میرے قلمی خدمات کے ساتھ ان کے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپس میں جڑا رہے گا اور اس طرح برسوں پہلے کی ملاقات کا تسلسل دائمی صورت اختیار کرتا رہے گا۔

دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک مرحوم ومغفور کے درجات بلند فرمائے، انھیں جوار معصومینؑ میں جگہ عنایت فرمائے اور ان کے متعلقین بالخصوص اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

منابع وماخذ: قرآن کریم، عوالی اللئالی العزیزیہ فی الاحادیث الدینیہ: احسائی، ابن ابی جمہور، تحقیق، المرعشی والمجتبی العراقی، مطبوعہ اول مطبعۃ السید الشہداء، ۱۴۰۳ھ ق۔ شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید، عز الدین ابو حامد بن ہبۃ اللہ، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، بیروت، دار احیاء الکتب العربیہ 1378ھ، ارمغان مقالات: علامہ حسن عباس فطرت م: 21 مئی 2020ء مطابق 27، رمضان المبارک 1441ھ ق ✪✪✪

ISSN No.2455-636X

باغ و بہار شخصیت نہ رہی

مولانا ڈاکٹر محقق سید شہوار حسین نقوی، امروہہ
موبائل نمبر: +91 93199 01464

آہ! آج دنیائے علم و ادب میں اداسی سی کیوں محسوس ہو رہی ہے؟

کیا کوئی باعمل عالم، حقیقت نگار مصنف، بے باک صحافی، نڈر نقاد، باشعور مبصر، حق گو خطیب، بے نظیر ادیب اور عبارت شناس مترجم نہ رہا؟

ہاں۔ ایک آواز آ رہی ہے کہ مولانا حسن عباس فطرت دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ابھی کچھ روز قبل ہی کی تو بات ہے کہ جب مولانا سے فون پر گفتگو ہوئی تھی آواز میں کمزوری اور نقاہت ضرور تھی مگر ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ آپ اتنی جلدی ہم سے رخصت ہو جائیں گے۔ ان کی فون پر آنے والی آواز آج بھی میرے کانوں میں رس گھول رہی ہے۔

مولانا حسن عباس صاحب فطرت کی ذات ہمہ رنگ اور ہمہ گیر تھی جس میں علم کی رفعت، ادب کی کشش، زبان کی چاشنی، صحافت کی بے باکی، تنقید کی طمطراقی، تحریر کی سادگی، عروض کی روانی، بحروں کی طغیانی، یہ سب خوبیاں آپ کی جامع صفات شخصیت میں ایسی گھلی ملی تھیں جنہیں علاحدہ کر کے یا ایک دوسرے پر ترجیح دے کر نہیں دیکھا جا سکتا۔

مولانا موصوف نکتہ داں اور نکتہ رس، روشن فکر اور جہاں دیدہ عالم تھے۔ ادب ہو یا انشاء، صحافت ہو یا تنقید ہر میدان میں انہوں نے خود اپنی راہ بنائی وہ کسی کی راہ پر چلنے کے عادی نہ تھے۔ وہ کسی سے آگے بڑھتے تھے نہ کسی سے پیچھے۔ ان میں علمی تمکنت بھی پائی جاتی تھی وہ جلدی کسی سے مرعوب و متاثر نہیں ہوتے تھے۔ اچھے اچھوں کو میدان علم میں پچھاڑ دیتے تھے۔

مگر دوسری طرف سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ وہ دوسروں کی ترقی سے خوش بھی بہت ہوتے تھے بالخصوص اپنے سے چھوٹوں کی ترقی اور ان کے نگارشات دیکھ کر ان کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا تھا۔ اور ان کی تعریف کر کے ان کے آگے بڑھنے کے جذبے کو مہمیز کرتے تھے۔ ان کی تعریف میں دکھاوا یا ریاکاری نہیں ہوتی تھی وہ دل کی گہرائی سے سراہتے تھے جس کا ثبوت وہ تبصرے ہیں جو مختلف تحریروں پر لکھے۔ جب وہ کسی کتاب پر تبصرہ کرتے تھے تو صرف تعریف ہی نہیں بلکہ بھرپور تنقید کرتے تھے۔

تنقید کے وقت اس بات کا پورا خیال رکھتے تھے کہ مطالب کا سقم بھی واضح ہو جائے اور لکھنے والے کی دل شکنی بھی نہ ہونے پائے۔ تحریر کی خوبیاں بیان کرتے وقت بخل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ بلا جھجک اپنے قلبی تاثرات صفحۂ قرطاس پر رقم فرما دیتے تھے۔ ناچیز کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے میری کئی تصانیف پر اظہار رائے فرمائی جب بھی کوئی کتاب منظر عام پر آئی تو فوراً فون کر کے ہمت افزائی فرماتے تھے ابھی میری تازہ تالیف، تذکرہ علماء شیعہ برصغیر شائع ہوئی تو اسے ملاحظہ فرما کر فون آیا بہت خوش ہوئے اور فرمایا شاباش آپ نے بہت اہم کام کر دیا یہ کتاب میرے سرہانے رکھی ہے تین چار بار اس کا مطالعہ کر چکا ہوں بڑا لطف آ رہا ہے۔

ان جملوں میں کتنا خلوص اور کتنی محبت مضمر ہے جو اس خود غرض دور میں مفقود ہے اور کوسوں دور تک نظر نہیں آ رہی ہے۔ اب کہاں وہ بزرگ جو چھوٹوں کی اس طرح تعریف کر کے ان کے لئے آگے بڑھنے کی راہ ہموار کریں۔ تعریف کرنا تو بہت دور آج انسان حقیقت بیان کرنے

ISSN No.2455-636X

سے بھی گریز کر رہا ہے۔ موصوف کو مجھ سے قلبی لگاؤ تھا یہ ان کی بزرگی اور کرم فرمائی تھی کہ اکثر حقیر سے فون پر بات کرتے تھے اور تادیر گفتگو فرماتے۔ میں عرض کرتا حضور آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں؟ تو جواب یہی ہوتا کہ آپ سے گفتگو کرکے اکابر علماء کا ذکر خیر ہو جاتا ہے اور کچھ یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

آپ کی ذات معلومات کا خزانہ تھی موضوع مذہبی ہو یا ادبی، سیاسی ہو یا سماجی ہر موضوع پر ایسی پرمغز و پر لطف گفتگو فرماتے تھے کہ جیسے وہ اسی موضوع کے متخصص ہوں۔

اگر علماء کرام کے واقعات نرم و نازک لہجے میں مسکرا مسکرا کر اور بیچ بیچ میں قہقہہ لگا کر اس شیریں انداز سے سناتے تھے کہ دل چاہتا تھا کہ وہ سناتے رہیں اور میں سنتا رہوں۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ فون آف ہو جاتا تھا تو دوبارہ ملا کر گفتگو کو مسلسل کیا جاتا تھا۔ اب کہاں تلاش کریں ایسے بزرگوں کو جو قدم قدم پہ شاباشی اور لحہ بہ لحہ دعاؤں سے نوازیں۔ اس قحط الرجال میں آپ کا وجود نعمت غیر مترقبہ سے کچھ کم نہ تھا۔ دل کو ڈھارس تھی کہ بزرگ موجود ہیں کوئی مسئلہ درپیش آئے گا حل ہو جائے گا۔

مولانا فطرت صاحب بلند ہمت اور باحوصلہ بزرگ تھے انہوں نے تقریباً نصف صدی سے زیادہ قلم و قرطاس کی خدمت انجام دی۔ ضعیفی کہنہ سالی اور مسلسل امراض کے حملوں کے باوجود انہوں نے کبھی قلم ہاتھ سے نہیں رکھا وہ قلم کو جیب کی زینت بنانے کے قائل نہیں تھے۔ یہی سبب ہے کہ بہت لکھا اور خوب لکھا ہندو بیرون ہند کا کوئی اردو سہ ماہی، ششماہی، سہ ماہی اور ماہنامہ رسالہ نہیں جس میں ان کا مضمون باصرہ نواز نہ ہوتا ہو۔ جس موضوع پر لکھا اس کا حق ادا کیا۔ جب بھی لکھا قلم برداشتہ لکھا ان کی تحریر میں آمد بھی تھی گویا آورد سے انہیں چڑ تھی۔ ان کی نثر مسجع، استعارہ، کنایہ، تشبیہ، و تمثیل سے اس طرح مرصع ہے جس میں نظم کا لطف آ جاتا ہے۔ آپ کا مخصوص طرز تحریر ہے واقعہ نگاری ہو یا منظر نگاری، حالات پر تبصرہ ہو یا کردار کی تصویر کشی ہر جگہ اشاراتی انداز، لہجے کی نرمی اور تشبیہاتی ندرتیں نظر آتی ہیں۔ نئی نئی ترکیبوں اور اضافتوں سے عبارت میں رعنائی پیدا کرنے میں وہ ماہر تھے۔ الفاظ کا انتخاب اور اس پر مستزاد محاوروں اور کہاوتوں کا استعمال عبارت کی جان بن گیا ہے۔ خشک اور سخت موضوع کو عبارت آرائی کے ذریعہ ایسا سجایا کہ پڑھنے والا مکمل کرکے ہی دم لیتا ہے۔

اب ہم ان کی نثر کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جس سے ان کی زبان و بیان پر قدرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کی توصیف کا انداز دیکھئے:

خدایا ف+ا+ط+م+ہ سے بنے ہوئے لفظ فاطمہ میں کیوں اتنی تاثیر کیف، سرور، ٹھنڈک، رقت، دعوت وعزیمت ہے جو لغت کے تمام گنجینۂ الفاظ میں نہیں۔ جسے سن کر دل و دماغ میں ایک تموج پیدا ہو جاتا ہے اور صفحۂ قرطاس پر جسے دیکھ کر انوار جمال و جلال گھیر لیتے ہیں۔ اس لفظ کی ادائیگی سے کام و دہن میں اتنی شیرینی وحلاوت بھر جاتی ہے جو ناقابل بیان ہوتی ہے۔ ایک نورانی پیکر نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا، جس کی اصل ثابت اور درازی عالم ناسوت سے لاہوت تک اور وسعت و پہنائی آفاق پر جاری۔ مگر یہ کوئی خیالی مجسمہ یا تصور نہیں ہے بلکہ رحم و کرم درد و احسان، ایثار و الفت شفقت و مواسات کا برستا بادل، استقلال و جگر داری، صبر و شکر، سخت کوشی، خاکساری، خداجوئی کا شجر سایہ دار ہوتا ہے جس کے تصور پر بہار فردوس قربان ذکر پر زمزمہ کرو بیان نثار اور توسل پر مژدہ جنت مقرر ہے۔ (ارمغان مقالات ص ۴۷)

حج بیت اللہ کا ذکر کس حسین پیرایے میں کرتے ہیں:

"نہ یہاں محمود و ایاز کا فرق ہے نہ شاہ و گدا کا سب ہی اہل و عیال، فکر معاش و دنیاوی جھمیلوں سے دامن جھٹک کے آتے ہیں۔ کسی کو کسی سے غرض نہیں ہوتی۔ بس رضائے معبود ان کا نشانہ ہوتا ہے۔ اور غفران رب کی طلب انہیں بے تاب کیے دیتی ہے۔ بھوک و پیاس گرمی سردی

ISSN NO.2455-636X

دھوپ چھاؤں نیند راحت سہولت سے بے نیاز ہو کر لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتے رہتے ہیں۔ خانۂ خدا میں آ کے انہیں لقائے رب کا یقین ہو جاتا ہے اور والہانہ سرگشتگی کے ساتھ وہ اس گھر کے صدقے ہونے لگتے ہیں۔ پھر صفا و مروہ کی سعی کر کے دیدار الٰہی کی جوت کو تیز تر کرتے ہوئے خدا سے ملنے عرفات کی طرف نکل جاتے ہیں۔ (ارمغان مقالات ص ۱۸۲)

قدیم لکھنؤ کی تصویر کشی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں الفاظ پر کسی قدر گرفت حاصل تھی لکھتے ہیں:

"وہ گنگا جمنی تہذیب جو خواب و خیال ہو چکی ہے اس کے تانے بانے اب بھی اسی زمین پر ملیں گے، نفاست، نزاکت، ولداری، مروت، وفا کا عکس آج بھی یہاں دکھائی دیتا ہے۔ البتہ سب کچھ تغیرات کی کشتی میں رواں دواں ہے۔ چوک کی نرمی و ملائمت، ٹھنڈک و رونق، ماند پڑ چکی ہے نہ زردوز عطر حنا کی اڑتی ہوئی خوشبو ہے نہ ابھری گیت کی جگمگاہٹ اور مٹی کے حیرت انگیز کھلونے دسا بچے اب نہ حقہ و دمشک کی خمیدہ کاری گر ہیں نہ چاندی کے ورق کو کوٹنے والوں کی ٹھک ٹھک کی مانوس صدا کانوں سے ٹکراتی ہے۔ پتنگ بازی میں نامور لکھنؤ میں اب پتنگوں کی دو دکان ڈھونڈے مل جائے تو شکر کیجئے۔ اب نہ پالکی ہے نہ مانی نہ فینس ہے نہ یکے تانگے جن کی صدی خوانی مشہور تھی ایسے ایسے فقرے ڈھالتے، مصرعے نکالتے کہ طبیعت بھڑک اٹھے۔ اب وہ سقے بھی نہیں ہیں جو جگہ جگہ مشک بھر کے گھومتے اور خشک زمینوں کی پیاس بجھاتے رہتے انہیں لوگ بہشتی کے لقب سے یاد کرتے"۔ (ارمغان مقالات ص ۲۲۱)

مولانا فطرت صاحب کو سخت اور انگریزی الفاظ کی آمیزش میں بھی کمال فن حاصل تھا، وہ غیر اردو لفظوں کے استعمال میں ایسی چابکدستی دکھاتے کہ قاری کو محسوس بھی نہیں ہو پاتا:

"محفل ادب بے مسند علم و فضل کی دنیا میں ٹھہراؤ، شعر و سخن کا چراغ ٹمٹما رہا ہے لکھنؤ کی سرزمین میں اپنے سوئے ہوئے فرزندوں کو اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر جگانا چاہتی ہیں مگر جگنوؤں کی روشنی کے سہارے انجام و نتیجہ ظاہر ہے ایک نوحہ کناں سناٹا اور گورستان کے شور سے عبارت ہے سرشار و شرر کا لکھنؤ حضرت گنج کا اولڈ کافی ہاؤس جو کبھی علم و دانش و شعر و انشاء کا ایوننگ کالج ہوا کرتا تھا مرحوم و مغفور کہے جانے کے لائق ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی پہلے کا کیننگ کالج جہاں کے کونے کھترے میں بھی کمال فن و ہنر کے دو چار ٹھیکرے مل جاتے تھے وہاں داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی چند شمعیں بھی ہاتھ آجائیں تو غنیمت جانئے"۔ (ارمغان مقالات ص ۲۲۰)

افسوس کہ اجل نے ہم سے ایسا ادیب، قلم کار، انشا پرداز، کالم نگار چھین لیا جو صدیوں میں جا کر منصۂ شہود پر آتا ہے۔ ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ ۲۱ر مئی ۲۰۲۰ء کی تاریخ تھی کہ جب ہورا تر پردیش سے طلوع ہونے والے علم و ادب کا آفتاب پونہ مہاراشٹر میں وطن سے دور غروب ہو گیا۔

مولانا حسن عباس طاب ثراہ دنیا سے کیا گئے ایک عہد اور ایک دور کا خاتمہ ہو گیا۔

سورج ہوں روشنی کی رمق چھوڑ جاؤں گا　　میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا۔

❁❁❁

صفحہ 89 کا بقیہ۔۔۔مرحوم سے ادارۂ اصلاح کی وجہ سے مسلسل رابطہ رہتا تھا، مضمون کی فرمائش میں کبھی انکار نہیں یا کوئی عذر پیش نہیں کیا، بات کرنے میں ہمیشہ محبت و اپنائیت کا مظاہرہ کیا وہ وقت ابھی بھی نگاہوں میں ہے کہ تین چار سال قبل میں عشرۂ محرم میں لکھنؤ ہی میں تھا ایک دن مجلس شروع کرتے ہی دیکھا علامہ مرحوم برادرم مہدی باقری کے ہمراہ چلے آرہے ہیں، پوری مجلس توجہ اور غور سے سنی بعد مجلس حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا آج کل لکھنؤ آیا ہوا تھا جب مجلس کا علم ہوا تو میں نے مہدی سلمہ سے کہا مجھے لے چلو۔ حالانکہ کافی دور آپ کا قیام تھا، چلنے پھرنے میں بھی دشواری تھی، مسجد کے زینوں پر چڑھنا آپ کے لیے مزید دشوار تھا لیکن یہ آپ کی عظمت و بزرگی تھی کہ تمام صعوبتیں برداشت کر کے وہاں پہنچے۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ❁❁❁

ISSN No.2456-639X

فطرت نیک سیرت

حجۃ الاسلام مولانا سید کمیل اصغر زیدی
مدیر حوزہ علمیہ جامعۃ الرضاؑ، پونہ موبائل نمبر: 9890500072

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے پونہ کے حاجی محمد جواد اصفہانی امام باڑے کو مولانا حسن عباس فطرت صاحب طاب ثراہ نے ایک نئی زندگی عطا کی تھی آج ان کی وفات حسرت آیات سے پہلے سے ہی گویا یہ امام باڑہ ان کے سوگ میں غرق اور سنسان نظر آرہا ہے اور اسی فرصت کو غنیمت جان کر اس حسینیہ سے متصل ان کے سادہ اور معمولی دفتر اور گھر میں بیٹھ کر ان کی زندگی کے آخری دور سے متعلق یہ سطریں تحریر کر رہا ہوں۔

مولانا حسن عباس فطرت صاحب تن تنہا اس شہر میں علم و عمل اور انقلاب کی مشعل لے کر پہنچے اور عروس البلاد ممبئی جیسے شہر کو خیرباد کہہ کر یہیں کے ہو رہے۔ اس وقت پونہ میں ایرانی اسٹوڈنٹس ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے؛ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد یہاں ایک عجیب خلفشار کا عالم تھا۔ انقلابی جماعت کو آپ کی قیادت کیا ملی کہ ہر طرف امام خمینیؒ اور انقلاب کے جھنڈے گڑتے چلے گئے۔ آپ کی پرکشش شخصیت، سنی، شیعہ اور ہندو مسلم ہر ایک کی نظر میں جذاب اور قابل احترام رہی اور ہر بزم میں آپ کو ایک ہی انداز سے قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

علامہ ذیشان حیدر جوادیؒ کے سایہ عاطفت سے محرومی کے بعد مولانا فطرتؒ کی ذات گرامی میرے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم درجہ نہیں رکھتی تھی۔ سنہ ۹۹۔۱۹۹۸ء کی بات ہے جب علامہ جوادیؒ سے زینبیہ ممبئی میں دو سال فیض حاصل کرنے کے باوجود کبھی پونہ شہر میں سکونت کا خواب و خیال بھی ذہن میں نہیں آیا تھا۔ پھر جنوری ۲۰۰۷ء میں قم سے واپسی کے بعد کسی دوسری جگہ خدمت دین کے بجائے والد محترم طاب ثراہ کے حکم پر اپنے وطن غازی پور مظفر نگر (شاملی) میں ہی سکونت اختیار کی اور مختلف جگہوں پر بچوں اور بچیوں کے لئے باقاعدہ تربیتی کیمپ کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں برادر محترم مولانا منظر صادق صاحب کی ادارت میں بچوں سے متعلق "ماہنامہ طوبیٰ" کا اجراء بھی عمل میں آیا۔ اپریل ۲۰۰۹ء کی بات ہے جب برادرم مولانا کرامت حسین صاحب، مولانا فطرت صاحب کے ہمراہ بنفس نفیس غازی پور تشریف لائے، چونکہ والد محترم سے سلطان المدارس لکھنؤ میں ہم عصر ہونے کی بنا پر آپ کے دیرینہ مراسم تھے اس لئے آپ نے ان سے اس ناچیز کو پونہ بھیجنے کی خواہش ظاہر کی۔ والد محترم نے ان کی خواہش کے احترام اور مشورے کے بعد بادل ناخواستہ اس تبلیغی ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس طرح مولانا کرامت حسین صاحب کے ہمراہ میں ۲۶/ جون ۲۰۰۹ء بروز جمعہ مولانا مرحوم کے دولت کدہ پر پہنچ گیا۔ آپ کے ساتھ ناشتہ کیا اور تبھی سے اپنی بے بضاعتی کے باوجود حسینیہ حاجی محمد جواد اصفہانی میں اپنے فرائض کی ادائگی کے لئے کوشاں ہوں۔ اگر قبول افتد۔

آپ کی عنایتوں کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ مولانا کرامت صاحب کے مشورہ اور تعاون کی یقین دہانی کے بعد آپ نے اپنے قائم کردہ حوزہ علمیہ جامعۃ الرضاؑ کو طلاب کے بجائے طالبات سے مخصوص کر دیا اور اس کی مدیریت کی ذمہ داری بھی مکمل طور پر حقیر کے ناتواں کاندھوں پر رکھ دی جس کی پرنسپلی کی مسئولیت میری اہلیہ خواہر صباز ہرا زیدی کے سپرد کی گئی اور اس طرح ۱۱/ ذی قعدہ مطابق ۱۴۳۱ھ بروز ولادت امام رضا علیہ السلام اس نئے تجربہ کا آغاز کیا اور الحمد للہ تین منزلہ عمارت مدرسہ کی ملکیت ہے جو آپ کی محنتوں اور اخلاص کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ جس میں گراؤنڈ فلور پر ہال، دفتر، خدام کا کمرہ، ٹیرس پر مطبخ اور بیت الطعام اور ہر منزل پر نو کمرے موجود ہیں۔ فی الحال مدرسہ میں تقریباً چالیس طالبات زیر تعلیم ہیں اور (گذشتہ طلاب کے علاوہ) تقریباً دس خواہران اعلیٰ تعلیم کے لئے قم، مشہد، اصفہان۔۔۔ کے حوزات میں زیور تعلیم سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

ISSN No.2455-636X

یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ ملک کے اکثر مدارس کے برخلاف جامعۃ الرضاؑ میں ماہ رمضان میں تعطیل نہیں ہوتی اور تعلیمی سلسلہ جاری رہتا ہے اس طرح اس مہینے میں بچیوں کی تربیت کے ساتھ ان کی عید بھی مدرسہ میں ہی ہوتی ہے۔ آپ ہر سال عید کے موقع پر مدرسہ تشریف لاتے تھے اور ایک پدر مہربان کی طرح تمام طالبات، اساتذہ، خدام کے علاوہ ناچیز اور اس کے بچوں کو عیدی دے کر ہماری عید کی تکمیل فرماتے تھے۔ افسوس اس سال اس پدر مہربان کے رخصت ہونے سے پہلے ہی گویا مدرسہ آپ کے سوگ میں ڈوب گیا تھا اور لاک ڈاؤن کی بنا پر سوگ کا یہ سلسلہ کب ختم ہوگا خدا ہی بہتر جانتا ہے؟

بیاسی، تراسی سال کی عمر میں بھی آپ کی خود اعتمادی اور خدمت دین کا جذبہ اپنی مثال آپ تھا۔ چند سال پہلے جب آپ نے اپنی فراغت کا شکوہ کیا اور مدرسہ میں تدریس کی خواہش اس انداز سے کی: "کیا بتاؤں میں تو اب آپ کا کچھ ساتھ بھی نہیں دے سکتا ہوں تو مدرسہ کی طرف سے آپ کے لئے آمد و رفت کا انتظام کر دیا گیا اور جب تک صحت نے ساتھ دیا آپ نے گلستان سعدی کو محور بنا کر مدرسہ کی طالبات کو اردو ادب کے ساتھ فارسی نظم و نثر کے گل بوٹے ٹانکنے اور زلف سخن سنوارنے کی تربیت کا اعجاز رقم کر دکھایا۔

پونہ شہر کے مذہبی پروگراموں میں آپ حتی الامکان شریک ہوتے تھے اور آپ کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ ایک بہترین ادیب، صحافی، مقرر اور بہت کچھ ہونے کے ساتھ ایک بہترین سامع بھی تھے۔ آج کے دور میں اپنے بزرگوں کی کون سنتا ہے؟! مگر آپ کمسن، جوان و نوجوان طلباء و شعراء کو گھنٹوں ایک ہی انداز اور یکساں توجہ کے ساتھ سنتے تھے اور خاموشی سے ان کے ضعیف نکات کی نشاندہی سے زیادہ ان کی برملا تعریف کے ذریعہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ حسن تربیت کے ایسے حسین شاہکار اب کہاں تلاش کیے جائیں۔

تقریباً پورے پونہ شہر میں رضا شاہ ٹرسٹ (مومن پورہ)، شیواجی نگر، بیت القائم و مان نگر، مرکز زہراؑ اور اس کے اطراف میں جنیر اور سپھر جیسی بستیوں میں آپ کی مذہبی اور تعمیراتی خدمات ایک حد تک سنگ بنیاد کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کی ترقی میں آپ کے پائیدار نقوش ہر جگہ ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

اپنے وطن اول بلوریں میں آپ نے جو قلم عین عالم شباب میں اٹھایا تھا تقریباً ستر سال تک اس کو اس انداز سے گردش میں رکھا کہ نہ اس کی سیاہی خشک ہونے دی اور نہ ہی اس میں کہیں زنگ اور سست روی کا اثر ظاہر ہوا حتی کہ ہاتھ پر فالج کا اثر ہونے کے باوجود بھی قلم پر آپ کی گرفت کمزور نہیں پڑی۔ آپ کا اپنا "ہفت روزہ صداقت" اور ملک کے تقریباً اکثر مشہور رسائل و اخبارات آپ کے قلم کی نوجوانی، جوانی اور ضعیفی میں جوانوں سے زیادہ برق رفتاری، نشیب و فراز، اس کی شعلہ فشانی تو کہیں مصلح جاں ثابت ہونے والے نشتر اور مرہموں کے ہزاروں نسخے اپنے دامنوں میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

آپ کے یہاں مطالعہ کا شوق جنوں آخری سانس تک ایک ہی جیسا تھا۔ ایک بار جب آپ فالج کے علاج کے لئے ڈاکٹر کے مطب پر جا رہے تھے تو آٹو کو امام باڑہ کی طرف موڑ دیا اور کسی کام سے غریب خانہ تک تشریف لائے۔ آٹو میں بیٹھے بیٹھے مجھ سے گفتگو کی تو میری نظر ان کے ہاتھ میں موجود کتاب پر پڑی۔ میں نے پوچھ لیا: "یہ کس لئے؟" فرمایا: "ارے ڈاکٹر کے یہاں کافی دیر بیٹھنا پڑتا ہے اس سے وقت گزر جائے گا۔"

موبائل بدست زمانہ میں ایسے کتب بدست جوہر شناس افراد کا سراغ کہاں ملتا ہے؟

جب کبھی آپ کے وطن یا طالب علمی کے دور کی بات چھڑ جاتی تھی تو آپ کی زبان پر یہ شعر آجاتا تھا:

اسیر پنجۂ عہد شباب کر کے مجھے   کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

زانو کے درد کی بنا پر آپ کو سفر میں کافی دقت ہوتی تھی؛ کبھی کبھی تو بالکل صاحب فراش ہو جاتے تھے۔ ایک بار فالج کا بھی معمولی عارضہ ہوا،

اس کے علاوہ متعدد بیماریوں اور کبر سنی وکینسر نے جیسے آپ کو گھیر رکھا تھا مگر پھر بھی اپنے مستحکم عزم وارادہ اور مشیت وتقدیر الٰہی کے تحت آپ ہی کی جیت ہوتی تھی اور آپ اسپتال سے گھر پہنچ کر پھر سے تیشہ قلم سنبھال کر کوہکنی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں آپ کو جہاد قلم میں مصروف دیکھ کر یہی محسوس ہوتا جیسے کاغذ اور کتاب آپ کے لئے عروس شب اور قلم عصائے پیری بن چکا ہے۔

اپنی اولاد سے دوری کا اثر ہر انسان کے نفسیات پر پڑتا ہے؛ جس سے آپ بھی مستثنیٰ نہیں رہے کیونکہ آپ کی زندگی کا آخری دور خاص طور سے اہلیہ کے انتقال کے بعد نہایت کرب وتنہائی میں گزرا ہے۔ گزشتہ تین چار سال میں تو کئی بار طبیعت ناساز ہوئی۔ ایک دو بار تو زندگی کی امید بھی موہوم ہو چکی تھی اس دوران آپ کے اعزاء خاص طور سے فرزند فرحت صاحب، بیٹیاں اور داماد حضرات چھٹیوں میں یا اضطراری طور پر آتے جاتے رہتے تھے۔

مگر مدرسہ کے خادم جناب مختار حسین صاحب اور ان کے فرزند شاداب سلمہ نے آخری سانس تک آپ کی تیمارداری اور خدمت کا جو حق ادا کیا ہے موجودہ نسلوں کے اکثر بیٹے، بیٹیاں اور بہوئیں یا دیگر اعزاء سے اس کی توقع بھی ممکن نہیں ہے۔ خداوند عالم ان دونوں حضرات کو اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔

آپ کی خصوصیات میں مکمل طور پر بااصول زندگی، اپنی صحت کا مکمل خیال، خوراک وپوشاک کی جانب بھی وکیفی ہر لحاظ سے توجہ، ڈاکٹروں، حکیموں۔۔۔کی دواؤں کے ساتھ مالش کی پابندی، چہل قدمی، کھانے کی اشتہا کم ہو تو پھلوں کا جوس یا سوپ ہی سہی، صبح سویرے پستہ بادام اور اخروٹ وغیرہ کی ایک دو گری تو گویا آپ کے ناشتہ کا حصہ تھی۔ کام ودہن کی نفاست اور تروتازگی کو باقی رکھنے کے لئے آپ نے چند سال پہلے صرف ایک دو دانت نہیں بلکہ ان کا پورا مجموعہ ہی تبدیل کرا دیا تھا۔

ملک میں "کرونا" کی وبا پھیلنے کی ابتداء میں ہی آپ کو دوبارہ کچھ نقاہت محسوس ہوئی تو ہمیشہ کی طرح النعامدار ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرانے کے لئے بھیجا گیا مگر ڈاکٹروں نے آزمائش (ٹسٹ) اور دوا کے بعد یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ آپ کے لئے فی الحال گھر پر رہنا ہی مناسب ہے یہاں کرونا کا خطرہ ہے۔ چنانچہ آپ اپنے گھر واپس آگئے اور پھر لاک ڈاؤن کی وجہ سے آمد ورفت اور ملاقات کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ ناچیز نے جب ملاقات کے لئے کوشش کی تو خود یہ فرمایا کہ یہاں سوسائٹی (کالونی) میں بیرونی افراد کے داخلہ پر پابندی ہے لہذا آپ تشریف لانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ شبہائے قدر کے بعد طبیعت مزید خراب ہو گئی۔ آخری چند دنوں میں شکم میں نفخ (ابھار) کی شکایت کچھ زیادہ ہو گئی، اس دوران اپنے شیدائیوں اور قدر دانوں کو خود فون کرکے گویا اپنی رخصت سے باخبر بھی کرتے رہے۔ ایک صاحب سے تادیر بات کرتے ہوئے تو آپ کی زبان پر یہ جملے بھی آئے کہ دعا کیجئے کہ ۲۸/ رمضان المبارک تک میری مٹی ہو جائے۔ ڈاکٹر سے رابطہ کے باوجود اسپتال لے جانے میں کافی تاخیر ہوئی۔ شاید خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ کے بڑے داماد جناب باقر صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ ثریا صاحبہ حسن اتفاق سے ان دنوں پونہ ہی میں تھیں وہ وقتاً فوقتاً اپنے گھر سے سوپ اور جوس وغیرہ لا کر تیمارداری کرتے رہے۔ آخری دن بھی آپ نے حسب معمول صبح کا ناشتہ کیا، معدہ کے منھ پر درد زیادہ محسوس ہو رہا تھا، لباس تبدیل کرکے باقر صاحب اور شاداب سلمہ کے ہمراہ ڈاکٹر کے مطب تک جانے کے لئے جیسے ہی دروازہ سے باہر قدم رکھا تو گویا پیک اجل نے ایک مہمان الٰہی کی طرح استقبال کیا۔ ایک دو افراد کی مدد سے آپ کو واپس کمرہ میں لٹا دیا گیا لیکن اتنی ہی دیر میں اس سدا بہار گلشن سخن وقلم اور گلدستہ کتاب وصحافت کو جیسے ۲۱ / مئی کے چڑھتے سورج کی تمازت سے ایسی لو لگی کہ جس نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مضمحل کر دیا اور آپ قریب زوال آفتاب خدائے لم یزل ولا یزال کی بارگاہ عفو وکرم میں باریاب ہو گئے۔

خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر سے رابطہ کی وجہ سے آپ کو "کرونا" کے مریضوں میں شامل نہیں کیا گیا (جس کی وجہ سے تدفین میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں) اور اس طرح ضروری قانونی کارروائی کے بعد جنازہ کو بعد افطار باسانی جنت آباد قبرستان منتقل کر دیا گیا اور فریضہ غسل کے بعد آپ

ISSN No.2455-636X

کربلا کی خلعت، عمامہ کے نیچے قل ھو اللہ کا پیشانی بند، چہار قل کا تعویذ، لبوں پر عقیق سرخ کا قل سجائے اور حلۂ جوشن کبیر زیب تن کئے، بردیمانی اوڑھے ہوئے، خاک شفائی کشتیٔ استوار کے سہارے ۱۴۴۱ھ کے ماہ رمضان المبارک کی آخری شب جمعہ کو (نیمۂ شب کے قریب) سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کی تاسی کرتے ہوئے روزہ داروں کے کاندھوں پر سوار اپنی ابدی قیر طیبہ کی منزل اور رب غفور کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ این سعادت بزور بازو نیست

لاک ڈاؤن میں نسبتاً چھوٹ اور رات کے وقت کا فائدہ اٹھا کر پونہ شہر کے کافی مومنین اور جوان کسی نہ کسی طرح اپنے محسن و مربی کو رخصت کرنے کے لئے قبرستان پہنچے۔ بزرگوں کی عدم موجودگی میں نماز میت کی امامت کی ذمہ داری بھی اس ناچیز کو ادا کرنا پڑی۔ تشییع جنازہ میں علمائے کرام میں جناب ڈاکٹر شبیہ احسن کاظمی صاحب، مولانا فیاض حسین صاحب، مولانا ظفر الحسن جلالپوری صاحب اور مولانا شیخ محمد باقر صاحب شکارپوری اور جامعۃ الرضا کے فارغ التحصیل مولانا حیدر صاحب غازی پوری شامل تھے۔ نماز جنازہ کے بعد مومنین نے وحشت قبر سے حفاظت کی خاطر صدقہ جمع کیا جسے تدفین کے بعد مستحق تک پہنچایا گیا۔

روزہ داروں کے کاندھوں پر آپ کا جنازہ دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے رحمت و مغفرت کے مہینے کی آخری راتوں میں کوئی عبد خاشع اور لاچار کاسہ عفو و بخشش بدست اور "الٰہی ھل یرجع العبد الآبق الا الی مولاہ" (اے میرے رب کیا کوئی فراری غلام اپنے مالک کے علاوہ کہیں اور پلٹ کر جاتا ہے) کی مکمل تصویر بنے حاضر و غائب شاہدوں کی لا نعلم منہ الا خیرا کی زبانی و تحریری شہادتوں کے بھروسے، ایک عبد فطرت کی صورت، خالق فطرت و فاطر السماوات کی بارگاہ میں عید فطر کی عیدی عفو و کرم لینے کے لئے بیتاب ہے۔

آپ کے غم فراق میں اشک افشانی و شبنم بارانی کے لئے جناب مولانا محمد اسلم رضوی صاحب قبلہ نے وارانسی شہر سے (you tube) چینل کے ذریعہ تشییع کی براہ راست نشریات (live telecast) پیش کر کے پونا قبرستان پہنچنے والوں کے لئے بھی، دور سے ہی سہی تشییع جنازہ میں شرکت کا موقع فراہم کر دیا جن لوگوں میں آپ کے فرزند اور چھوٹی دختر اور دیگر اعزاء بھی شامل تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ آپ حسب وصیت پونہ شہر کے واحد شیعہ قبرستان جنت آباد کے مرکزی دروازہ کے سامنے موجود راہرو کے آخر میں سائبان وار قدیم حوض کی جنوبی دیوار سے متصل اپنی اہلیہ مرحومہ کے قریب (سرہانے) آسودہ خاطر ہو گئے۔ خداوند عالم ان کو ان کے اجداد کے ساتھ محشور فرمائے اور ان کی خطاؤں و تقصیرات سے درگذر کرے اور ان کے پسماندگان کو حتی الامکان ان کے مذہبی جذبہ کی تاسی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان کی چھوڑی ہوئی اماںتوں خاص طور سے جامعۃ الرضا کے جملہ فرائض کی ادائیگی کی قوت و ہمت اور تائید عنایت کرے۔ آمین ثم آمین

صفحہ 41 کا بقیہ

اسی طرح ایران کلچر ہاؤس، سفارت خانہ ایران، دفتر نمائندگی دہلی کے پروگراموں میں معزز مہمان و مقالہ نگار کی حیثیت سے مدعو کئے جاتے تھے اور اپنے مقالہ سے سامعین کو سرفراز فرماتے۔ لکھنؤ، بنارس، پٹنہ، دہلی، ممبئی، پونہ وغیرہ کے علمی، دینی اور ادبی پروگرام گویا مولانا کے بغیر نامکمل سمجھے جاتے تھے۔ موقر رسالہ اصلاح لکھنؤ اور البیان میں ان کے تاریخی، علمی، دینی مضامین کثرت سے شائع ہوتے ہیں۔

مولانا کے مضامین کی طولانی فہرست ہے میرے علم میں ان کی دس شائع شدہ کتابیں ہیں جو بطور یادگار ہیں، مولانا کے خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے انہوں نے پوری زندگی علم دین اور مذہب اہل بیتؑ کی نشر و اشاعت میں بسر کی، انسان کی جسم کو موت آتی ہے لیکن کردار، سیرت اور خدمات زندہ رہتے ہیں حدیث میں ارشاد ہوا ہے "اہل علم زندہ رہتے ہیں جب تک زمانہ باقی ہے۔ ان کی پاکیزہ زندگی، اخلاقی بلندی، خوش طبعی، ظرافت علمی اور تحریری و تقریری خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ رب کریم کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ مولانا کے درجات کو ائمہ طاہرینؑ کے جوار میں بلند قرار دے اور ان کے خدمات کو قبول کرے۔ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

فطرت کی آواز

حجۃ الاسلام مولانا سید مراد رضا رضوی
حوزۂ علمیہ قم مقدسہ

یوں تو ہر ایک گھر میں بچوں کا نام رکھا جاتا ہے لیکن بعض کے نام ان کی ذات کا جز اور ان کی شخصیت کی پہچان بن جاتے ہیں۔ علامہ حسن عباس فطرت طاب ثراہ انہی خوش قسمتوں میں سے ایک تھے جن کا لقب "حجر الخیر" کی طرح ان کے نام کا جز، ذات کا اٹوٹ حصہ اور شخصیت کی پہچان بن گیا تھا۔

اللہ نے کس کو فطرت نہیں دی ہے؟ ہر ایک کو دی ہے بلکہ قرآن مجید میں موجود یہ لفظ صرف اور صرف حضرت انسان کے لیے ہی استعمال ہوا ہے وہ بھی صرف ایک بار سورہ روم کی آیت نمبر ۳۰ میں: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

یوں تو اس لفظ کے مشتقات قرآن مجید میں بہت جگہ استعمال ہوئے ہیں لیکن اس قالب میں یعنی فطرۃ انسان ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے محققین کا کہنا ہے کہ فطرت انسان ہی سے مخصوص ہے جو چیز حیوانات میں پائی جاتی ہے اسے عام طور پہ "غریزہ" کہا جاتا ہے۔ یہ الگ سی بات ہے کہ اگر کوئی جانور کے لیے بھی فطرت کا لفظ استعمال کر دے تو کوئی مشکل نہیں ہے لیکن عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔

کلمہ فطرت میں جو سب سے دلچسپ عنصر موجود ہے وہ ایک خاص قسم کی خلقت ہے جو انسان ہی سے مخصوص ہے۔ یہ خداداد ی خلقت مرتے دم تک انسان میں باقی رہ سکتی ہے بشرطیکہ انسان اسے حوادث زمانہ سے بچالے جائے اور اس کی سمت و سو کو کسی دوسری طرف نہ موڑے اور اس کی ہر آواز کو سننے کے لیے اپنی سماعتوں کو مسلسل آمادہ رکھے۔ ذرا سی بے توجہی انسان کو راہ سے بے راہ کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں انسان فطرت کی آواز سننے سے محروم ہو کر کمالات کے تمام راستوں سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، اسی لیے فطرت کی بالیدگی اور زبوں حالی میں ماں باپ کا کردار بہت اہم ہے اور یہیں سے فطرت کے ہمراہ تربیت کی یگانگت کا مسئلہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ انسانی تربیت اگر غیر فطری ماحول میں ہوئی ہے تو فطرت کی آواز اس کی سماعتوں میں پہنچنا مشکل ہے۔ رسول اکرمؐ کی یہ معروف حدیث "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ (عدۃ الداعی، ج ۱، ۳۳۲) ہر بچہ اسلام کی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ الگ سی بات ہے کہ اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں"۔

بطور واضح بیان کر رہی ہے کہ خارجی عوامل فطرت کی آواز سننے سے محروم کر دیتے ہیں۔ چونکہ تربیت کا پہلا گہوارہ والدین کی آغوش ہے اس لیے بطور مثال آنحضرتؐ نے اس کا تذکرہ فرما دیا؛ ورنہ غیر اخلاقی ماحول اور نفس کی پیروی بھی انسان کو فطرت کی آواز سننے سے محروم کر دیتی ہے۔

سوال یہی ہے کہ فطرت کی آواز ہے کیا جس سے اہل دنیا اور شیطنت خوفزدہ ہے جس کی بنیاد پر وہ ایسی تربیت کرتے ہیں کہ انسان اپنی ہی آواز سننے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب بہت سادہ اور آسان ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو ایک خدا کی طرف واپسی کی یاد دلائے وہ فطرت کی

ISSN No.2455-636X

آواز ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون کی آواز اگر ہر وقت انسان کے کانوں سے ٹکراتی رہے تو وہ فطرت کی آواز سے مانوس ہوجائے گا۔ یہی آواز شیطنت کو ناگوار گزرتی ہے اس لیے وہ فطرت کی دولت سے سرشار انسان کو اس کی صلاحیت کے مطابق پروان نہیں چڑھاتا ہے بلکہ اپنے مقصد کے مطابق اس کی تربیت کرتا ہے۔ ایک بڑھئی کا مقصد ہوتا ہے کہ ایک اچھی کرسی بنادے، اس کرسی کو بنانے میں لکڑی کو کہاں سے کاٹتا ہے، کون سی لکڑی کا کون ساحصہ برباد ہوتا ہے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ایک قصاب جب ایک بکرے کو خصی بناتا ہے تو اس کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ بکرے کے جسم کا ایک اہم اور تولیدی جزو ناقص ہورہا ہے، اس سے بکرے کو کتنی تکلیف ہوگی، اسے تو بس اس سے مطلب ہے کہ یہ جانور جتنا موٹا ہوگا اتنی زیادہ اسے قیمت ملے گی۔ لیکن ایک باغبان ایک نونہال کو اسی طرح پروان چڑھاتا ہے جس طرح اس کے باطنی عزیزے اور طبیعت کا تقاضا ہے۔ اسی لیے باغ میں ہر قسم کے پھول ہر طرح کی بھینی بھینی خوشبو کے ساتھ کثرت میں وحدت کا پیغام سناتے ہیں۔ فطری تربیت جو اسلامی تربیت ہے وہ باغبان کی تربیت کی طرح ہوتی ہے۔ اسی لیے انبیائے کرام کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے دفینوں کو ظاہر کرتے ہیں، یعنی فطرت کو لہلہانے کا موقع دیتے ہیں۔ لیکن غیر فطری تربیت قصاب اور نجار (بڑھئی) کی طرح ہوتی ہے جس میں پروان چڑھانے والے کا ذوق کارفرما ہوتا ہے۔

لمحۂ فکریہ ہے کہ ایک انسان جو پیکر رحم و عطوفت ہے وہ اتنا خونخوار کیسے ہوجاتا ہے کہ عورت کا پیٹ چاک کرکے بچہ کو باہر نکال کر اس کا سر کاٹ لیتا ہے اور اسے نیزے پر بلند کردیتا ہے۔؟! ایک پولیس کا افسر جو عوام کی حفاظت کے لیے مامور ہے وہ اتنا سنگ دل کیسے ہوجاتا ہے کہ ایک سیاہ پوست انسان کی گردن پر اپنا زانو رکھ کر اتنا دباؤ بناتا ہے کہ سیاہ فام انسان کا دم نکل جاتا ہے۔ یہ کام کوئی چشم زدن میں تو ہوا نہیں ہوگا۔ دس منٹ سے زیادہ تک زانو کے دباؤ سے وہ مظلوم تڑپتا رہا اور دردوں سے بدتر وہ پولیس کا آفیسر نہایت خونسردی کے ساتھ وہ انسانیت سوز عمل انجام دیتا رہا لیکن اس کی فطرت پر چوٹ تک نہیں لگی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کو خصی بنا کر پالا گیا ہے۔ اس کی تربیت اس باغ میں نہیں ہوئی ہے جہاں یہ سمجھ کر پروان چڑھایا جاتا ہے کہ "اگر کاٹ کھانے والا کتا بھی ہو تو اس کو مثلہ نہ کرنا اس کے ٹکڑے نہ اڑانا"۔ اس کی تربیت اس باغبان کے ہاتھوں نہیں ہوئی ہے جہاں مقتول کی بہن اپنے بھائی کے قاتل پر ناز کرتی ہے کہ میرے بھائی کا قاتل غیرت مند اور باحیا تھا جس نے میرے بھائی کے جسم سے اس کا اسلحہ تک نہیں اتارا۔

اسلام ہی دین فطرت ہے کہ مطلب یہی ہے کہ ایسا ماحول اور ایسی فضا ایجاد کی جائے جہاں انسان اپنے قوہ اور اپنی صلاحیتوں کو فعلیت میں تبدیل کرسکے یعنی خدا تک رسائی کے راستے پر مسلسل گامزن رہے۔ اگر انسان اس آواز کو ہمیشہ سنتا رہے کہ وہ نیاز مند ہے اسے ہر آن ایک بے نیاز کی ضرورت ہے یعنی وہی آواز جس میں کہا جارہا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (سورۂ فاطر/۱۵)

جب انسان خود کو ذاتی طور پر نیاز مند سمجھے گا تو کبھی غرور میں مبتلا نہیں ہوگا بلکہ تواضع اور انکسار اس کی ذات کا اٹوٹ حصہ بن جائے گا۔ پھر وہ جتنا باکمال ہوتا جائے گا خود میں اتنا ہی زیادہ کمیوں کا احساس کرے گا۔ جتنا لوگوں کی نگاہ میں اس کی عزت بڑھے گی اتنا اپنے آپ کو خدا کے نزدیک ذلیل و رسوا سمجھے گا، دوسروں کی کم نیکیوں اور اچھائیوں کو زیادہ اور اپنی انتہاء اچھائیوں کو نہایت کم سمجھے گا اور باغبان اس کی اس صفت کو عقل کے کمال سے تعبیر کرے گا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

لَا يَتِمُّ عَقْلُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ حَتَّى تَكُونَ فِيهِ عَشْرُ خِصَالٍ: اَلْخَيْرُ مِنْهُ مَأْمُولٌ. وَالشَّرُّ مِنْهُ مَأْمُونٌ يَسْتَكْثِرُ قَلِيلَ الْخَيْرِ مِنْ غَيْرِهِ وَيَسْتَقِلُّ كَثِيرَ الْخَيْرِ مِنْ نَفْسِهِ. لَا يَسْأَمُ مِنْ طَلَبِ الْحَوَائِجِ إِلَيْهِ وَلَا يَمَلُّ مِنْ طَلَبِ الْعِلْمِ طُولَ دَهْرِهِ. اَلْفَقْرُ فِي اللهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنَ الْغِنَى. وَالذُّلُّ فِي اللهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنَ الْعِزِّ فِي عَدُوِّهِ. وَالْخُمُولُ أَشْهَى إِلَيْهِ مِنَ الشُّهْرَةِ.

ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْعَاشِرَةُ وَمَا الْعَاشِرَةُ؟ قِيلَ لَهُ: مَا هِيَ؟ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَا يَرَى أَحَدًا إِلَّا قَالَ: هُوَ خَيْرٌ مِنِّي وَأَتْقَى، إِنَّمَا النَّاسُ رَجُلَانِ رَجُلٌ خَيْرٌ مِنْهُ وَأَتْقَى وَرَجُلٌ شَرٌّ مِنْهُ وَأَدْنَى فَإِذَا لَقِيَ الَّذِي شَرٌّ مِنْهُ وَأَدْنَى قَالَ: لَعَلَّ خَيْرَ

هَذَا بَاطِنٌ وَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَخَيْرِي ظَاهِرٌ وَهُوَ شَرٌّ لِي وَإِذَا يَرَى الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَأَتْقَى تَوَاضَعَ لَهُ لِيَلْحَقَ بِهِ فَإِذَا فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدْ عَلَا مَجْدُهُ وَطَابَ خَيْرُهُ وَحَسُنَ ذِكْرُهُ وَسَادَ أَهْلَ زَمَانِهِ. (تحف العقول، ج ۱، ص ۴۱۷)

کسی بھی مرد مسلمان کی عقل کامل و تمام ہو ہی نہیں سکتی ہے جب تک کہ اس کے یہاں یہ دس خصلتیں موجود نہ ہوں ۱: اس سے خیر اور نیکی کی امید کی جاتی ہو۔ ۲: لوگ خود کو اس کے شر سے امن و امان میں محسوس کرتے ہوں۔ ۳: دوسروں کی کمترین نیکی اور اچھائی کو بہت زیادہ شمار کرتا ہو۔ ۴: اپنی بہت زیادہ اچھائی کو بہت کم سمجھتا ہو۔ ۵: جس قدر بھی اس سے حاجت طلب کی جاتی ہو وہ اس سے تنگ نہ آتا ہو ۶: زندگی بھر علم حاصل کرنے سے خستگی اور تھکن کا احساس نہ کرتا ہو۔ ۷: خدا کی راہ میں فقیری اسے تونگری سے زیادہ محبوب ہو۔ ۸: اپنے خدا کی راہ میں ذلت اسے خدا کے دشمن کے سامنے عزت سے زیادہ محبوب ہو۔ ۹: گمنامی کو شہرت سے زیادہ چاہتا ہو۔ پھر امامؑ نے فرمایا: دسویں صفت! اور اس دسویں صفت کا کیا کہنا؟ سوال کیا گیا: مولا! آخر وہ دسویں صفت ہے کیا؟ (جس کو آپ اس طرح بیان کر رہے ہیں) آپؑ نے جواب دیا: وہ کسی کو دیکھتا ہی نہیں ہے مگر یہی کہتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے بہتر اور مجھ سے زیادہ پرہیزگار ہے؛ کیونکہ انسان بس دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو اس سے بہتر اور زیادہ پرہیزگار ہیں۔ دوسرے وہ جو اس سے خراب اور پست ہیں؛ پس جب وہ اپنے سے خراب اور پست سے ملاقات کرتا ہے تو خود سے کہتا ہے: شاید اس کی اچھائیاں پوشیدہ ہوں تو یہ اس کے لیے خیر و بھلائی ہے (کہ فقط اس کا رب اس کی اچھائی کو جانتا ہے) لیکن میری اچھائی سب کو معلوم ہے، یہ تو میرے لیے بہت بری بات ہے (اس کی وجہ سے میرے اندر غرور، اترانا ہٹ اور دوسری برائیاں ایجاد ہو سکتی ہیں) اور جب بھی اپنے سے بہتر اور اپنے سے زیادہ پرہیزگار سے ملاقات کرتا ہے تو اس کے لیے تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتا ہے تاکہ اس سے ملحق ہو جائے۔ انسان جب ایسا کردار اختیار کرے گا اس کی عظمت و تمجید سربلند ہو جائے گی، اس کی اچھائیاں پاکیزہ اور دلپسند ہو جائیں گی، اس کا تذکرہ اچھائیوں کے ساتھ کیا جائے گا اور وہ اپنے زمانے کا سید و سردار و سرور بن جائے گا۔

فطرت کی یہی وہ آواز ہے جو ہماری سماعتوں تک نہیں پہنچ پا رہی ہے اور ہم اسی تربیت کے پروردہ بنتے چلے جا رہے جہاں درندگی بھی شرمندہ دکھائی دیتی ہے۔ غیر فطری عوامل ہمیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ جھوٹی عزت کے لیے ہم دوسروں کو بے عزت کر رہے ہیں، سستی شہرت کے لیے ہم اپنی جان دینے کو تیار ہیں، ہمیں علامہ نہ کہا جائے ہمیں آیت اللہ اور آیت اللہ العظمی کہہ کر خطاب نہ کیا جائے تو ہم مجلس پڑھنے کو تیار نہیں ہیں، ہم کو صدر مجلس اور صدر جلسہ نہ بنایا جائے تو ہم شرکت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم باغبان انسانیت و فطرت کے بتائے ہوئے طریقہ کو بھول چکے ہیں لہٰذا ضمیر فروش صحافت کے آلہ کار اور انسانیت و فطرت کے قصاب ہمیں خصی بنا کر ہمیں موٹا کر کے ہمیں مہنگی قیمت میں بیچ رہے ہیں اور ہم اپنی قدر و قیمت کو سمجھے بغیر غیر فطری منڈیوں میں بکے جا رہے ہیں۔ اگر ہم نے باغبان کے بتائے ہوئے راستے پر قدم رکھا ہوتا اور ہر عزت پر خود کو اندر سے ذلیل سمجھا ہوتا تو فطرت کے قاتل قصاب ہمیں اپنے فائدے میں استعمال نہیں کر پاتے، ہماری شہرت کے بہانے ہم سے تحریر و تقریر کے ذریعے دوسروں کی عزت اچھالنے کا سامان فراہم نہ کرتے۔ اگر دعائے مکارم الاخلاق کے فطری ترانے ہماری سماعتوں میں محفوظ ہوتے تو قصاب صفت صحافت ہمیں خصی بنا کر موٹا تازہ کر کے بازاروں میں ہماری بولی نہ لگاتی۔ دعائے مکارم الاخلاق کے بالکل آغاز میں ہی امام سجادؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَلَا تَرْفَعْنِي فِي النَّاسِ دَرَجَةً إِلَّا حَطَطْتَنِي عِنْدَ نَفْسِي مِثْلَهَا وَلَا تُحْدِثْ لِي عِزًّا ظَاهِرًا إِلَّا أَحْدَثْتَ لِي ذِلَّةً بَاطِنَةً عِنْدَ نَفْسِي بِقَدَرِهَا۔ خدایا محمدؐ اور ان کی آل پر درود و صلوات کی بارش فرما۔ لوگوں کی نگاہ میں میرا کوئی بھی مقام و مرتبہ بلند و سرفراز مت فرما مگر یہ کہ اسی مقدار میں مجھے میری نگاہ میں گرا دے اور پست قرار دیدے۔ اور کوئی بھی واضح اور آشکار عزت

ISSN No.2455-636X

میرے لیے قرار نہ دے مگر یہ کہ اسی مقدار اور اسی حد تک میرے باطن اور میرے نہاں خانوں میں مجھے ذلیل و رسوا قرار دیدے

اگر باغبان فطرت اور معمار انسانیت کی یہ آواز ہماری سماعتوں سے ٹکراتی رہتی تو سامراجیت کے آلۂ کار حسینیت، مولائیت کا ڈھونگ رچا کر حقیقی مولائیت اور خالص حسینیت سے ہمیں دور نہ کرتے۔

علامہ حسن عباس فطرتؒ اسی لیے اسم با مسمیٰ تھے، ان کا لقب فطرت اسی لیے حجر بن عدی حجر الخیر کی طرح ان کی ذات کا اٹوٹ حصہ بن گیا تھا کہ وہ فطرت کی آواز بخوبی سنا کرتے تھے۔ اتنے بڑے قلمکار ہونے کے باوجود کوئی بھی اپنا آلۂ کار بنا کر ان سے ایک بھی تحریر حاصل نہ کر سکا کیونکہ ان کی سماعت بیدار تھی۔ جس زمانے میں آیت اللہ اور علامہ جیسے القاب لکھوانے، کہلوانے اور بقلم خود اصرار کرنے کی ہوڑ لگی تھی اور ہے اس زمانے میں علامہؒ اپنے نام حسن عباس فطرت پر ہی بالیدہ تھے۔ کبھی اصرار نہیں کیا، کبھی بقلم خود علامہ نہیں لکھا جب کہ فطرت کی آواز سے محروم رہنے کے سبب معاصرین سے لے کر اطفال مکاتیب تک اکثر اس غیر فطری مرض کے شکار رہے ہیں۔

علامہ مرحوم سے میری ملاقات کوئی زیادہ نہیں رہی ہے جو میں ان کی زندگی کے سارے ابعاد پر روشنی ڈال سکوں۔ ہاں جہاں تک میرا ناقص شعور ان کی شخصیت کے ابعاد کا احاطہ کر سکا اسی کے مطابق چند شواہد پیش کیے دیتا ہوں:

۱: **تواضع کی معراج**: ایک قدیمی دینی ادارے میں ادارے کا صدی جشن منایا جا رہا تھا۔ علامہ مرحوم بھی وہاں موجود تھے۔ فطرت کی آواز سے محروم رہنے والے ایک بزرگ کو ناظم نے آیت اللہ ہی کہہ کر پکارا لیکن شاید وہ سن نہ سکے تو اتنے ناراض ہوئے کہ جب تک سربراہ ادارہ نے آیت اللہ کہہ کر نہیں پکارا وہ اسٹیج پر نہیں آئے اور جب آئے تو غصہ میں لال پیلے آئے۔ صدارت کی تقریر سے پہلے علامہ فطرتؒ نے اپنے مقالہ کی قرأت کی جو سوینیر میں شایع ہوا تھا۔ ان کے مقالہ میں کچھ باتوں سے اعتراض کا بہانہ بناتے ہوئے خطبہ صدارت میں انھوں نے اپنا سارا غصہ ان پر اتار دیا۔ لیکن اللہ رے اسم با مسمیٰ فطرت کی آواز سے سماعتوں کو سرشار رکھنے والے علامہ فطرتؒ کا کمال ضبط و تواضع، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ بس اتنا کہا: جی آپ بہتر جانتے ہوں گے۔ جب کہ اگر علامہ فطرتؒ بولتے یا ان کے تہور کا تحریری جواب دیتے تو پھر کوئی بھی ٹک نہیں پاتا۔ لیکن آج تک یہ واقعہ بھی عمومی نہیں ہو پایا۔ میں نے فقط اس لیے بند لفظوں میں لکھ دیا کہ فطرت کی آواز سے اپنی سماعتوں کو پُر رکھنے والے علامہ فطرتؒ کے تواضع و انکسار کی کچھ جھلک قارئین کو بھی محسوس ہو جائے۔

۲۔ **تواضع کا ایک اور نمونہ**: ہندوستان میں گزشتہ تیرہ برسوں سے ایام عزائے فاطمیہؑ کے موقع پر خدمت انجام دینے کے نتیجے میں بہت سارے تلخ و شیرین تجربے کسب کرنے کا موقع ملا۔ اکثر تو شیرین ہی ہیں، لیکن تلخ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ تہمتوں کا نشانہ بہت، بہت بنایا گیا ہوں۔ گالیوں کا ہار بھی پہنایا گیا ہے۔ لیکن الحمد للہ خدمت کی توفیق ابھی تک سلب نہیں ہوئی ہے۔ اللہ اسے باقی رکھے بس یہی دعا ہے۔ شیرین تجربہ کی ایک سرگزشت ۲۰۱۴ء میں عظیم الشان سیمینار سے مربوط ہے جو "حضرت فاطمہ زہراؑ اور حقوق نسواں" کے عنوان پر منعقد ہوا تھا۔ اس سیمینار میں جو بھی آیا تھا اس کے شکریہ کے لیے خادمین محبان ام الائمہؑ کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے ممدوح اس وقت علامہ فطرتؒ ہیں اس لیے ان کی زحمتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ علامہ مرحوم اس وقت بھی بھاری بدن کی وجہ سے سہارے سے چلتے تھے۔ لیکن سب لوگوں کے ساتھ وہ ٹرین سے ہی آئے میرے والد ماجد کے گھر کی چھوٹی چھوٹی سیڑھیوں پر بمشکل چڑھے لیکن وہی خندہ پیشانی وہی حوصلہ افزائی، وہی تعریف و تمجید، کہیں گلہ نہ شکوہ۔ تم نے مجھے کھینچ لیا۔ بس تمہاری محبت میں آگیا، بہت بڑا کام کر رہے ہو۔ اس قسم کے حوصلہ افزا کلمات سے روح کو سرشار کرتے ہوئے خود بھی خوشی خوشی واپس ہو گئے۔ وہ شیرین لمحات جب بھی یاد آتے ہیں چشم گریاں کے ساتھ یہی مصرع زبان سے نکلتا ہے ۔

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

۳: طالب علمی سب سے بڑا وقار: اگر آلِ محمدؐ پر جان چھڑکنے والے موالی یہ سمجھ لیں کہ مولا کے چاہنے والوں کا سب سے عزت مآب لقب طالب علم ہے تو پھر وہ کسی بھی لقب کی ہوڑ میں دوڑ نہیں لگائیں گے۔ گزشتہ حدیث میں باغبان انسانیت، فطرت کی زلفوں کو سنوارنے والے اور فطری راستوں سے عزت و توقیر کے زینہ پہ ہاتھ پکڑ کر چڑھانے والے امام رضا علیہ السلام نے کمال عقل اور ابدی عزت و توقیر کا گر سکھاتے ہوئے چھٹی صفت یہی بیان کی ہے کہ انسان زندگی بھر علم حاصل کرتے ہوئے خستگی اور تھکن کا احساس نہ کرے۔

علامہ فطرتؒ نے فطرت کی اس آواز کو بھی ہر وقت اپنی سماعتوں میں محفوظ رکھا۔ ان کا سب سے بڑا شرف یہ تھا کہ وہ خود کو طالب علم سمجھتے تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کی طرف اپنے تاثرات میں حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید احتشام عباس حشم جونپوری نے اشارہ کیا ہے۔

عام طور پہ یہ دیکھا گیا ہے کہ فطرت کی آواز سے محروم بعض طلاب علوم دینی کو جب امرار معاش کے لیے اچھا موقع مل گیا تو وہ ماضی کی طلبگی کو بھول جاتے ہیں حتی نظام طلبگی پر بھی معترض ہو جاتے ہیں۔ بعض کو تو نظام مرجعیت پر بھی اعتراض کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے؛ کیونکہ وہ روشن فکر ہو گئے ہیں، کسی یونیورسٹی کے مثلا پروفیسر یا کسی ریڈیو، ٹی۔وی میں ان کی ملازمت ہو گئی ہے تو وہ طلبگی کے تقدس پر ہی معترض ہو جاتے ہیں۔ ہم نے طلبگی کے وقار کی ایک جھلک رہبر انقلاب آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کے کردار میں اس وقت دیکھی جب ڈاکٹر رہبر نے آپ کی خدمت میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی تو ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: میں وہی طالب علم رہوں اور اسی پر مرتے دم تک باقی رہ جاؤں یہی میرے لیے سب سے بڑا افتخار ہے۔

یہی صفت حقیر نے علامہ فطرت میں بھی مشاہدہ کی۔ علامہ فطرتؒ مستند ادیب تھے۔ ان کی تحریر "مستند ہے تیرا فرمایا ہوا" کی مصداق تھی۔ ایک مایہ ناز بیدار ضمیر صحافی بھی تھے۔ کسی بھی ادبی جریدہ میں ان کی تحریر اس جریدہ کے وقار کی علامت ہوتی تھی۔ لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے طلبگی اور لباس طلبگی سے کبھی منہ نہیں موڑا بلکہ ہمیشہ ذی طلبگی کا بھرپور خیال رکھا۔ یہ میں اس لیے بھی کہہ رہا ہوں کہ میں نے اس چھوٹے سے سن میں بہت سارے نام نہاد ادیب دیکھے ہیں جو اپنے علاوہ کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ لیکن علامہ فطرتؒ اس قسم کی سستی اور چھوٹی شہرت سے اس لیے بہت دور تھے کہ ان کا وجود فطرت کے تمام عناصر سے سرشار تھا

۴: شاگرد پروری: دنیا میں با کمال افراد بہت مل جائیں گے۔ لیکن ان میں سے بعض کا نقص یہ ہے کہ ان کا کمال ان کی ذات میں محدود ہو کر انہی کے ہمراہ پیوند خاک ہو گیا۔ جب کہ انبیائے کرام کی کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ اسی لیے بھیجے ہی گئے ہیں کہ دوسروں کے اندر موجود فطری کمالات کو منصہ شہود پر ظہور پذیر کریں۔ سورہ حدید میں مرسلین کے بھیجے جانے کا ایک مقصد یہی بیان کیا گیا ہے کہ مرسلین کو بینات اور کتاب و میزان کے ساتھ اسی لیے بھیجا ہے کہ لوگ انصاف پسند بن جائیں: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ... (سورہ حدید آیت: ۲۵) اسی طرح اسی سورہ حدید میں ارشاد ہوتا ہے کہ رسول خدا پہ مسلسل واضح اور روشن نشانیوں کو بھیجنے کا مقصد یہی ہے کہ بزم انسانیت تاریکیوں سے نکل کر نور کی طرف گامزن ہو جائے کیونکہ خدا اپنے بندوں پر رافت و رحمت کی بارش کرنا چاہتا ہے هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (سورہ حدید آیت: ۹) اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت زیادہ موجود ہیں جو فطرت کی آوازوں کو سماعتوں تک پہنچانے کی مسلسل کوشش کر رہی ہیں۔ شاگرد پروری، فطرت کی آواز منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی لیے یہ ہنر کچھ خوش نصیبوں ہی کو میسر ہوتا ہے

بندہ حقیر اس سلسلہ میں بہت خوش قسمت ہے کہ اپنی تمام کمیوں کے باوجود اسے شاگرد پرور بزرگوں کی صحبت نصیب رہی ہے۔ اور ان کے فرمودات سے کسب فیض کا موقع بھی ملا ہے۔ ان بزرگوں میں مولانا ناصر زیدیؒ مولانا سبط محمد چودھریؒ پروفیسر نیر مسعودؒ پروفیسر مجاور حسین

ISSN No.2455-636X

رضوی، پروفیسر مجاہد حسین حسینی اور پروفیسر سید عراق رضا زیدی کے نام سرفہرست ہیں۔

یہ ادبی دنیا کے لوگوں کی فہرست میں نے گنوائی ہے ورنہ فقہ واصول کی دنیا کی فہرست تو طویل ہے۔ مولانا ناصر زیدی اور سید محمد چودھری سے کسب فیض کا کوئی زیادہ موقع نہیں ملا لیکن ان دونوں میں شاگرد پروری کا ہنر باکمال تھا۔ اسی طرح بقیہ بزرگوں کے اندر بھی یہ ہنر کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ہے۔ انہی میں سے ایک باکمال علامہ فطرتؔ بھی ہیں۔ مجھے ملاقات کا زیادہ شرف تو نصیب نہیں ہوا لیکن مجلہ امام الائمہؑ پر ان کے تبصرے اور ان کے رشحات قلم سے فیضیابی کے علاوہ ان کی حوصلہ افزا آواز آج بھی سماعتوں سے ٹکراتی ہے تو یہی کہنے کو دل چاہتا ہے۔

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

برادر مکرم آقائے سید محمد حسنین باقری کے اصرار پر میں نے آڑی ترچھی لکیریں تو سینۂ قرطاس پر حک کر دی ہیں لیکن اس بات کا بھرپور یقین ہے کہ انہوں نے علم وادب کے جن شمس وقمر سے اس سلسلہ میں مقالات حاصل کیے ہوں گے اس میں میری تحریر مخمل میں ٹاٹ کے پیوند کا مصداق قرار پائے گی۔ اگر میری تحریر کسی کے لیے گراں ہو تو مجھے معاف فرمائے۔ اور اگر کوئی قابل قدر نکتہ ہو تو برادر محترم حسنین باقری صاحب کو دعائیں دیں جن کے اصرار پر میں اس بڑھیا کی طرح یوسف فطرت کے خریداروں میں شمار ہو گیا جو ایک مختصری متاع لے کر بازار مصر میں یوسف کو خریدنے پہنچ گئی، اور جب لوگوں نے اس کی کوتاہ دامانی پر طنز کیا تو اس نے یہی جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ یوسف کو خریدنے کی سکت اور بضاعت مجھ میں نہیں پائی جاتی ہے لیکن کل یوسف کے خریداروں کی فہرست میں میرا بھی نام آجائے گا، میرے لیے یہی کافی ہے۔ فطرت کے یوسف کو اپنا اسیر بنانے والے علامہ فطرتؔ کے قدردانوں میں حقیر سراپا تقصیر کا بھی نام آگیا یہی کافی ہے ورنہ "من آنم کہ من دانم"

خداوند عالم سے دعا ہے کہ ہمیں فطرت کی آواز سننے کی توفیق مرحمت فرمائے اور جو حاصل کیا ہے اسے زکات علم کے طور پر نشرواشاعت اور دوسروں تک پہنچانے کا موقع عطا کرے۔ علامہ حسن عباس فطرتؔ کی طرح ہمیشہ طالب علم کے درجہ پر فائز رہنے کی توفیق نصیب ہو۔

آمین یارب العالمین بحق آل طہ ویس ✿✿✿

صفحہ 36 کا بقیہ

حجۃ الاسلام الحاج مولانا سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ کو میں زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں پڑوس کے کمرہ میں ان کا قیام تھا وہ ہمارے بیچ کئی سال رہے ان کی طبیعت میں قلندری، خوش خلقی، دردمندی، دوستی واخلاص طالب علمی کے زمانے سے تھا جو آخری عمر تک رہا۔

حقیر نے ۱۹۶۲ء میں ممتاز الافاضل کا امتحان دیا اور امتیازی نمبروں سے فارغ التحصیل ہو کر جب مدرسہ چھوڑا اس کے بعد سے پھر مرحوم سے صرف ایک بار ۱۹۶۷ء میں جب میں افریقہ اپنی اہلیہ کے ساتھ عازم سفر تھا بمبئی چند روز قیام تھا مرحوم کے گھر پر قیام رہا کس قدر محبت سے پیش آئے اس کو قلمبند کرنے سے قاصر ہوں لیکن جامعہ ناظمیہ چھوڑنے کے بعد جہاں بھی میں رہا اور جہاں بھی وہ رہے خط وکتابت اور فون پر ہمیشہ رابطہ برقرار رہا اور تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ مرحوم ایک اچھے مصنف، مولف، مورخ، مفکر اور مبصر تھے چنانچہ میری بھی ایک کتاب اسلام کی غلام نوازی پر انھوں نے تبصرہ اور دو کتابوں اوراق خونچکاں اور فخر مریم فاطمہ بنت اسد پر تقریظ لکھی ان کی تحریر میرے لئے باعث فخر وشرف اور ایک سند ہے۔ مرحوم کی موت سے علمی دنیا میں ایک ایسا خلاء پیدا ہوا ہے جس کا پر ہونا بہت مشکل ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خداوند عالم ان کی خدمات کے عوض انھیں جنت میں جوار معصومینؑ میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں ✿✿✿

مولانا حسن عباس فطرت

بانی و مدیر صداقت بھی نہ رہے

حجۃ الاسلام مولانا سید مشاہد عالم رضوی
ابن حکیم سید شاہد حسین بلوری مرحوم 9451017813

مادر وطن: فطرت صاحب کا مادر وطن قصبہ بلور ضلع سدھارتھ نگر یو پی ہے جو رضوی سادات کی ایک مردم خیز بستی شمار ہوتی ہے جہاں ہر شعبہ میں سرکاری ملازمین، آئی ایس آفیسرس، سائنس و ٹیکنالوجی کے ماہرین، ادب نواز ادباء، شعراء، حکماء، خطباء، مقررین و مرثیہ خوان اور علمائے باعمل کا ہمیشہ سے ایک سلسلہ رہا ہے اور ملک و بیرون ملک علمی و دینی خدمات میں اس قصبہ کی اپنی ایک روایت ہے۔

ایک چراغ اور بجھا: حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا حسن عباس فطرت مرحوم اسی مردم خیز سرزمین کے ایک مذہبی و دیندار گھرانہ کے چشم و چراغ تھے جنہوں نے وثیقہ عربی کالج فیض آباد و جامعہ ناظمیہ اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے قلم و بیان سے ملک و بیرون ملک کے مومنین کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مستفید کیا ہے۔

بحیثیت قلم کار: آپ ایک صاحب طرز انشاء پرداز ادیب و شاعر اور کہنہ مشق صحافی تھے اخبارات و رسائل اور مختلف مذہبی و ادبی شماروں میں مسلسل لکھتے رہے اور انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد جہاں آپ نے انقلاب اسلامی کی حمایت اور تفسیر و تشریح میں بہت سے مضامین لکھے وہیں آپ نے بڑی جد و جہد کے ساتھ پونہ سے مستقل طور پر مجموعہ صداقت پرچہ بھی شایع کیا جو ایک معیاری ہفت نامہ کی حیثیت سے کافی مقبول ہوا اور متنوع ادبی و ثقافتی مذہبی و سیاسی اور اجتماعی مشمولات کا مجموعہ تھا جس کے قارئین مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی تھے۔

آپ اردو فارسی عربی سے واقفیت رکھنے کے سبب زبان پر گرفت رکھتے تھے اور طبع بلند کے مالک تھے آپکی تحریر اور افتاد طبع کو دیکھ کر شاید کہا جاسکے کہ آپ خطیب و مبلغ سے زیادہ ایک اچھے قلمکار ادیب و صحافی تھے چنانچہ آپ نے ملک کے مختلف رسایل و جرائد میں نہایت وقیع و گرانقدر مضامین لکھے ہیں اور کتابیں نگارش کیں ہیں جو زبان و بیان کی چاشنی رکھنے کے سبب مقبول عام ہوئیں۔

بحیثیت مبلغ نصاب تبلیغ پورا کردیا: جہاں مرحوم ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے تشریف لے گئے وہیں آپ نے افریقہ و دیگر ممالک میں بھی تبلیغ دین کے لیے سفر کیا ہے اور آخر میں شہر پونہ کو اپنا مستقر بنالیا اور جبتک صحت نے یاری کی یہیں خدمت دین میں مشغول رہے اور اپنی تمام تر صحافتی مصروفیات کے باوجود پونہ میں مدرسہ جامعۃ الرضا بھی چلایا۔

اس طرح گویا آپ نے نصاب تبلیغ مکمل کر دیا

انقلاب اسلامی ایران کی ترجمانی وحمایت: آپ رہبر کبیر انقلاب اسلامی ایران حضرت امام خمینیؒ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے اور انقلاب اسلامی کے وفادار تھے اور قائد انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ العظمی خامنہ ای حفظہ اللہ یا ایران کے خلاف کسی سے کچھ سننا پسند نہیں تھا فارسی ادب پر بھی دسترس حاصل تھی اور صداقت پونہ میں بطور مستمر انقلاب اسلامی ایران کے بارے میں لکھتے رہے۔

یہ بات اس وقت کی ہے جب لوگ اسلامی انقلاب کی ماہیت و حقیقت سے ناواقف تھے یا اگر واقف بھی تھے تو ذہن شکوک و شبہات سے مملوء تھا اور خبریں حاصل کرنے کے ذرائع بھی محدود تھے میڈیا پر سامراجی طاقتوں کے تسلط اور دباؤ کے سبب لوگوں پر حقائق واضح و روشن نہیں

ISSN No.2455-636X

ہو پاتے تھے ایسے دور میں نہایت قلیل وسائل و امکانات کے باوجود مولانا حسن عباس فطرت صاحب کی بلند ہمتی تھی جو آپ صداقت پونہ کی فوٹو کاپیاں نکال کر ہندوستان بھر میں انقلاب اسلامی ایران کی ترجمانی کرتے رہے اور مسلمانان ہند و اہل وطن کو صحیح اور جدید خبروں سے آگاہی دیتے رہے۔

اخلاقی صفات و کمالات: نہایت صاف گو، دل کی بات زبان سے کہہ دینے والے، حق کے معاملہ میں رورعایت سے دور، علم دوس، نقاد، ہمتی اور شوخ طبیعت واقع ہوئے تھے جب آپ کی کوئی تعریف کرتا تو ہنس کے فرماتے

ع عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

ایسے زندہ دل وقلندر مزاج کہ آپ سے ایک بار ملاقات کے بعد بار بار ملنے کو جی چاہتا جملے میں شوخی و مزاح؛ جیسے مزاج میں شوخی رچی بسی ہو گویا آپ ایک انسان ظریف تھے۔

لطیفے اور معاصرین: مولانا تقریب مذاہب اسلامی کانفرنس میں ایران کے مہمان تھے طبیعت بھی اب پہلی جیسی نہیں تھی چلنے پھرنے میں دشواری اور بیٹھ جاتے تو اٹھنے میں زحمت ہوتی بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ بقول شاعر

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

مگر اس کے باوجود وہ ہمت نہیں ہارے دیگر معاصرین کے شانہ بشانہ ہر جگہ موجود اور ساتھ ہے شکن تک نہیں۔ اسی سفر کا لطیفہ سن لیجئے مرحوم تہران استقلال ہوٹل سے بذریعہ بس کانفرنس حال جارہے تھے اور آہستہ چلنے کے باعث دیگر مندوبین سے پیچھے رہ گئے سب بس میں اور آپ نیچے؛ سوار ہوں تو بس چلے؛ مرحوم نے پائے دان پر قدم رکھا اور سیٹ پر بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ گاڑی چل دی گرتے گرتے بچے لوگوں نے تھام لیا مگر خود ہنسے اور عینک کے اوپر سے جھانک کر بے ساختہ بولے: گروں تو آئے مزہ؛ سننے والے ہنس پڑے اور جو ان سے ناواقف تھے انہیں بڑی حیرت یہ کون صاحب ہیں؟

علامہ جوادی سے شوخی: ظاہراً علامہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم سے جونیئر تھے اس لئے شوخی میں نہیں چوکتے ایک دن مرحوم نے کہا آپ ایک کتاب لکھتے ہیں میں ایک مضمون جو آپکی کتاب پر بھاری ہوتا ہے علامہ نے کیا جواب دیا مرحوم نے نہیں بتایا۔ اور بعض معاصرین کے انتقال کے بعد طلبہ میں کسی نے آپ کو بزرگ عالم دین کا خطاب دیا تو یہ شعر سنایا

ہے بات یہ خوشی کی پر خوش نہیں ہوں میں ہونے لگا بزرگوں میں میرا شمار بھی

حریت پسندی اور حلقہ احباب: حلقہ احباب بھی آپ کا بہت وسیع تھا جہاں علماء و طلبہ سے آپ کی راہ و رسم تھی وہیں ترقی پسند شعراء و ادباء سے بھی آپ کی ملاقات اور دوستی تھی اور ان کے ساتھ نشست و برخواست رکھتے تھے۔

ازالہ غلط فہمی: معاصر عالم دین حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید شمشاد حسین صاحب اترولوی مقیم ناروے کے بقول:

حسد اور بغض رکھنے والوں نے آپ کی ہر دل عزیزی و مقبولیت کی وجہ سے آپ پر آزاد خیالی کی تہمت لگائی جبکہ آپ نے دین کے خلاف نہ کبھی کچھ لکھا نہ ہی خود خلاف دین کوئی عمل کیا؛ اس بناء پر مرحوم آزاد خیال نہیں بلکہ حریت پسند و آزاد منش ایک ایسے عالم و فاضل تھے جنکی دوڑ گھر اور مسجد تک محدود نہیں تھی بلکہ سماج کے ہر اس اہل علم و فنکار سے تھی جو علم و ادب کا متلاشی تھا اور یہ سعادت ہر ایک کو نصیب کہاں؟ لہذا یہ ان کا کارنامہ بھی ہے اور انکی شخصیت کی ہمہ جہتی کی دلیل بھی ہے

این سعادت بزور بازو نیست تا نبخشد خدائے بخشندہ

ظ. انصاری اور فطرت مرحوم: ایک دن فرمایا کہ ظ انصاری صاحب؛ مشہور ترقی پسند ادیب کے گھر میں شادی تھی میں بھی مدعو تھا اور وہاں دیگر ترقی پسند وکمیونسٹ نواز شعراء وادباء کے علاوہ مختلف شخصیات بھی مدعو تھیں اور میں ایک عدد عمامہ تو لوگ بھی مجھے دیکھتے کبھی ظ انصاری صاحب کو کہ یہ صاحب یہاں کیسے؟

مرحوم کو اور قریب سے دیکھا: سنہ دو ہزار پانچ کے اوائل کی یہ بات ہے جب مولانا ایران میں حقیر کے گھر مہمان ہوئے تو مجھے قریب سے نہ فقط آپ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا بلکہ سفر وحضر میں معیت کا بھی موقع ملا حالانکہ اس سے قبل والد ماجد حکیم سید شاہد حسین کربلائی کے ساتھ بارہا وطن جلالپور میں آپ سے شرف ملاقات حاصل ہو چکا تھا والد ماجد مولانا کے مداحوں میں سے تھے اور بذات خود شاعر وادیب ہونے کے علاوہ پیشے سے حکیم ونباض تھے اور مولانا کے معالج بھی رہ چکے تھے۔

مطب پر اکثر وبیشتر مولانا کے والد جناب اطہر باباؒ آکے بیٹھتے تھے جو تقوا وطہارت میں مشہور ہونے کے علاوہ ذاکر اہلبیتؑ بھی تھے میں نے بھی انھیں دیکھا ہے اور انکی مرثیہ کی مجلس سنی ہے مرحوم مصائب میں اس قدر گریہ کرتے کہ الفاظ صدائے گریہ میں محو ہو جائیں وہ ایک محتاط نہایت شفیق ومہربان بزرگ تھے مسجد جامع جلالپور میں آذان سے قبل ہی آجاتے تھے اور نوافل پڑھنے میں مصروف رہتے اور بچوں سے مذہبی سوال کے جواب پر خوش ہو کر انعام دیتے انھیں عموماً بچے سلام میں سبقت حاصل کرنے کے لئے ڈھونڈتے مگر وہی کامیاب ہوتے تو فطرت صاحب ایسے دیندار وباوقار باپ کے بیٹے تھے

چنانچہ جلالپور سے نکلنے کے بعد جب میں تعلیمی سلسلہ سے لکھنؤ آیا تو مولانا سے غفران مآبؒ کی مجالس عظیم میں پہلی ملاقات ہوئی اور یہیں پہلی بار آپکی مجلس بھی سننے کا اتفاق ہوا یہ ملاقات بہت مختصر تھی مگر کچھ مدت کے بعد قم مقدسہ میں آپ سے ملاقات ہوئی تو پھر یہ سلسلہ جاری رہا اور بہت قریب سے آپ کو دیکھنے کا موقع ملا۔

آپ زندہ دل منکسر مزاج اشاروں اشاروں میں اصلاح کرنے والے کشادہ قلب وفراخ طبیعت کے مالک تھے تنگ خیالی اور تنگ نظری سے دور وقت کی قدر شناسی اور پابندی بھی دیکھی ایران کے قدیمی رفقاء اثر ورسوخ رکھنے والوں سے یاد اللہ بھی تھی مگر آپنے اپنے رکھ رکھاؤ اور عزت نفس پر کبھی حرف نہیں آنے دیا علم دوستی میں پیش پیش تھے اردو وعربی فارسی اور انگریزی زبانوں کے واقف کار تھے۔

طلاب کو نصیحت: دینی مدارس کے طلبہ کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی زبان کی جانکاری کو لازم سمجھتے تھے اور کہتے تھے میں نے ناظمیہ میں رہکر انگریزی سیکھا تھا جب اساتذہ اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اسی طرح وقت کی پابندی کو طلبہ کے لیے اہم جانتے تھے اور خود بھی سرہانے اپنا ٹایم ٹیبل بنا کر رکھتے اور بیکار گھومنے پھرنے والوں سے برہم ہوتے عالموں کے درمیان نہایت عاجزی وانکساری سے بیٹھتے۔ بتاتے تھے اسی ممبئی میں ایک وقت میں نے ایسا بھی گزارا ہے جب رات کو فٹ پاتھ پر لیٹنے پر مجبور تھا۔ اور آپ نے اپنی صنف کے برخلاف اپنے کو کبھی محدود نہیں رکھا چنانچہ زبان وبیان اور قلم جس طرح سے بھی ممکن ہوا خدمت دین ومذہب میں مشغول رہے اور قوم وملت کو فائدہ پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

مسجد امام خمینی میں: دلچسپ ہے پہلی بار مدرسہ امام خمینیؒ قم تشریف لائے اور مدرسہ کی خوبصورت عمارت دیکھتے ہوئے جیسے ہی داخل مسجد ہوئے مسکرا کر بولے اب تو نماز بھی پڑھنا پڑے گی پھر ایک گوشہ میں تحیت مسجد پڑھی اور نماز کے بعد پھر مسجد کا نظارہ کیا۔

خواجہ پیری صاحب کا اظہار خیال: آیت اللہ مرعشی نجفی لائبریری کی جانب سے قم مقدسہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں فطرت صاحب کو مقالہ پڑھنا تھا اور آپ کے ہمراہ آقائے خواجہ پیری بھی موجود تھے۔ چنانچہ ایک دن درمیان گفتگو جناب خواجہ پیری

ISSN No.2455-636X

نے فطرت صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: حاج آقا از ان سابقہ دار حالاست۔۔۔ وایشان در حند به انقلاب خیلی کمک کردہ۔۔۔

تقریباً اس قسم کی تعبیر یعنی آقای حسن عباس فطرت انقلاب اسلامی ایران کے پرانے وفاداروں میں سے ہیں جنہوں نے ہندوستان میں انقلاب اسلامی کو متعارف کرانے میں بڑی عرق ریزی کی ہے۔

ع حق مغفرت کرے بڑا آزاد مرد تھا

یاد رہے خود خواجہ پیری صاحب مدت مدیدہ سے ایرانی کلچر ہاؤس دہلی میں احیاء کتب تشیع کے حوالہ سے کام کرتے رہے ہیں چنانچہ وہ اب ایرانی کم ہندوستانی زیادہ ہیں اور دلچسپ بات یہ کہ مذکورہ بالا کانفرنس میں مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی تھی کہ مولانا مرحوم کی فرمائش پر آپ کے اردو مقالہ کو میں نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا جو کانفرنس میں پڑھا گیا وللہ الحمد

سفر ایران اسلامی: اکثر کسی نہ کسی مناسبت سے آپ ایران آتے رہتے تھے اور انقلاب اسلامی ایران کے حامی و وفادار ہونے کے باوجود ہر ایک سے ملتے جلتے اور ہر عالم و واعظ سے بے تکلف تھے البتہ کسی سے وابستگی اختیار کی نہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کی اپنے کام سے کام رکھا اور حمایت حق میں سرگرم عمل رہے چنانچہ آپ اپنی انھیں صفتوں کے سبب ہر دل عزیز تھے۔

روشن خیال کشادہ نظر تعمیری فکر کے حامل ایک ایسے عالم و دانشور جو اپنے زمانے کے حالات و مسائل سے خبردار تھے اور اتحاد بین المسلمین کے طرفدار و حامی تھے لہذا ہر مسلک و مذہب کے علماء کا احترام کرنے کے ساتھ اپنے چھوٹوں کی ہمت افزائی میں کوئی کسر نہیں رکھتے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نمبر: مولانا قم آ ہوئے تھے اس لئے میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مجلۂ میزان؛ ماہ رمضان کی خصوصی اشاعت، جو امام حسن علیہ السلام کی ذات گرامی سے مخصوص تھا، کے لئے مولانا سے مضمون لکھنے کی درخواست کی تو آپ نے خندہ پیشانی سے اسے قبول فرمایا اور پھر گھنٹہ بھر میں ؛شجاعت حسنی؛ کے عنوان سے مضمون رقم کر کے حقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی جو مجلۂ میزان ؛خصوصی اشاعت قم کی زینت بنا۔ ✿✿✿

صفحہ 7 کا بقیہ

روز قیامت کا اعتقاد انسان کو ناشائستہ اور بے ہودہ اعمال بجالانے میں کنٹرول کرنے کے لئے زبردست اثرات کا حامل ہے اور نہایت تاثیر رکھتا ہے نماز فحشا و منکرات کو منع کرتی ہے اسی کا ایک سبب اور ایک وجہ یہی ہے کہ نماز پڑھنے سے انسان کو مبدا کی یاد رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے واقف ہے جو وہ بجالاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے واقف ہے جو وہ بجالاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انصاف کی عظیم عدالت (روز جزا) کی بھی یاد دہانی کرتی ہے۔

ایک حدیث میں تحریر ہے کہ جس وقت امام سجاد علیہ السلام آیت: مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ تک پہنچتے تھے تو اس کو اس قدر تکرار کرتے تھے کہ ایسا لگتا تھا کہ روح بدن سے پرواز کر جائے گی۔

کلمہ يَوْمِ الدِّينِ قرآن مجید میں ہر جگہ قیامت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہ کہ کیوں اس روز کو یوم الدین روز جزا کہتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ روز روز جزا ہے اور دین لغت میں جزا کے معنی میں ہے اور قیامت کے دن سب سے نمایاں جو کارروائی عمل میں آئے گی وہ جزا و سزا کی کارروائی ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے: اس جگہ گویا بندہ اپنے پروردگار کو مخاطب کرتا ہے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ اپنی عبودیت کا اظہار کرتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے بندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ✿✿✿

ISSN No. 2455-9083

ادیبانہ مزاج کے حامل
ایک متواضع و ملنسار انسان اور صاحب طرز قلمکار

حجۃ الاسلام مولانا سید نجیب الحسن زیدی
حوزہ علمیہ قم، موبائل نمبر: +989359536221

جب ہم کسی باغ میں داخل ہوتے ہیں تو دو طرح کے درختوں کا سامنا ہوتا ہے کچھ ایسے درخت ہوتے ہیں جو تنے ہوئے سیدھے کھڑے ہوتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں بسا اوقات انکی ٹہنیاں اور شاخیں زمین کو چومتی نظر آتی ہیں، ہم اگر غور کریں تو پائیں گے وہی درخت سیدھے اور تنے کھڑے ہوئے ہیں جن پر پھل نہیں ہیں اور وہی درخت ہمیں جھکے نظر آئیں گے جو پھلوں سے لدے ہوئے ہوں ،انسان کی شخصیت بھی درختوں کی طرح ہے یا اس میں پھل ہیں یا پھلوں سے دامن خالی ہے اگر کسی انسان کے پاس علم وعمل کے پھل ہیں تو اسکی شخصیت متواضع ہوگی اور اگر کسی کا دامن علم وعمل سے خالی ہے تو وہ اسکے اندر اکڑ پائی جائے گی مولانا مرحوم حسن عباس صاحب کی شخصیت میں جو چیز زبان زد خاص وعام ہے وہ انکی انکساری ہے اور یہ انکساری انکے وجود کے باثمر ہونے کی دلیل ہے یوں تو انکی شخصیت سے براہ راست استفادہ کرنے کا کوئی خاص موقع نہ مل سکا سوائے دو چار مختصر ملاقاتوں کے لیکن ایسے افراد کے ساتھ ضرور حشر ونشر رہا جنہوں نے مرحوم کے ساتھ شب وروز گزارے یا ان سے استفادہ کیا چنانچہ جو لوگ ان سے قریب رہے ہیں ان میں سے جس سے بھی مرحوم کی کچھ خصوصیات کو بیان کرنے کی گزارش کی تو ہر ایک نے یہی کہا مرحوم نہایت منکسر المزاج و متواضع انسان تھے ۔اور جو کچھ دیگر بزرگوں اور احباب نے انکی شخصیت کے بارے میں بیان کیا چند ایک ملاقاتوں میں ہم نے مرحوم کو ویسا ہی پایا۔

مرحوم سے پہلی ملاقات:

یہ ۱۹۹۴ء کی بات ہوگی جب لکھنؤ میں جامعہ امامیہ میں تعلیم کے دوران پہلی بار مرحوم سے ملاقات کا شرف سرکار آقائے شریعت مرحوم کلب عابد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی سالانہ یاد کی مناسبت سے ہونے والی مجالس میں لگے ایک بک اسٹال کے پاس ہوا،اس سے پہلے صرف انکا نام والد گرامی مولانا سید انیس الحسن زیدی صاحب دام ظلہ کی زبانی سنا تھا لیکن اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ تھا،چونکہ ایک دور میں والد گرامی دام ظلہ بھی پونہ میں رہے تھے اور بچپن کا ایک دور ہمارا بھی پونہ میں گزرا تھا مرحوم کے ساتھ جو صاحب پونہ سے لکھنؤ آئے تھے ان سے کچھ مراسم تھے جس کے چلتے بس اتنا پتہ تھا کہ یہ مولانا پونہ کے ہیں اور اب اسی گھر میں قیام پذیر ہیں جہاں ہم کبھی رہتے تھے اسی بنیاد پر دل میں ملاقات کی خواہش جاگی لہذا ہم ان کے پاس پہنچ گئے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کرایا،مرحوم بڑی خندہ پیشانی سے ملے والد صاحب کی خیر خیریت لی بعد ہ مرحوم کو مجلس خطاب کرنا تھی ۔۔۔

مرحوم کی انکساری و تواضع کے چند نمونے : مرحوم سے دوسری ملاقات ۲۰۰۰ء کے نزدیک ایران میں اس وقت ہوئی جب مولانا نامدار صاحب قبلہ نے انہیں کھانے پر مدعو کیا،ہم لوگ کھانا ساتھ ہی پکاتے تھے نامدار صاحب قبلہ خطابت تو اچھی کر ہی لیتے ہیں کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ کھانا بھی بڑا عمدہ پکاتے ہیں،کھانے کے بعد ہم نے انہیں مدرسہ دکھایا ہمارے بزرگ ومحسن استاد و بڑے بھائی کی حیثیت رکھنے والے جناب مولانا مشاہد عالم رضوی صاحب بھی ساتھ تھے ابھی تک مجھے یاد ہے کہ اس وقت ایک مجلہ دیواری نکلا کرتا تھا،جب ہم انہیں وہاں لیکر گئے تو ٹھہر گئے لکھے گئے مضامین کو پڑھا،اس وقت ہماری بھی ایک تحریر دیواری مجلہ پر لگی تھی اسے بغور کھڑے کھڑے پڑھا اور بہت

ISSN No.2455-636X

سراپا انکے یہ جملے ابھی تک یاد ہیں" یہی ادب ہے، اسی کو کہتے ہیں بات میں بات نکالنا سبحان اللہ......"۔

انکی تواضع و انکساری کے سلسلہ سے حجۃ الاسلام والمسلمین جناب استاد حسین مہدی الحسینی صاحب قبلہ دام ظلہ مبلغ نے بیان کیا کہ ایک بار انہوں نے امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے سلسلہ سے مرحوم سے مشہد مقدس چلنے کو کہا تو فوراً تیار ہو گئے، جب مشہد پہنچے تو حسین مہدی صاحب قبلہ نے اپنی عادت کے اعتبار سے جو کہ اذکار و اوراد میں مشغول رہتے ہیں) اس کا میں بارہا شاہد رہا ہوں کہ استاد محترم کے جوار میں سالہا سال رہنے کا شرف حاصل ہوا ممبئی میں ہمارے گھر کے بالکل اوپر ہی استاد کا گھر تھا اکثر و بیشتر انکے یہاں جانا ہوتا جب بھی جانا ہوتا یا انہیں محو مطالعہ پاتا یا مصلے پر (چنانچہ عادت کے مطابق انہوں نے ایک دن میں کئی مرتبہ زیارت کا پروگرام بنایا، صبح کی نماز حرم میں پڑھی، پھر کچھ دیر کے بعد چاشت کے وقت دوبارہ آگئے پھر دوپہر کے کھانے کے بعد پھر سے نکل پڑے عصر کے وقت پھر ایک زیارت کر لی مغربین کے بعد قیام گاہ پر واپسی ہوئی اور کچھ آرام کر کے پھر زیارت کے لئے نکل پڑے استاد حسین مہدی صاحب دام ظلہ کہتے ہیں جتنی بار پھر حرم جانا ہوا انہوں نے جیسے ہی مرحوم سے کہا فوراً تیار ہو گئے لیکن چونکہ طبیعت میں بلا کی ظرافت تھی اس لئے جب آخری زیارت کے بعد واپس آئے تو استاد محترم سے کہا:" اب میرا پورے پانچ سال کا کوٹہ پورا ہو گیا ہے اتنی زیارت کر لی ہے کہ پانچ سال تک آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ طبیعت کی انکساری تھی کہ بزرگ ہونے کے بعد بھی استاد حسین مہدی الحسینی صاحب دام ظلہ سے نہیں کہا کہ ہم جو وقت طے کریں اس پر زیارت کو چلنا ہے بلکہ انہوں نے جب بھی کہا فوراً تیار ہو گئے اور یہ ظرافت طبع تھی کہ بار بار زیارت کے بعد یہ نہیں کہا کہ اب بہت تھک گیا ہوں بلکہ کہا کہ اتنی زیارت کر لی ہے کہ اب پانچ سال تک کے لئے کافی ہے۔

انکی انکساری کا ایک اور واقعہ ہمارے بزرگ دوست اور قم میں مجمع محققین ریسرچ سینٹر کے سکریٹری حجۃ الاسلام والمسلمین جناب محمد باقر رضا سعیدی صاحب نے یوں بیان کیا کہ ایک بار قم مقدسہ سے نکلنے والے مجلے فاران کو لیکر ان سے ملاقات کے لئے انکی قیام گاہ پر پہنچے اور مرحوم سے درخواست کی کہ آپ مجلہ کی مزید بہتری کے لئے کچھ نکات بیان کریں تو انہوں نے مجلہ کو بغور پڑھا اور اس کے سلسلہ سے اپنی رائے و نظر بھی دی اور خوب سراہا، ساتھ ہی ساتھ جب مولانا محمد باقر رضا صاحب نے ان سے کہا کہ یہ جو نئے لکھنے والے ہیں انکا کیا کریں انکا زور زیادہ رہتا ہے کہ ہماری تحریر چھپے اور نہیں چھپتی ہے تو ناراض ہوتے ہیں تو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا" کہنے دوسروں کو اگر مجلہ کا اعتبار قائم رکھنا ہے تو ان نئے لکھاریوں کی ناپختہ تحریر ہرگز نہ نکالنا ورنہ یہ ہوگا کہ یہ خود ہی اپنی تحریر کو بار بار پڑھیں گے اور مجلہ کو کوئی نہیں دیکھے گا، یہ انکی انکساری تھی کہ ایک نئے مجلہ کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے لئے پیغام بھی تحریر کیا اور یہ انکی صاف گوئی تھی کہ مجلہ کا اعتبار کم نہ ہو اس لئے کچی تحریروں کو شامل کرنے سے صاف طور پر منع کر دیا۔

انکی تواضع و انکساری کے سلسلہ سے ان سے بہت قریب رہے انکے دوست مرحوم وفا ملک پوری رحمہ اللہ کے بیٹے برادرم مولانا جناب نامدار صاحب کہتے ہیں کہ مرحوم کی سب سے بڑی خصوصیت انکی انکساری تھی بقول انکے اس وقت جب مجھے کوئی نہیں جانتا تھا میں تعلیم کے ابتدائی دور میں تھا اس وقت مرحوم جب ایران تشریف لائے تو خاص طور پر مجھ سے رابطہ کیا صرف اس لئے کہ وفا ملک پوری کا بیٹا ہوں، اور وفا ملک پوری انکے دوست ہوا کرتے تھے مولانا نامدار صاحب کے بقول مرحوم کی انکساری و تواضع کے ساتھ ساتھ یہ صفت تھی کہ وہ ادب دوست تھے، جاننے والے اور چاہنے والے کو بھولتے نہیں تھے، انسان دوستی محبت، خبر گیری رکھتے تھے۔

ادب سے تعلق :

یوں تو آپ نے مدارس سے دینی تعلیم حاصل کی وثیقہ میں پڑھا جامعہ ناظمیہ میں پڑھا لیکن ادب سے وابستگی کی بنیاد پر لکھنؤ یونیورسٹی میں پڑھا اور ممبئی یونیورسٹی میں بھی بقول شاہد عالم صاحب کچھ تعلیمی مراحل طے کئے، ادب سے اتنا شغف تھا کہ جو لوگ آپ سے واقف ہیں اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ آپ کے کتاب خانے میں مذہبی کتب کم اور ادب کا ذخیرہ زیادہ دیکھا جا سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپکا ہم عصر ادیبوں سے اچھا رابطہ تھا

آپ مولانا ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریابادی اور "نگار" کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری اور ظ انصاری سے بہت متاثر تھے، جہاں ادباء سے آپ متاثر تھے وہیں یہ بھی ملتا ہے کہ دینی شخصیتوں میں آپ سید العلماء علی نقی النقوی طاب ثراہ اور علامہ ذیشان حیدر جوادی صاحب رضوان اللہ تعالی علیہ سے بھی بہت متاثر تھے اور اپنی بزرگی کا فائدہ بھی خوب اٹھاتے تھے چنانچہ کسی نے نقل کیا کہ علامہ جوادی سے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ آپ کتابیں لکھتے ہیں میں مضمون لکھتا ہوں اور میرا مضمون آپکی کتاب پہ بھاری ہوتا ہے، آپکا تقابلی مطالعہ بھی اچھا تھا جیسے شیعہ مفکرین کو پڑھتے ویسے ہی دانشورانہ مزاج رکھنے والے اہلسنت علماء کو بھی پڑھتے تھے سید العلماء کے سلسلہ سے ظاہرا انکے بارے میں مولانا شمشاد صاحب دامت برکاتہ نے اپنے بھی مضمون میں لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ "نقن صاحب اچھا لکھتے ہیں لیکن ابوالاعلی مودودی والی بات نہیں ہے" البتہ مرحوم کی اس بات سے قطعا وہ اتفاق نہیں کرے گا جس نے دونوں کی کتب و مضامین کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہو، اگر تعداد کے اعتبار سے دیکھا جائے سید العلماء کے قلمی آثار کی تعداد چارسو سے زائد ہے جبکہ مودودی صاحب کی تقریبا ۱۴۰ کتابیں مختلف موضوعات پر موجود ہیں اب سید العلماء کی ان چارسو کتب میں اگر اسلامی کلچر کیا ہے؟ اسلام کی حکیمانہ زندگی، اور تاریخ اسلام ہی کو لے لیا جائے اور انکا موازنہ مودودی صاحب کی تحریروں سے کیا جائے تو قاری خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون کہاں کھڑا ہے، یہ سچ ہے کہ مرحوم مودودی صاحب کی کتاب تصریحات میں بعض خطبات و مضامین واقعا ایسے ہیں جن کے انداز بیان کو پڑھ کر انسان اپنی جگہ سے کھڑا ہو جائے لیکن مجموعی طور پر دونوں شخصیتوں کا کوئی تقابل ہی نہیں بنتا ہے، ممکن ہے مرحوم نے انہیں کچھ مضامین کو پڑھ لیا ہو اور سید العلماء کی سلیس و رواں تحریروں کو تقابل کے وقت تک نہ پڑھا ہو اگر دونوں کے درمیان دونوں کے کثرت آثار کی بنا پر تقابل کرنا کسی کی نظر میں سخت ہو تو ہماری نظر میں بہتر ہے کہ وجود خدا کے سلسلہ سے دونوں کی تحریروں کو سامنے رکھ لیا جائے سید العلماء کی خدا کی معرفت اور ابو الاعلی مودودی صاحب کی معرفت خدا کے سلسلہ سے مختلف تقاریر و مختلف تحریریں خود پڑھنے والا فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس کی جولانی فکر اسکے قلم کا ساتھ دے رہی ہے اور کس نے کتنا اچھا لکھا ہے ۔

قلم کے میدان میں صاحب طرز قلمکار:

مرحوم حسن عباس فطرت صاحب بچپن سے ہی مطالعہ کے شوقین و لکھنے لکھانے والے آدمی تھے ۷۰ کی دہائی میں انکے مضامین کافی مقبول تھے، بلٹز میں انکے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے مرحوم کے مضامین تاریخ، ادب، صحافت و سیاست، سماجیات، تنقید و تبصرہ جیسے موضوعات میں اس کثرت سے ہیں کہ ہر ایک صنف میں بطور خاص انکا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جو فی الحال ممکن نہیں البتہ ایک سرسری انداز میں ہم نے کوشش کی ہے کہ انکی قلمی خدمات کا انہیں کی کتاب "ارمغان مقالات" کے کچھ مضامین کے پیش نظر مختصر جائزہ پیش کیا جا سکے۔

میدان صحافت میں خدمات: یوں تو آج صحافت Journalism کو ایک مکمل پیشہ کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے، لیکن اگر صحافت کو اسکی مقصدیت کے ساتھ اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ ایک صحافی کا کام عوام کو حقائق سے باخبر کرنا معاشرہ کے کلچر کو اجاگر کرنا اسکی ثقافت کو بڑھاوا دینا ہوتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں ضروری نہیں جسے ہم صحافی کہہ رہے ہیں وہ واقعی صحافی بھی ہو چونکہ ممکن ہے کسی نے باقاعدہ صحافت کی تعلیم حاصل کی ہو اسکے پاس ڈگریاں ہوں اسے دنیا صحافی کے نام سے پہچانتی ہو لیکن وہ صحافت کے دامن پر ایک بدنما داغ ہو اس حیثیت سے کہ اسے اپنے کام کی مقصدیت کا پتہ نہ ہو جیسے آج کل کا گودی میڈیا اور اسکی آغوش میں پلنے والے نام نہاد صحافی۔ اور ممکن ہے ایک شخص ذاتی طور پر کسی اور پیشہ سے وابستہ ہو لیکن قوم کا درد رکھتا ہو قوم کو حقائق سے باخبر رکھنے کے لئے جو بن پڑے انجام دیتا ہو اپنے قلم کو خدا کی امانت سمجھتا ہو ایسا شخص اگر دیکھا جائے تو حقیقی معنی میں وہ کام کر رہا ہے جسے ہم صحافت کے نام سے جانتے ہیں، اگر صحافت کے اندر پائی جانے والی معنویت کو مد نظر رکھا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے وہی شخص ایک بہترین صحافی ہو سکتا ہے جو نہ صرف دیندار ہو بلکہ دین شناس بھی ہو، اس لئے کہ اگر کوئی دین

ISSN No.2455-636X

شناس ہوگا یا بالفاظ دیگر عالم ہوگا تو وہ مرتے مرجائے گا لیکن اپنے قلم کا سودا ہرگز نہیں کرے گا اور شاید یہی وجہ ہے کہ مولوی محمد باقر دہلوی رحمۃ اللہ کو تحریک آزادی کا پہلا صحافی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ تو گوارا کیا کہ انگریز انہیں توپ کے گولے سے اڑادیں لیکن اپنے اصولوں کا سودا برداشت نہ کیا۔ ہندوستان کی صحافت کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو ہمیں جابجا ایسے نام نظر آئیں گے جو یوں تو مولانا کے نام سے جانے جاتے تھے لیکن میدان صحافت میں انکی شناخت ایک صحافی کے طور پر آج بھی قائم ہے جنہوں نے نہ صرف صحافت کی ذمہ داریوں کو نبھایا بلکہ صحافت کو ایک لازوال اڑان بھی بخشی یہ معمولی بات نہیں جس دور میں ایک ایک پائی کا حساب رکھا جاتا تھا اس دور میں مولانا ظفر علی خان نے اپنے اخبار زمیندار کو اس اوج پر پہنچا دیا تھا کہ مشہور ہوگیا تھا کہ زمیندار اخبار وہ ہے جس کے لئے لوگ سرحد پر ایک آنہ دے کر خریدتے تھے اور ایک آنہ دیکر پڑھواتے تھے ،وہ مولوی سراج الدین احمد ہوں یا اردو صحافت کے امام جانے والے مولانا ظفر علی خان یا مولوی قدیر الدین احمد خان و مولانا محمد حسین آزاد ،، صادق الاخبار کے ایڈیٹر مولوی جمیل الدین ،سوسائٹی کے ادارتی بورڈ کے اہم رکن مولانا محمد اسماعیل علی گڑھ ،"خم خانہ ہند" کے مولوی احمد حسن شوکت "ترجمان صحت" کے مولانا امیر احمد امان ،اردوئے معلی کے مولانا حسرت موہانی مولانا امداد صابری ،مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد یہ سب وہ نام ہیں جو یوں تو پیشہ سے صحافی نہ تھے لیکن انہوں قوم وملت کی خدمت کے لئے میدان صحافت میں اترنا ضروری جانا اور اس وقت قوم کے شعور کو جگائے رکھا جب ہر طرف سے قوم کو سلانے کی کوشش ہو رہی تھی۔

مولانا حسن عباس فطرت صاحب چونکہ ایک عالم تھے اور قومی مسائل سے دلچسپی بھی رکھتے تھے مولانا ابوالکلام آزاد سے حد درجہ متاثر بھی تھے یہی سبب ہے مولانا نے بھی صحافت کو قوم کے شعور کو جگانے کا ذریعہ بنایا اور رائے عامہ کو بیدار کرنے سے لیکر عوام میں غور وفکر کی صلاحیت پیدا کرنے اور انکے سیاسی وسماجی شعور کو جگانے کا کام کیا مولانا حسن عباس فطرت نے جہاں صحافت کے میدان میں اپنی خدمات پیش کیں وہیں اس بات کا خیال رکھا کہ انکا عالمانہ تشخص نہ کھونے پائے چنانچہ یوں تو دینی مدارس سے ایسے بہت سے افراد فارغ ہوکر یا درمیان تعلیم دینی مدارس کو چھوڑ کر میدان ادب وصحافت میں آئے جنکی خدمات سے انکار ممکن نہیں لیکن ان میں بہت سی ایسی شخصیتیں ہیں جو یوں تو دینی پس منظر کی حامل تھیں لیکن جب انہوں نے میدان ادب وصحافت میں قدم رکھا تو نہ صرف اپنی پرانی شناخت کھو دی بلکہ اپنی مذہبی شناخت کا بھی سودا کر بیٹھے اور کمیونسٹی فکر کے ترجمان بن گئے۔ چنانچہ دینی مدارس سے نکلنے والے افراد میں امیر حسن عابدی، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی جیسی شخصیتوں کے نام دیکھنے کو ملتے ہیں جنکے سلسلہ سے ترقی پسند تحریک کے پس منظر کو سب جانتے ہیں لیکن انکے دینی پس منظر کو کوئی نہیں جانتا مولانا حسن عباس فطرت صاحب کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے نہ ہی مدارس کو فراموش کیا نہ ہی علیہ تبدیل کیا انہوں نے مجلاتی آزاد صحافت کے تحت مختلف جرائد ورسالوں میں کالم لکھے تو پورے سے ہفتہ وار "صداقت" بھی نکالا لیکن کہیں پر بھی اپنے تشخص کا سودا نہیں کیا، جس طرح انہوں نے اپنے ظاہری علیہ کا سودا نہیں کیا ویں انہوں نے جابجا اپنی مذہبی وابستگی کا اظہار بھی کیا ہے جو انکی تحریروں سے واضح ہے گرچہ بعض تحریریں ایسی بھی ہیں جنکو پڑھ کر لگتا ہے کہ کوئی ترقی پسند تحریک سے جڑا ادیب اپنی باتوں کو محض ادبی پیرایے میں بیان کر رہا ہے باقی چیزوں سے اسے سروکار نہیں ہے۔

واقعہ کربلا کی چھاپ: ہر ایک شیعہ دیندار گھرانے سے تعلق رکھنے والے بچے کی طرح واقعہ کربلا سے بچپن سے ہی آپ متاثر رہے چنانچہ کمسنی سے ہی بلوری کی انجمن غنچہ ماتم اور دستہ ماتم سے جڑ گئے اور اسکی خدمت کرتے رہے ،اور کیوں نہ ہو بقول حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولانا مشاہد عالم صاحب بلوری مرحوم کے والد صاحب کے سلسلہ سے بھی یہی ملتا ہے کہ بہت گریہ کرتے تھے خاص کر جب مرثیہ پڑھتے تو اتنا گریہ کرتے کہ مرثیہ کے بیت کے آخری الفاظ سنائی نہیں دیتے تھے اور یہی چیز مرحوم نے اپنے والد سے وراثت میں پائی تھی چنانچہ قلم کے میدان میں وہ مقام جہاں شدید طور پر مرحوم مولانا حسن عباس فطرت کی مذہبی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے وہ واقعہ کربلا ہے یہی سبب ہے کہ آپکی تحریروں کا کافی

حصہ واقعہ کربلا کے ارد گرد نہ صرف گھومتا نظر آتا ہے بلکہ آپ نے کوشش کی بڑے ہی جاذب و پرکشش انداز میں کربلا کے ان نفسیاتی پہلوؤں کو اجاگر کریں جن پر آج بھی توجہ ضروری ہے اور مظلومیت کے اعتبار سے آج بھی انکی انفرادیت اپنی جگہ قائم ہے نہ کوئی جنگ اسکی جگہ لے سکی ہے نہ کوئی دلخراش واقعہ، چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون" کربلا کی خونین کہکشاں کے ننھے منھے ستارو ں" میں لکھتے ہیں:

" جنگ کیسی بھی ہو، داخلی، خارجی، عمومی یا خصوصی اور وقتی یا طویل، تاریخ شاہد ہے کہ ہر موقع ومحاذ پر بچوں عورتوں، بوڑھوں کی حفاظت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ آج جبکہ تیر وتلوار کی لڑائی ختم ہوگئی اور گولہ بارود کی عملداری کا زمانہ آگیا ہے پھر بھی یہ اصول عملی یا قولی طور پر قائم ہے اگر کسی بھی لڑائی میں کسی بچہ، خاتون، بے گناہ شہریوں کی جان و مال پر آسیب آجاتے تو اسے براہ غلط مانتے ہوئے ناراضگی ظاہر کی جاتی ہے اور کبھی کبھی اس ناگوار عمل پر جارح کی طرف سے معافی، معذرت ندامت افسوس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ آج کل کی جنگ زرگری کی جنگ ہے۔ اس میں قوم وقبیلہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے جبکہ عہد قدیم میں مختلف اقوام ومذاہب کے درمیان پیکار وحرب وضرب جاری رہتی تھی۔ ماضی قریب میں سب سے طویل و خوفناک جنگ صلیبی تھی جو کئی دہائیوں تک بے دردی کے ساتھ چلتی رہی خوں ریزی وسفاکی میں وہ اپنی آپ مثال تھی جس کا بیان آج بھی اتنا ہی ہولناک ولرزہ خیز ہے۔ اس جنگ میں مسلم خواتین واطفال ومعمر افراد کے ساتھ زیادتیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر ان کو بے دریغ قتل کرنا، ان کو محصور کرکے آب ودانہ بند کردینا، مکانات کا اجاڑنا انہیں نذر آتش کردینا خواب وخیال سے بھی دور تھا البتہ بیسویں صدی میں بے درد وسفاک وہابیوں کے ہاتھوں عام مسلمانوں کے وحشیانہ قتل وغارت گری کا منظر سامنے آیا مگر دانہ وپانی سے محروم کرنا اس دور میں بھی نامعلوم وغیر مشہور ہے۔

جنگ ہو کہ دہشت گردی کی خونین بلا، دونوں کے لئے دو مذاہب، دو قوم، دو زبان والوں کا ہونا ضروری نہیں۔ ایک ہی دین والے ایک ہی زبان والے باہم دست وگریباں ہوتے رہے ہیں جس کی انوکھی مثال کربلا کا معرکہ ہے جہاں فریقین ایک ہی زبان عربی بولتے مسلم ہونے کے دعویدار اور تکبیر کی صدائیں بلند کرنے والے تھے ایک طرف ان کے پیغمبرؐ کی امت تھی تو سامنے پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ تھے لیکن اس کے باوجود ان میں ایسی شدید جنگ ہوئی جس کے کسی ایک پہلو کی مثال نہیں ملتی"۔

دیکھیں کتنے حسین وجاذب پیرائے میں مرحوم نے جہاں اس بات کو واضح کیا کہ جنگ کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں بچوں اور عورتوں کو جنگ میں نشانہ نہیں بنایا جاتا وہیں آپ نے بہترین انداز میں اس بات کو بھی واضح کردیا کہ کربلا میں ہر ایک اصول کو پس پشت ڈال کر جو لشکر امام حسین علیہ السلام کے سامنے آیا وہ کون تھا؟۔

کربلا کے حساس پہلوؤں کو اجاگر کرنا: مرحوم کی تحریروں میں نہ صرف واقعہ کربلا کی چھاپ نظر آتی ہے بلکہ مستقل طور پر کربلا سے متعلق انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے چاہے وہ نوحوں کے سلسلہ سے مضامین ہوں یا رثائی ادب کے بارے میں انکی تحقیقی کاوشیں ہوں، اسکے علاوہ انہوں نے کوشش کی کہ کربلا کے اس حساس پہلو کی طرف اشارہ ہوسکے جسکا تعلق انسانی احساس سے ہے تاکہ یہ بتایا جاسکے امام سید الشہداء علیہ السلام کے مقابل آنے والی فوج کس قدر پست تھی چنانچہ اپنے اسی مضمون" کربلا کی خونین کہکشاں کے ننھے منھے ستاروں" میں لکھتے ہیں:" اسلام جو کسی جاندار بلکہ نباتات کی پیاس بجھانے کو سب سے بڑی نیکی مانتا ہے اسی اسلام کے نام لیواؤں (یزیدی افواج) نے کربلا میں پہلے تو چاروں طرف کی ناکہ بندی کردی پھر نہر فرات پر بھاری فوج بٹھادی تاکہ حسینؑ اور ان کے اہل وعیال یا پیغمبر اسلام ﷺ کے اہل خانہ جس میں ننھے ننھے بچے وخواتین کی خاصی تعداد تھی پیاس وبھوک سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔ لشکریوں کی ہمت جواب دیدے مگر یہ بھی تاریخ کا نادر وانوکھا عجوبہ ہے کہ قافلہ حسینی میں چھوٹے بڑے، عورت مرد کسی پر بہتر گھنٹے کی بھوک وپیاس اضمحلال نہیں طاری کرسکی"۔

ایک اور مقام پر اپنے اسی مضمون میں کربلا میں بوڑھے بچوں اور جوانوں کی یکساں شمولیت کو بڑے خوبصورت پیرایے میں یوں بیان

ISSN NO.2455-636X

کرتے ہیں: "اسی طرح واقعہ کربلا سے پہلے حضرت مسلم بن عقیل کے دونوں فرزند محمد و ابراہیم کی دردناک شہادت اور ان کی جرأت و استقامت اور عزم محکم بھی ان کو اطفال حسینی کی سنہری زنجیر شہادت میں سمیٹ لیتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ کربلا کے معرکۂ حق و باطل میں پہلی بار بوڑھے، بچے، جوان اور خواتین عالی مرتبت نے برابر کا حصہ لیا اور ایک نئی تاریخ رقم کر دی"۔

حسن عباس فطرت صاحب نے اپنے اس مضمون میں کربلا کے کمسن شہیدوں کا جس خوبصورتی سے ذکر کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ نے محض کربلا کے کمسن شہیدوں کا تذکرہ اپنے اس مضمون میں نہیں کیا بلکہ ان بچوں کی شہادت کو حسینی عزم عمل کے درخشاں پہلو سے جوڑتے ہوئے سید الشہداءؑ کی جنگی حکمت عملی کو بھی بہت ہی مختصر انداز میں یوں بیان کیا ہے:

"جس طرح ہم سرکار سید الشہداءؑ کی مظلومیت پہ ماتم کرتے ہیں سر و سینہ پیٹتے ہیں اجر و ثواب کا ذخیرہ کرتے ہیں خدا و رسولؐ و سیدہ زہراؑ ائمہ اطہارؑ کو خوش کرنے کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں وہیں پر ہم امامؑ کی بے مثال جنگی حکمت عملی، دلاوری، صبر و شجاعت کا قصیدہ پڑھتے ہیں۔ لاکھوں کے لشکر سے تین دن کی بھوکی پیاسی فوج نے کس طرح عصر تک مقاومت کی اور بارہا مقابل کو زیر و زبر کیا۔ یہ حسینی عزم و عمل کا دوسرا روشن پہلو ہے اس پر غور و فکر نسبتاً کم ہوا ہے ورنہ یہ بہت اہم موضوع ہے بہر حال کہنا یہ ہے کہ بعینہٖ یہی شان کربلا کے اطفال بے مثال کی ہے ان میں سے ہر ایک نے اپنے سن و سال سے آگے بڑھ کر جوانمردی دکھائی اور مقابل کو خاک چٹائی بقول شاعر اہلبیت حضرت علامہ نجم آفندی مرحوم و مغفور:

چھوٹے چھوٹے بچوں نے جنگ کی اجازت لی — بڑھ گئے جواں بن کر کمسنی سے رخصت لی

کیا وفا پہ جائیں وہ، تم نے اے وفا والو — ہائے کربلا والو ہائے کربلا والو"

یقیناً "کربلا کی خونین کہکشاں کے ننھے منھے ستارو" کا یہ مضمون مرحوم کے نگارشات کی کہکشاں میں ستارہ درخشاں کی طرح ہر صاحب احساس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر کے پیغام کربلا سے روشناس کراتا رہے گا۔

خاک کربلا کے خاک شفا ہونے کی دلنواز تشریح:

جہاں آپ نے کربلا سے متعلق مختلف پہلوؤں پر قلم فرسائی کی وہیں اپنے ایک مضمون میں خاک شفا کی اہمیت کو روایات کی روشنی میں ثابت کرتے ہوئے بہترین انداز میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ انسان جو دوا استعمال کرتا ہے اس میں صحت کی ضمانت نہیں ہوتی لیکن خاک شفا میں یہ ضمانت موجود ہے چنانچہ اپنے مضمون" ملت خوابیدہ را بیدار کرد" میں لکھتے ہیں"

بہت سی معتبر حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ امام حسینؑ کی قبر مبارک کی خاک پاک ہر بیماری کیلئے شفاء ہے یاد رکھئے دوا اور شفاء میں فرق ہے مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں: یا من اسمه دواء و ذکره شفاء اے وہ ذات جس کا نام دوا اور ذکر شفاء ہے جب تک نام زبان پر رہے گا بیماری باقی رہے گی لیکن یاد کا تعلق دل سے ہے جب اس کی یاد دل میں بیٹھ جائے گی تو بیماری ختم ہو جائے گی اس لئے کہ بیماری دل میں ہے اور لفظیں دہرائی جارہی ہیں زبان پر۔ یہی فرق ہے ایمان اور نفاق میں۔ اسی لئے خاک کربلا کے استعمال میں بھی ایمان کی شرط ہے اگر مومن ہے تو مکمل شفاء ہے ہر بیماری کا مکمل علاج ہے ورنہ فائدہ نہ ہوگا۔ دوا کے استعمال میں صحت کی ضمانت نہیں ہوتی بیماری باقی رہ جاتی ہے مگر خاک کربلا میں یہ ضمانت موجود ہے ہر دوا کے لئے مرض معین ہوتا ہے مریض معین نہیں ہوا کرتا مگر خاک کربلا کے لئے مریض کا تعین ضروری ہے اگر مریض مومن ہے تو خاک درِ حسینؑ ہر بیماری میں فائدہ مند ثابت ہوگی اور اگر مریض منافق ہے تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا"

قومی اور معاشرتی مسائل پر توجہ:

مرحوم حسن عباس فطرت صاحب نے جہاں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھایا، ادب پر لکھا، سیاست پر لکھا، تاریخ و فرہنگ پر لکھا وہیں آپ نے معاشرتی اور قومی مسائل پر بھی توجہ دی چنانچہ ہندوستان میں شیعوں کے مسائل اور انکے حل کے سلسلہ سے ایک وقیع مضمون آپ کے

نگارشات میں ہر ایک کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتا نظر آتا ہے جس میں آپ نے ہندوستانی شیعوں کے مسائل کی مثال اردو زبان کی غربت سے دیتے ہوئے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بسنے والے شیعوں کے سلسلہ سے ایک بہترین تجزیہ پیش کیا ہے۔

شیعہ اور غریب اردو زبان : "شیعیان ہند کے مسائل اور ان کے حل" کے تحت لکھے جانے والے مضمون میں آپ بیان کرتے ہیں" ناچیز کے خیال سے ہندوستانی شیعوں کا سب سے بڑا مسئلہ وہی ہے جو غریب اردو زبان کا ہے۔ یعنی اس کا کوئی مخصوص علاقہ نہیں، نہ شمال میں نہ جنوب میں نہ مشرق و مغرب میں۔ شیعوں کی آبادی یوں تو یوپی، بہار، پنجاب، بنگال ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہے مگر وہ بھی بکھری بکھری ہوئی ہے۔ کرناٹک، چنئی آندھرا میں صرف چند ایک شہروں وقصبات میں شیعہ آبادی ہے۔ کیرالہ گوا کا صوبہ ان سے خالی ہے اکا دکا "الشاذ کالمعدوم" ہی کہے جائیں گے۔ اسی طرح دیگر صوبوں کا بھی یہی حال ہے۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش کے چند مقامات پر ہی شیعہ پائے جاتے ہیں۔ شمال مشرق کی چھ ریاستوں میں ان کی آبادی ایک فیصدی سے زائد نہیں ہے۔ کشمیر، جموں اور لداخ میں مسلم آبادی اکثریت میں ہے مگر شیعہ وہاں بھی اقلیت میں ہیں اور کم حیثیت غریب و پریشان، جبکہ پارسی، جاٹ، سکھ، میمن، خوجہ و بوہرہ اقلیت در اقلیت ہونے کے باوجود مرفہ حال ہیں۔ اپنا اپنا مخصوص علاقہ رکھتے ہیں جہاں ان کی چشم گیر آبادی ہے۔ اس وجہ سے وہ ترقی کے اونچے زینہ پر ہیں۔ اور تجارت، صنعت، سیاست، اعلیٰ ملازمت، ہر گوشہ میں ان کی حیثیت نمایاں ہے اور ان کا شمار بھی ہوتا ہے۔ ان کی اکثریت ہر لحاظ سے مطمئن اور خوش حال ہے۔ ان کے اپنے اسکول کالج ہیں اور مختلف امدادی اسکیمیں چل رہی ہیں۔ برخلاف اس کے شیعوں کے ہاتھ میں تجارت وصنعت ہے نہ اعلیٰ تعلیم۔ اسی لئے وہ سماجی حیثیت سے ہر جگہ پست اور نظر انداز کئے جانے کے قابل اور افسوس ناک حالات کے حامل ہیں"۔

اپنے اس مختصر لیکن مفید مضمون میں مرحوم مولانا حسن عباس فطرت صاحب نے زمینداری سے لیکر ۱۹۳۹ء تبرا ایجی ٹیشن تک کے مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے اس بات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ مختلف علاقوں میں بٹے رہنے کے باوجود مختلف زمینداری کے اختتام کے باجود تقسیم سے قبل شیعہ اس لئے مضبوط تھے کہ انکی قیادت علماء کے ہاتھوں میں تھی اور ایک ڈور سے جڑے ہوئے تھے اور یہ انکی مضبوطی تھی کہ ۱۹۳۹ء میں ایسی جیل بھرو تحریک چھیڑی کہ جسکی مثال آج تک نہیں ملتی چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"جب تک زمینداری ختم نہیں ہوئی تھی (۱۹۵۲ء) تک، تب تک شیعہ فرقے کے کچھ لوگ متمول تھے اور سرکاری محکموں سے بھی وابستہ تھے۔ لیکن ملک کی تقسیم اور اس کے بعد خاتمہ زمینداری نے مسلمانوں کو بے دست وپا کر دیا۔ شاید ان سے زیادہ شیعہ متاثر ہوئے۔ صرف محرم اور عزاداری کا چلن ہی دین کی شناخت رہ گئی دیگر ایام میں ان کا ذاتی تشخص بھی گمنامی میں پڑ جاتا تھا۔ آزادی ہند کے قبل شیعہ آبادی کم صحیح مگر اپنے انداز سے زندگی گزارتی اور مطمئن تھی۔ مگر متحدہ ہندوستان میں ان کی حیثیت وگنتی لائق ذکر تھی خصوصاً پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں۔ تعلقدار، راجہ، نواب وڈیرے ہر خطہ میں اپنی آن بان کے ساتھ پائے جاتے تھے۔ علما اعلام اور روحانیت کی قدر تھی۔ ان کو لوگ اپنا قائد و رہنما مانتے تھے۔ لکھنؤ مرکز تشیع تھا۔ وہیں سے قوم کی صلاح وفلاح کے احکام جاری ہوتے اور عوام اس کی متابعت کر کے علمائے کرام کی بالا دستی کا ثبوت فراہم کرتے۔

۱۹۳۹ء کا حیرت انگیز تبرا ایجی ٹیشن اس کا گواہ ہے۔ جس میں قوم شیعہ نے ایسے جوش وولولہ سے حصہ لیا جو ملک کی تاریخ میں ریکارڈ ہے۔ تب سے آج تک ملک میں نہ جانے کتنے احتجاج وسول نافرمانی ہوتی رہی مگر اس جیسی "جیل بھرو" تحریک اب تک کہیں دیکھی نہ گئی۔ حکومت کے جابرانہ فیصلے کے خلاف یہ تحریک علماء اور روحانیوں نے شروع کرائی اور بند بھی ان کے علاوہ کوئی طاقت نہ کر سکی"

اپنے اس مضمون میں آپ نے محمد تغلق (۱۵۔ ۱۳۲۴ء) کے دور سے لیکر سلطنت مغلیہ اور بہادر شاہ ظفر تک کے دور میں شیعوں کے حالات کو بطور مختصر قلم بند کرتے ہوئے اس بات پر خاص توجہ دی کہ جہاں شاہان اودھ نے مذہب امامیہ کی ترویج تو کی لیکن توسیع پر توجہ نہیں دی وہیں احمد سرہندی جیسی شخصیتوں نے بھرپور انداز میں اپنے مذہب کی تبلیغ کے ساتھ اسکی توسیع بھی کی اور پورے پورے علاقوں کو اپنا ہم مسلک بنا

ISSN No.2455-636X

لیا۔ ان تمام باتوں کو ذکر کرنے کے بعد ح حسن عباس فطرت صاحب نے اس مضمون میں شیعوں کے سامنے دو اہم نسخوں کو پیش کیا ایک محنت و لگن دوسرے واحد قیادت کی ضرورت چنانچہ وہ لکھتے ہیں "شیعہ اقلیت در اقلیت ہیں اور اقلیت کی بقا اس پر منحصر ہے کہ وہ ہر میدان میں اکثریت پر غالب رہے۔ اس کی زندہ مثال دنیا کے کونے کونے میں پائے جانے والے یہودی ہیں۔ ہندوستان میں پارسی، سکھ، مارواڑی وجاٹ کی تجارت، زراعت سے لے کر سیاست، اعلیٰ ملازمت و مقام پر ان کی اجارہ داری ہے۔ شیعوں کے لئے یہی لوگ نمونہ ہیں۔ ان ہی لوگوں کے طور و طریقہ اپنانے ہوں گے محنت و انتھک محنت۔

شیعوں میں قیادت کے فقدان کا مسئلہ اور اس پر توجہ کی ضرورت:

"شیعیان ہند کے مسائل اور ان کے حل" نامی اس مضمون میں آپ جب مختلف مسائل کا جائزہ لیکر قیادت کے مسئلہ پر پہنچتے ہیں تو اس حقیقت کا واضح الفاظ میں اظہار کرتے ہیں کہ ہماری سب سے بڑی مشکل کیا ہے اور کیوں ہم کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں چنانچہ آپ کہتے ہیں" دوسرا بڑا مسئلہ قیادت اور مضبوط قیادت کا ہے جس کا شیعہ قوم میں اب فقدان ہے۔ یہاں ہر شخص مقتدی بنا ہوا ہے یا بننا چاہتا ہے مقتدی کی فکر پرواکئے بغیر۔ جب تک قوم شیعہ کی باگ ڈور علماء کے ہاتھوں میں تھی وہ ایک زندہ قوم کہلاتی تھی۔ اب اس لئے اس ڈور کو توڑ دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انتشار اور محرومی کا سامنا ہے۔ ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ وجوہ شرعیہ کا صحیح استعمال اور اس کی مرکزی حیثیت ختم کردی گئی ہے۔ کچھ لوگ تقلید کی مخالفت میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت اعلیٰ تعلیم کے حصول کی ہے خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی تجارت وصنعت وحرفت کے لحاظ سے شیعہ قوم کسی شمار میں نہیں ہے۔ کوشش ہونا چاہئے زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اس سے دلچسپی پیدا کی جائے۔ چھوٹی بڑی کوآپریٹیو سوسائٹیاں بنا کر بھی اس کام کی شروعات ہوسکتی ہے۔ عراق وایران کے شیعہ زندگی کے ہر شعبے میں آگے ہیں کیونکہ وہ موجودہ حالات کے تقاضوں کو پورا کر کے جینا چاہتے ہیں۔ اگر ہندوستانی شیعہ بھی وہی راستہ اختیار کریں تو ان کو بھی حیات نو مل سکتی ہے اور جلد ہی وہ زمانہ آسکتا ہے جب وہ طالب سے مطلوب بن جائیں اور ہر شعبہ میں ان کی پذیرائی ہو۔ آج ان کو اپنے حق کے لئے کشکول دکھانا پڑ رہا ہے۔ اور پارلیمنٹ نیز صوبائی اسمبلی میں ان کے لئے سیٹ مانگی جارہی ہے اور اس کی طرف کوئی اعتنا نہیں کرتا۔

اصلاح معاشرہ اور دینی تعلیم کی ضرورت:

اس مضمون کے آخر میں آپ اصلاح معاشرہ کی ضرورت اور دینی تعلیم کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے چند تجاویز کو یوں بیان کرتے ہیں:

"اصلاح معاشرہ اور واجبی دینی معلومات کی طرف بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے متحرک مبلغین کی ضرورت ہے جو جگہ جگہ مختصر قیام کر کے عوام کو عملی تعلیم دیں اور اس کام کے لئے حوزہ ہائے علمیہ کے طلاب سے کام لیا جاسکتا ہے۔ ان کی ایک منتخب تعداد کی تربیت کر کے ہر علاقہ میں بھیجا جائے اور ان کو موجودہ زمانہ کی جملہ خرابیوں سے آگاہ کر کے تبلیغ کا کام سونپا جائے۔ دشمنان اسلام کی سازشوں سے پوری طرح خبردار کیا جائے۔ طلاب کی اعلیٰ تعلیم وٹکنیکل تعلیم کے حصول وفروغ میں امداد دینے کے لئے معقول مشاہرہ یا وظیفہ کا انتظام بھی بہت ضروری ہے"۔

غرض یہ وہ مضمون ہے جس میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ آپ نے شیعوں کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے اور انکے حل کے لئے ضروری تجاویز بھی پیش کی ہیں جو آپ کی قومی دردمندی کی دلیل ہے۔

میرے سامنے مرحوم کے متعدد ایسے مضامین ہیں جنکی روشنی میں ہم مرحوم کی فکری نہج اور انکی خدمات کو بہتر طور پر پہچان سکتے ہیں لیکن مضمون اتنا طولانی ہوگیا ہے کہ ان سے صرف نظر کیا جارہا ہے ورنہ "کل اور آج" ہنستا بولتا لکھنؤ" انقلاب اسلامی ایران، ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے" "تحریک وحدت اسلامی اور علماء شیعہ" ، جیسے وقیع مضامین وہ ہیں جن پر تجزیہ وتبصرہ کے ذریعہ ہم نئی نسل کو اپنے اسلاف کے سرمایہ سے روشناس کراسکتے ہیں۔ آخر میں دعا ہے کہ پروردگار ہم سب کو اپنے اسلاف و بزرگوں کی خدمات کا قدرداں قرار دے۔ آمین ✿✿✿

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

مولانا ڈاکٹر ریحان حسن رضوی
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو و فارسی
گرونانک دیو یونیورسٹی امرتسر
موبائل 8559020015

دنیا میں روزانہ لاکھوں لوگ مرتے ہیں ہر موت کا افسوس ہوتا ہے مگر کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اثر ذہن و دل پر بہت دیر تک رہتا ہے خاص طور پر جب مرنے والا عبقری شخصیت ہو۔ بلاشبہ علامہ حسن عباس فطرت انہیں عبقری شخصیتوں میں سے تھے جنہیں صدیوں تک یاد رکھا جائے گا کیونکہ وہ ایک معتبر عالم، بے مثل ادیب، مشہور خطیب، منفرد صحافی، اور نامور سفرنگار تھے۔ انھوں نے نثر کی ہر صنف میں انمٹ نقوش ثبت کیے میدان صحافت میں روزنامہ انقلاب کے کالم "رفتار زمانہ" اور ہفت روزہ "صداقت" کے اداریے، تبصرے اور مضامین نے قبیلہ صحافت میں دھوم مچا رکھی تھی۔ اردو زبان کے شائقین ان کے معجز نما قلم کے معترف تھے۔ صداقت تو یہ ہے کہ ان کی شستہ اور شگفتہ انداز تحریر کو دیکھ کر صاحب طرز نثر نگار بھی انگشت بدنداں نظر آتے تھے۔ صحافت ادب اور مذہب سے متعلق ان کی تخلیقات ایسا علمی خزانہ ہیں جس سے تشنگان علوم ہمیشہ سیراب ہوتے رہیں گے۔

علامہ حسن عباس فطرت کا مشہور سفرنامہ جو بلٹز اخبار کی فائلوں میں بکھرا ہوا تھا ترتیب دے کر "افریقہ سرخ و سیاہ" کے نام سے ایلیا پبلیکیشنز گوپالپور سے 2010ء میں خاکسار نے شائع کرایا جسے علمی و ادبی حلقے میں بیحد پسند کیا گیا۔ اس سفرنامہ میں روزمرہ محاورہ اور لفظوں کا ایسا ہنرمندانہ استعمال نظر آتا ہے جو دوسرے نثر نگاروں کے یہاں شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ افریقہ سرخ و سیاہ معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے جس میں صحافت و سیاست، تجارت و زراعت، تہذیب و ادب، تاریخ و جغرافیہ، ثقافت و آرٹ غرض سبھی چیزوں کا ذکر ہے۔ فارسی کے دو نامور شعراء نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا ان میں سے ایک امیر خسرو اور دوسرے حافظ تھے چنانچہ انہوں نے "خسرو حافظ اور ایران" کے نام سے کتاب رقم کی جسے شمس الرحمن فاروقی صاحب نے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ دراصل یہ ایک ایسی معیاری کتاب ہے جو فارسی زبان کے شیدائیوں کو بار بار دعوت مطالعہ دیتی ہے۔ اس کتاب میں یمین الدولہ ابوالحسن امیر خسرو اور خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کے حالات اور علم و فن پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے خصوصا سیرت و سوانح سے متعلق بعض ایسی معلومات فراہم کی گئیں ہیں کہ جو علمی حلقہ کے لئے خاصہ کی چیز ہے۔

صداقت تو یہ ہے کہ حافظ کے تصور عشق پر علامہ حسن عباس فطرت نے جس انداز سے روشنی ڈالی ہے اس سے ان کی علمی لیاقت اور ادبی بصیرت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ حافظ کے تصور عشق پر ان کے کلام کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے وہ فیصلہ کن انداز میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"حافظ کے عشق کا تصور صرف نظری نہیں، بلکہ عملی ہے اس میں ارتقاء و تدریج ہے۔ وہ بشریت کا وقار اور ملائک کا شکار ہے وہ جسم و روح کی ہر زنگار کو دور کرنے والا آفاق و انفس پر نظر رکھنے کی وسعت بخشنے والا ہے، وہاں تنگ نظری اور انانیت نہیں بلکہ وہ صلح مشرب ہے۔ بلند نگاہ ہے۔"

اس کتاب میں خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کے علاوہ امیر خسرو دہلوی کے زندگی اور فن پر بحث کرتے ہوئے دل چسپ اور نئے نکات پیدا کیے گئے ہیں ساتھ ہی ساتھ حسن عباس فطرت نے دونوں شعراء کے کلام کا جامع انتخاب کرتے ہوئے شعر کا پرکیف ترجمہ بھی رقم کیا ہے۔

"خسرو حافظ اور ایران" کا اختتام ایران کے سفر پر مشتمل سفرنامہ "ایک سفر نا تمام" پر ہوتا ہے۔ دراصل یہ سفرنامہ بہت ہی دلچسپ اور معلومات افزاء ہے۔ اس میں ایران کے مشہور علماء، فضلاء، ادباء، علمی اداروں، دانشوروں، شہروں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں اور باغات وغیرہ کا ذکر

ISSN No.2455-636X

بڑے شگفتہ اور دلکش انداز میں مرحوم نے کیا ہے۔ سفرنامہ میں ایران میں شائع ہونے والے فارسی اور انگریزی اخبارات کی تعداد اشاعت کے ساتھ ساتھ وہاں کے مشہور کتب خانوں کی تاریخ اور اس کی خصوصیات کا ذکر بھی انھوں نے بہترین پیرائے میں کیا ہے۔ اصفہان کے مختلف پلوں، وہاں کے بازاروں اور وہاں کی حیرت انگیز چیزوں کا ذکر انہوں نے اس انداز سے کیا ہے کہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اصفہان نصف جہان ہے۔ اس موقع پر عام ایرانیوں کی سادہ لوحی کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے: "دن بھر ہم عالمانہ لباس میں ٹیکسی کے ذریعہ مساجد و مشہور مقامات کو دیکھتے رہے مگر ٹیکسی ڈرائیور جب پیسے لے کر جانے لگا تو پوچھتا ہے کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟"

سفرنامہ میں مشہد مقدس کے مشہور تاریخی مقامات، پارک اور خوش نما جھیلوں کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ شہر کاشان کی تاریخی عمارتوں کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ ایران کے لوگوں کے فن تعمیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ خصوصی طور پر ایران میں سڑک، ریلوے لائن اور گوشت و مچھلی کی دکانوں کی صفائی و ستھرائی کو انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو رشک ہونے لگتا ہے۔ سفرنامہ میں انقلاب اسلامی کے شعراء اور ادباء کے تذکرہ کے ساتھ ہی ساتھ ان شعراء کے فکری میلانات و رجحانات اور ان کے رنگ خاص کا بھی ذکر بہترین انداز میں علامہ نے کیا ہے۔

صداقت تو یہ ہے کہ "اسلامی انقلاب کے بعد کا افسانوی ادب" کے تحت ایران کے مشہور مصنفین اور ان کے خدمات کا تذکرہ جس انداز میں مولانا نے کیا ہے وہ علمی دنیا کے لئے خاصہ کی چیز ہے۔ ان کے ادبی کارناموں میں اگر ناول "رات گئی بات گئی" کا ذکر نہ کیا جائے تو ناانصافی ہوگی لیکن افسوس لاک ڈاؤن کے سبب اس ناول تک رسائی نہ ہو سکی امید کہ اہل علم اس ناول سے متعلق معلومات فراہم کریں گے۔ مختصر یہ کہ علامہ حسن عباس فطرت صرف ایک ذات فعال کا ہی نام نہیں تھا بلکہ وہ خود اپنے وجود میں ایک ادارہ تھے۔ وہ بیک وقت عالم، مفکر، مصنف، محقق، مترجم، مدرس اور منتظم تھے ان کی رنگارنگ شخصیت بقولے: وہ تھا ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

علامہ حسن عباس فطرت کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں مختلف اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی قلندرانہ شخصیت بہت جاذبیت رکھتی تھی۔ ان کے یہاں جو سنجیدگی، بردباری، ذہنی کشادگی اور وسعت نظر تھی وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے عہد کی نہایت توانا آواز تھے۔ ان کے علمی، ادبی اور مذہبی نقوش نہیں مٹ سکتے البتہ ان کے نہ رہنے کا زخم ہرا رہے گا۔

اچھے لوگوں سے ہوئی جاتی ہے دنیا خالی ✿✿✿

صفحہ 127 کا بقیہ.....(۷) ارمغان مقالات:

مجموعہ مضامین، علامہ سید حسن عباس فطرت، کتاب مجلد، صفحات ۳۸۴، قیمت ۲۰۰ روپے، نظر ثانی حجۃ الاسلام مولانا کمیل اصغر زیدی، ناشر، ادارۂ اصلاح مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۳ بتعاون ولایت فاؤنڈیشن دہلی۔

بزرگ عالم و صحافی علامہ حسن عباس فطرت مدظلہ ایسے منفرد اہل قلم ہیں جن کی تحریروں کی دھوم عوام و خواص میں مچی ہوئی ہے۔ حسن عباس نام ہے تو تحریروں کا حسن کیا کہنا۔ اسم عباس سے نسبت ہے تو مضامین کی چتوں میں غازیانہ تیور ہیں۔ مذہبی مضامین میں شگفتہ لہجے کے ساتھ باحتیاط گزر جانا کمال کا پہلو لئے ہوئے ہے، مجموعہ میں ۸۰ سے زائد مضامین قارئین کی توجہ کو جذب کرنے والے ہیں، اس مجموعہ مقالات کا انتساب انھوں نے علمی جدوجہد میں مشغول تمام نوجوانوں کے نام کیا ہے۔ بہر حال ایک اچھا مجموعۂ مضامین منظر عام پر آگیا ہے۔ جس کی پذیرائی بھی اچھی ہونا چاہیے۔ (اپریل مئی ۲۰۱۹)

(نوٹ) ان کا ایک مجموعہ مضامین ان کی زیر نگرانی مرتب تو ہو گیا تھا لیکن ابھی تک اس کی اشاعت کا علم نہیں ہو سکا۔ ان مجموعہائے مضامین کے علاوہ بھی ان کے بہت سے مضامین ایسے ہیں جو رسائل و جرائد اور اخبارات میں تو موجود ہیں لیکن ان کا کوئی مجموعہ نہیں شائع ہو سکا۔ ہو سکتا ہے کوئی دلچسپی رکھنے والا اس جانب متوجہ ہو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

ISSN No.2455-636X

مجسمۂ اخلاق

سید محمد حسنین باقری جوادی

اخلاق، انسان کے باطنی صفات کو کہتے ہیں۔ اگر یہی باطنی صفات بہترین اور اچھے کردار کی شکل میں ظاہر ہوں تو حُسنِ اخلاق کہا جاتا ہے، جن سے انسان واقعی انسان بنتا ہے۔ معلم انسانیتؐ جو اشرف المخلوقات کو درس انسانیت دینے آیا اس کے لیے ایک طرف تو قرآن نے کہا: ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“ (سورہ قلم، ۴) تو دوسری طرف خود اپنی زبان سے فرمایا: ”إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ“ (کنز العمال: 43542، 5217، 5218)؛ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ یہی اخلاقیات اور حسن اخلاق انسان کو لائق احترام بناتے ہیں۔ انسان کی قدر و قیمت اور لوگوں کے دلوں میں جگہ اس کے اخلاق اور رفتار و کرداری سے ہوتی ہے۔ اگر ہم مشاہدہ کریں تو نہ دولت و ثروت دل میں جگہ بناتی ہے، نہ خاندان و نسل لوگوں کے دلوں کو متاثر کرتا ہے، نہ منصب و اقتدار سے کوئی محبوب بنتا ہے، نہ ظاہری خوبصورتی و بناوٹ دل میں حقیقی جگہ بناتی ہے حتیٰ علم جیسی عظیم دولت بھی جلدی کسی کو مرعوب نہیں کرتی نہ علم کی وجہ سے ہر ایک کے دل میں جگہ بنتی ہے ہاں یہ حقیقت ہے کہ انسان کا اخلاق و کردار ضرور دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔ انسان کا حسن اخلاق دلوں میں جگہ بناتا ہے، ممکن ہے دوسری چیزیں نہ ہوں لیکن اگر اخلاق و کردار اچھا ہے تو سامنے والا ضرور متاثر ہوتا ہے۔ یہی اخلاق ہے جو دشمن کو متاثر کردیتا ہے۔ اگر ہم تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو دور جاہلیت میں بھی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر ان کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کرنے میں پیغمبر ﷺ اور ان کے بعد آل پیغمبر علیہم السلام کا کردار و اخلاق سبب بنا ہے جیسا کہ خود قرآن نے گواہی دی ہے: ”...وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ...“ (آل عمران، ۱۵۹) [اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے]۔ شائد چالیس سال تک خاموشی اور چالیس سال میں اعلان رسالت کی وجہ بھی یہ رہی ہو کہ اس مدت میں اپنے اخلاق و کردار کا لوہا منوا کر پھر تبلیغ اسلام شروع کی جس سے لوگ متاثر ہوئے۔ ابتدائے اسلام کے انتہائی سخت اور دشمنی کے ماحول میں بھی تن تنہا اسلام کو لوگوں کے دلوں تک پہنچانے میں جس نے اہم کردار ادا کیا ہے وہ اخلاق نبی اکرم ﷺ ہی تھا۔ بعد پیغمبر ﷺ بھی منافقین جیسے بدترین دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کے مقابلے اگر ائمہ معصومینؑ نے شمع اسلام روشن رکھی تو اس کا سبب بھی آپ کا بہترین اخلاق تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ غلط پروپگنڈہ کا شکار علی علیہ السلام کی دشمنی دلوں میں لیکر شام سے مدینہ آنے والے افراد بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کے کردار و اخلاق سے متاثر ہو کر علی علیہ السلام کی حقانیت اور مقابل کے بطلان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

اس کے مقابل دشمنان اسلام کی ذلت و رسوائی کا سبب ان کا بدترین اخلاق و کردار بھی رہا ہے، نبی اکرم ﷺ کے دور سے آج تک اگر جائزہ لیا جائے تو چاہے بنی امیہ ہوں یا آج کے آل سعود، یا امریکہ و اسرائیل کی خوں خوار حکومتیں؛ ان سب کی ذلت و رسوائی اور تمام کوششوں کے باوجود لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے نفرت کا پایا جانا ان کے عمل و کردار کی وجہ سے ہے، آج اپنے کو سپر سمجھنے والا امریکہ اور دوسری ترقی یافتہ حکومتیں اگر ایک وبا کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئیں تو دوسری طرف حکومت امریکہ کا ظلم و بربریت والے مکروہ کردار کا ایک نمونہ منظر عام پر آنے کے بعد آج اس ملک کی صورت حال کیا ہے یہ سب کے سامنے ہے، جو حکومت اپنی مخالف حکومتوں کے خلاف جو رویہ اور طریقہ اپناتی رہی آج وہی اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔

لہذا سیرت نبی و آل نبی علیہم السلام آج بھی یہی تقاضا کرتی ہے کہ اپنی شناخت اپنے اخلاق و کردار کو بنایا جائے۔ دوسروں کی تذلیل و توہین کرنا،

ISSN No.2455-636X

طعن و طنز کو اپنا مزاج بنا لینا، صرف دوسروں کی کوتاہیوں کو برملا کرنا، ہر ایک کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنا، اپنی سوچ و اپنے مزاج ہی کو حق و حقیقت قرار دیکر ہر ایک کو دین و ولایت سے خارج کرنے کے احکامات جاری کرنا کبھی کی کوئی لغزش نظر آنے پر زبان کھولنے قلم چلانے میں دین و شریعت کو بالائے طاق رکھ دینا، مخالفت کرنے میں یہ فراموش کر دینا کہ ایک دن ہمیں بھی بارگاہ خدا میں حاضر ہونا ہے؛ یہ سب کچھ تو ہو سکتا ہے مذہب اہل بیتؑ کے حقیقی پیروکار کا طریقہ نہیں ہو سکتا اور نہ خداوند عالم و معصومین علیہم السلام کی خوشنودی کا سبب بن سکتا ہے۔

مرحوم علامہ حسن عباس فطرت کی خصوصیت آپ کا اخلاق و کردار تھا جس نے ہر ایک کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ صاحب قلم، ادیب و نقاد، عالم و خطیب تو بہت ہیں لیکن امام علی علیہ السلام کے جملہ "خَالِطُوا النَّاسَ مُخَالَطَةً إِنْ مِتُّمْ مَعَهَا بَكَوْا عَلَيْكُمْ، وَإِنْ عِشْتُمْ حَنُّوا إِلَيْكُمْ" (نہج البلاغہ، حکمت ۱۰)؛ کا مصداق بن جانا اخلاق و کردار کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا مصداق مرحوم تھے۔ جس دور میں معمولی صلاحیتوں کے بعد بعض اپنے کو بہت کچھ سمجھنے لگتے ہیں، صاحبان فن کی نگاہوں میں آجانے کے بعد تو اپنے میں نہیں سماتے ایسے دور میں، بہت کچھ ہو کر غرور و گھمنڈ کا شکار نہ ہونا، تواضع و انکساری کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دینا علامہ حسن عباس کا کارنامہ تھا، کیوں نہ ہو جب مولی علی علیہ السلام کا یہ جملہ ان کی نگاہوں میں ہو: "أَشْرَفُ الْخَلَائِقِ التَّوَاضُعُ وَالْحِلْمُ وَلِينُ الْجَانِبِ"؛ "سب سے اچھا اخلاق، تواضع، حلم اور نرم رویہ اپنانا ہے"۔ (غرر الحکم، ج ۲، ص ۴۴۲)۔ پھر نبی اعظم ﷺ کے قول کے مطابق "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ"؛ جو بھی اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ اسے بلندی عطا کرے گا۔ نتائج سامنے ہیں۔

مرحوم کبھی عُجب و خود پسندی کا شکار نہیں ہوئے۔ عُجب یعنی اپنے ہی کو سب کچھ سمجھنا، اپنی نگاہوں میں کسی کو نہ لانا، اپنی خوبیوں و نیک اعمال سے خوش ہونا اور اسے اپنی نگاہ میں بڑا سمجھنا، اور یہ بھول جانا کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے، بلکہ اسے اپنی طرف سے سمجھنا اور اس کے برباد اور ختم ہونے کے بارے میں خوف نہ کرنا ہے۔ (المحجۃ البیضاء، فیض کاشانی، ج ۶، ص ۲۷۶) البتہ ملا احمد نراقی کی نگاہ میں، اپنے آپ کو بڑی شخصیت اور صاحب کمال سمجھنا بھی عُجب کہلاتا ہے۔ (نراقی، معراج السعادۃ، ۱۳۸۷ش، چودھویں صفت عجب و خود بزرگ بینی و مذمت آن)

جبکہ مرحوم فیض کاشانی کی نگاہ میں عُجب ایک بیماری ہے جس کا سبب جہل اور نادانی ہوتا ہے۔ (المحجۃ البیضاء، فیض کاشانی، ص ۲۷۷) اس بیماری کے نتیجہ میں عقل ختم ہو جاتی ہے (تمیمی آمدی، غرر الحکم، ۱۴۱۰ق، ص ۳۸۸؛ ابن شعبہ حرانی، تحف العقول، ۱۳۶۳ق، ص ۴۳؛ نہج البلاغہ، ۱۴۱۴ق، ص ۳۹۷)، انسان ہلاکت کا شکار ہوتا ہے، (کلینی، الکافی، ۱۴۰۷ق، ج ۲، ص ۳۱۳) تنہا ہو جاتا ہے، (تحف العقول، ابن شعبہ حرانی، ۱۳۶۳ق، ص ۶) حتی عجب و خود پسندی علم حاصل کرنے اور، اور کمال تک پہنچنے میں بھی رکاوٹ بنتی ہے۔ (بحار الانوار علامہ مجلسیؒ، ۱۴۰۳ق، ج ۶۹، ص ۱۹۹؛ نہج البلاغہ، ۱۴۱۴ق، ص ۸۱۷)

صاحب فن ہو کر دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف و اقرار، ادیب و صاحب قلم ہو کر دوسروں کی تعریف اور اپنے سے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی مرحوم کا خاصہ تھا۔ دل کھول کر دوسروں کی تعریف کرنا، دوسروں کی محنت کو سراہنا، اپنے علاوہ بھی کسی کو ادیب و صاحب قلم سمجھنا۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف و تمجید کے سلسلے میں مرحوم کے متعدد مضامین اور مختلف جرائد و رسائل پر تبصرے و تعارف گواہ ہیں کہ آپ نے اس بارے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا بلکہ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

وہ عالم دین کے ساتھ ساتھ مایہ ناز ادیب بھی تھے لیکن کبھی بھی علم دین یا عالمانہ لباس کو اپنے لیے سبکی کا سبب نہیں سمجھا جبکہ بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے اپنے کو ادیب سمجھنے کے بعد بعض لوگ اپنے کو دیندار یا عالم دین ظاہر کرنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ اسی ضمن میں مرحوم کی ایک خصوصیت بعض دیگر افراد کے برعکس یہ بھی تھی کہ زبردست ادیب ہو کر بھی صرف اپنے ہی کو صاحب علم و ادیب نہیں سمجھا، شہرت یافتہ ادیب ہو کر بھی علمائے دین کی توہین و تضحیک کو اپنا فریضہ نہیں گردانا۔ ادب میں اپنا لوہا منوانے کے باوجود مذہب سے دور نہیں ہوئے، ادبی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے بعد بھی اپنے لیے دوسرے القاب کے بجائے مولانا اور حجۃ الاسلام ہی میں اپنی عزت سمجھی اور پوری زندگی اسی عالمانہ لباس میں گزار دی۔ بقیہ صفحہ 63 پر

ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

جناب قیصر رضا حسینی
ایڈیٹر جدید اخبار صداقت ممبئی موبائل نمبر: 9870151214

آہ! مشہور عالم دین مفکر مصنف اور صحافی علامہ حسن عباس فطرت بھی نہیں رہے ان کی رحلت سے یقیناً علماء کی صف میں ایک ناقابل تلافی خلا پیدا ہوگیا وہ ایک عالم باعمل تھے وہ میرے مربی محسن شفیق ورفیق تھے۔ میری عقل کام نہیں کررہی کہ مضمون کہاں سے شروع کروں میری کیا بساط کہ ان کے حالات زندگی اور کارنامے تحریر کروں۔ اس کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ مگر چونکہ ایک قدیمی دینی، مذہبی رسالہ ادارہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ علامہ حسن عباس فطرت صاحب کی رحلت پر خصوصی نمبر نکال رہا ہے لہذا کچھ لکھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ خدا بھلا کرے مولانا سید جابر جوراسی صاحب کا انہوں نے اس رسالہ کو جلا بخشی اور اسے اوج ثریا تک پہنچا دیا جو پوری دنیا میں پڑھا جارہا ہے چونکہ علامہ حسن عباس فطرت صاحب ایک مدت تک اس رسالے سے وابستہ رہے اور رکن بھی تھے اس لحاظ سے خصوصی نمبر ان کا حق بھی ہے۔ مضمون کی طوالت کا خوف ہے لہذا اب اصل موضوع کی طرف آنا چاہتا ہوں۔

مولانا حسن عباس فطرت صاحب نے قصبہ ہلور کی سادات بستی میں ایک معزز خاندان میں 1935 میں آنکھ کھولی ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی بعد ازاں وثیقہ عربی کالج میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی ہائی اسکول اور انٹر امتیازی نمبروں سے پاس کیا پھر جامعہ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔۔ پھر ممبئی یونیورسٹی سے بی اے کیا اور وہیں مدرس ہوگئے خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد میں امامت بھی کی۔

1991 میں طالب علمی کے زمانے میں ہمیں ایک در نایاب ملا جنہیں ادب کی زبان میں علامہ حسن عباس فطرت کہتے ہیں۔ بس کیا تھا ایک ہی ملاقات میں ہم ان کے گرویدہ ہوگئے رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنے اخبار مجموعہ صداقت جو ۱۹۸۴ سے جاری تھا میں رپورٹر بنایا اور ہماری خبریں اور مضامین شائع کرتے رہے۔ خدا کی مصلحت کچھ ایسی ہوئی کی 2002 میں ہم ممبئی آگئے اور ممبئی کو اپنی آماجگاہ قرار دے دیا اس زمانے میں علامہ کا قیام و دفتر پونہ ہی میں تھا ہمارا رابطہ مسلسل رہا اور آنا جانا بھی رہا اس وقت انہوں نے اپنی پہلی تصنیف کردہ کتاب" بیاں اپنا" ہمیں عنایت کی۔

غالباً 1999 کی بات ہے جب ہم مولانا آزاد اردو یونیورسٹی سے بی کام کررہے تھے اس وقت ہم نے علامہ سے دریافت کیا کہ اخبار کیسا چل رہا ہے تو انہوں نے فرمایا" اب صداقت کا چراغ ٹمٹما رہا ہے" اس پر بے ساختہ ہم نے کہا جب چراغ ٹمٹمانے لگے گا تو ہم اس میں روغن ڈال کر روشن کردیں گے۔ یہ جملہ علامہ کو بھا گیا۔ 2004 میں ہم اردو ٹائمز میں لگ گئے دو سال وہاں کام کیا پھر 2006 میں تین آدمیوں نے مل کر سہارا اردو ممبئی سے شروع کیا گیا اور اکتوبر 2007ء تک کاربند رہے موصوف نے جب ہمارے اخبارات کے تجربات دیکھے تو مجموعہ اخبار صداقت ہمیں ہبہ کردیا اس وقت سے اب تک صداقت بلاناغہ رواں دواں ہے اور تواتر سے علامہ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور سیکڑوں مضامین شائع ہو چکے ہیں کبھی کبھی تنگئ وقت کی بنا پر حالات حاضرہ پر سیاسی مضمون فون کے ذریعے انہوں نے لکھوائے۔ وہ ہمیشہ نرم لہجہ شیریں زبان اور ہلکی مسکراہٹ رکھتے تھے اکثر گفتگو کے دوران بارہا انہوں نے اخبار کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں کہ مسلسل اخبار نکال رہے ہو ہم نے تو بہت سے اخبار شروع ہوتے اور بند ہوتے دیکھا ہے۔

ISSN No.2455-636X

دو سال قبل بر سبیل تذکرہ ہم نے علامہ صاحب سے کہا کہ حضور 10 سال سے اخبار نکال رہے ہیں مگر اب تک کرایہ کے مکان میں بود و باش ہے اپنا مکان نہیں خرید سکا۔ تو اس پر ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں: "تم کیسی بچکانہ بات کر رہے ہو اخبار نکالنے میں تو لوگوں کی زمین اور گھر فروخت ہو گئے تم گھر خریدنے کی بات کر رہے ہو۔ علامہ کی شوخ مزاجی دیکھئے: ایک مرتبہ مغل مسجد میں علامہ ناصری صاحب کے دفتر میں تشریف لے گئے علامہ ناصری صاحب مرحوم نے رسمی طور پر خیریت دریافت کی تو آپ نے فرمایا: "من ہفت گانہ مریض ہستم" علامہ نے سماج میں اچھی زندگی پائی۔ انہوں نے کہا میں نے زندگی میں کسی چیز کا افسوس نہیں کیا اگر سفر میں کوئی چیز بھول جاتا ہوں تو بھی کوئی افسوس نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ علامہ کے ہمراہ ممبئی کے بھنڈی میں واقع انقلاب کے دفتر جانے کا اتفاق ہوا۔ اخبار کے مالکان و عملے سے خندہ پیشانی اور ہلکی مسکراہٹ جوان کی خاصیت ہے ملے۔ وہیں ندیم صدیقی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی ندیم صاحب نے ایک لفظ پر استفسار کیا لفظ صیہونی درست ہے یا صہیونی؟ تو آپ نے فرمایا صیہونی درست ہے اسی سفر میں انہوں نے واپسی پر رانی باغ کا اپنا پرانا گھر بھی دکھایا جو اب فروخت ہو چکا ہے۔ وہ اکثر اپنی منجھلی بیٹی دلشاد بانو جو wasai میں رہتی تھیں (اب مرحوم ہو گئیں) کے یہاں آتے تھے تو نا چیز کو طلب کرتے تھے ہم بھی آمنا صدقنا کہتے ہوئے حاضر ہو جاتے تھے تو وہ چار پانچ مضامین میرے حوالے کر دیا کرتے تھے جو بالترتیب شامل اشاعت ہو جایا کرتے تھے اکثر پونہ سے پوسٹ سے بھی روانہ فرماتے تھے۔ 2011 میں علامہ نے ایک مضمون "نوحہ کل اور آج" لکھا۔ جس کا اسی صفحے پر ہم نے "تبصرہ" بھی لگا دیا جس سے وہ خوش ہوئے اور مزاح فرمایا کہ مضمون سے جاذب تبصرہ ہے۔ جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے ملاحظہ فرمائیں:

"تبصرہ: نوحہ کل اور آج" ڈال سے ٹپکے ہوئے آم کی مانند زیر نظر تازہ مضمون حاضر ہے علامہ حسن عباس فطرت صاحب محتاج تعارف نہیں گونا گوں مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھے ہوئے اصلی ہیرا ہیں اور بہت سے ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں وہ عالم دین کے ساتھ بہترین مصنف بھی ہیں اور درجنوں کتابیں لکھی ہیں جس میں خسرو و حافظ اور ایران بہت مقبول ہوئی "بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے" وہ بہترین ادیب بہترین صحافی بہترین عمر اور بہترین بیماریوں کے مالک ہیں اس کے باوجود مضمون لکھنے سے باز نہیں آتے۔ ایک زمانے تک انقلاب میں مسلسل کالم لکھا اپنا اخبار بھی چلایا اور اردو دنیا میں اپنے قلم کا جادو جگایا کوئی رسالہ یا جریدہ ایسا نہیں جس میں ان کا مضمون شائع نہ ہوا ہو۔ بسیار جرائد میں خود انہیں خبر نہیں ہوتی کی ان کا مضمون چھپا ہے لیکن کہیں نہ کہیں سے دوستوں کے ذریعے انہیں اطلاع ہو جاتی ہے۔ مولانا موصوف نے کافی نکھار کر خوبصورت اور دلچسپ مضمون لکھا ہے ان کی نگارشات کا خاصہ یہ ہے کہ قاری کے منہ میں پانی آجاتا ہے اور مضمون شروع کرنے کے بعد کوئی دقیقہ ضائع کیے بغیر آخر تک پڑھتا ہے گویا مضمون سے چاشنی ٹپکتی ہے۔ مضمون میں بر سبیل تذکرہ مبارکپور کا بھی ذکر آیا ہے۔ محترم قارئین کے لئے عرض ہے کہ مبارک پور کی سرزمین سے جید علماء اور شاعر مبعوث ہوئے ہیں جن میں چند شعراء سر فہرست ہیں جو اب مرحوم ہو چکے ہیں: حاجی علی حماد۔ حاجی مختار۔ مولانا حاجی سلمان احمد۔ حاجی ایوب۔ ان لوگوں نے بہترین سلام و نوحے لکھے ہیں۔ ان حضرات کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں اور کچھ کتابت کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔

آپ بیک وقت مشہور صحافی، مصنف، مولف، ادیب، خطیب، مترجم، شاعر، نقاد، مبصر، عالم و فاضل یعنی اس دور قحط الرجال میں ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ سیاسی۔ مذہبی اخلاقی۔ ہر موضوع پر وہ قلم برداشتہ تھے ہفت روزہ بلٹز اور قومی آواز میں کالم لکھا اور اپنے کالم کے ذریعے انقلاب ایران اور امام خمینی کو پہچنوایا اس تعلق سے صداقت، انقلاب ممبئی اور بیشتر اخبارات میں مضمون لکھا۔ انہوں نے درجن بھر کتابیں لکھیں اور کئی بڑے بڑے ایوارڈ حاصل کیے سب سے بڑا ایوارڈ تہران سے شہید مطہری ایوارڈ حاصل کیا ان کی تصانیف میں بیاں اپنا، چشمہ آفتاب، افریقہ سرخ و سیاہ، ارمغان مقالات۔ جینے کا سلیقہ۔ خسرو و حافظ ایران جس میں سفرنامہ شامل ہے۔ اسی طرح افریقہ سرخ و سیاہ بھی تاثراتی سفرنامہ کی بہترین عکاسی ہے وہ ایسٹ افریقہ میں بھی کافی عرصہ رہے اور خطابت و امامت کے فرائض انجام دیے اور وہاں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ پھر پونہ میں بھی ایک مدرسہ جو لڑکوں کے لئے قائم کیا جس کا نام جامعۃ الرضا ہے جسے وہ اپنی آخری اولاد کہا کرتے تھے۔ وہ مدرسہ اب خواہران کے لئے مختص ہو گیا ہے۔ (باقی صفحہ 110 پر)

جناب دلبر رضا رضوی
سینئر سیکشن انجینئر، آر ڈی ایس او لکھنؤ
موبائل نمبر:9799863726

کچھ یادیں

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم تو اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ موت ایک حقیقت ہے تو کسی بھی انسان کی موت پر آنکھیں اشک بار اور دل میں درد کیوں ہوتا ہے؟ مجھ جیسے جاہل انسان کے لئے یہ بہت بڑا سوال تھا بہت غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ دراصل اس انسان کی خاصیت اس کی عدم موجودگی میں یادوں کی صورت میں ہمارے ذہن میں بار بار آتی ہے اور درد اور احساس کی لہروں میں طغیانی پیدا کرتی ہے جو آنکھوں کو نم اور دل کو غمگین کر دیتی ہے۔ اور اگر دنیا سے جانے والا خصوصیات کا مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ عزیز بھی ہو تو درد میں اضافہ ہونا لازمی ہے۔ مرحوم علامہ سید حسن عباس فطرت صاحب ان تمام خصوصیات کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ میرے چچا محترم اور خسر معظم تھے۔ بچپن سے ہی اپنے والد الحاج احمد رضا رضوی صاحب سے چچا محترم کا بہت ذکر سن رکھا تھا جس کے باعث میرا ان سے غائبانہ تعارف ہو چکا تھا۔ لیکن میں ان کی زیارت سے محروم تھا۔ اسی درمیان پونہ سے مجموعہ اخبار صداقت شائع ہونا شروع ہوا تو ہر ہفتہ بلا ناغہ ہمیں گورکھپور میں موصول ہوتا جس کے مطالعہ نے ہمیں انقلاب اسلامی ایران سے روشناس کرایا۔ بے حد دلچسپ انداز میں خبریں مرتب ہوتی تھیں۔ اس کی طباعت اور دیگر تکنیکی باریکیوں پر دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ بس ایران کی خبروں کو جاننے کی جستجو رہتی تھی۔ امام خمینیؒ صاحب کے بارے میں مولانا صاحب کے خیالات پڑھ کر ان کے لئے محبت اور عقیدت دل میں پروان چڑھتی گئی اور ان کی زیارت کی تشنگی بڑھتی گئی۔

بعد میں حصول تعلیم کے سلسلے میں گورکھپور سے علی گڑھ منتقل ہو گیا انجینئرنگ کی پڑھائی کے دوران میرا رجحان اردو ادب کی طرف بھی ہوا۔ ذریعہ معاش کی تلاش کے دوران پونہ جانے کا اتفاق ہوا اور پہلی بار ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ خوش مزاج، بے باک رعب دار چہرے پر بات کرتے ہوئے دوستانہ مسکراہٹ، ہماری شادی کے بعد ان کا لکھنؤ اور ہلور کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جس کے باعث ان کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملا۔

ویسے تو مولانا چچا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے لیکن ان کی ایک خوبی ذکر کرتا چلوں جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی مضبوط قوت ارادی۔ جس عزم کا عہد کر لیتے اسے ضرور پورا کرتے چاہے راہ میں جتنی رکاوٹیں ہوں اس سلسلے میں چند واقعات ذہن نشیں ہیں:

مرحوم نے مثانہ کا آپریشن کروایا تھا اسی سال انجمن وظیفہ سادات کی سالانہ میٹنگ ہلور میں ہونا طے پائی تھی۔ وہ لکھنؤ تک تو بخیریت پہنچ گئے اب ہلور کا مسئلہ درپیش تھا ڈاکٹر نے انہیں زیادہ دیر بیٹھنے سے منع کیا تھا بستی تک کا ریلوے سفر بھی انہوں نے بیٹھ کر کیا اس کے بعد ۶۵ کلو میٹر سڑک کے راستے سخت تکلیف کے باوجود وہ پہونچے اور اس اجلاس کا کامیاب انعقاد کیا۔ ان کے پکے ارادے کے آگے تکلیف کو بھی ہتھیار ڈالنا پڑا۔ میری باز پرس پر انہوں نے پیار سے سمجھایا تکلیفیں تو آتی جاتی رہتی ہیں یہ وقت یہ موقع دوبارہ کہاں آتا کہ اپنے وطن عزیز میں سالانہ اجلاس ہو۔ یہ واقعہ میرے لئے بڑا سبق تھا۔

دوسرا واقعہ مولانا غلام عسکری صاحب کی برسی کا ہے۔ وہ لکھنؤ تشریف لائے اسٹیشن پر میں انہیں اور چچی صاحبہ کو لینے کے لئے پہنچا انھوں نے بڑے پیار سے کہا میرا ایک کام کرنا ہے کل بجنور چلنا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ ابھی تو اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں پھر کل عازم سفر ہوں گے۔ مجھ دفتر میں چھٹی کی درخواست بھی دینی ہوگی۔ انہوں نے میرے تذبذب کو بھانپ لیا اور مخصوص انداز میں بولے کہ "لکھنؤ والا بجنور"۔ یہ سن کر میں فوراً راضی ہو گیا۔ اس وقت ان کے گھٹنوں میں شدید درد رہتا تھا موڑ کر بیٹھنا محال تھا اور میرے پاس صرف ایک اسکوٹر تھا۔ ٹیکسی وغیرہ بھی مشکل سے دستیاب

ISSN No.2455-636X

تھی۔ OLA, UBER کا کوئی وجود بھی نہ تھا۔لیکن انہوں نے یہ کہہ کر سارا مسئلہ ہی چٹکیوں میں حل کر دیا کہ "میں اسکوٹر پر آرام سے بیٹھ جاؤں گا" ان کی یادداشت غضب کی تھی کانپور روڈ پر لٹریری ہوم ہے۔جس میں مرحوم اپنی طالب علمی کے زمانے میں جایا کرتے تھے میں بجنور تک جانے کے راستوں سے ناواقف تھا۔اس وقت گوگل میپ بھی نہیں تھا۔فرمایا: پوچھنے کی ضرورت نہیں کسی سے، مجھے لٹریری ہوم کے آگے سے راستہ یاد ہے۔خیر ہم لوگ وہاں اچانک پہونچے تو حاضرین مجلس کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ان کا بہت ہی گرم جوشی سے استقبال ہوا مولانا صفی حیدر صاحب کا والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر ان سے بغل گیر ہونا مجھے آج تک یاد ہے۔سب سے آخر میں چچا نے تقریر کی اور سماں باندھ دیا مولانا غلام عسکری صاحب کی یادوں اور ان کے کارناموں کو انہوں نے اس طرح پیش کیا کہ سب سرشار ہو اٹھے۔واپسی سفر میں میں نے کہا کہ بہت اچھا محسوس ہوا ہے تو کہنے لگے: ایک ذاکر اہل بیت مومن اور عالم کی مجلس میں ذکر کئے جانے پر دل شادمان ہو جاتا ہے۔یہ بات آج مجھے بالکل محسوس ہو رہی ہے۔

لکھنا اور پڑھنا ان کے روح کی غذا تھی جو آخری وقت میں علالت کے باعث چھوٹ گیا۔ ۲۰۱۸ء کے ماہ اگست میں آخری بار وہ لکھنؤ تشریف لائے تھے تو سخت علیل تھے ان کے یہاں موجود ہونے کی خبر ملتے ہی ان کے مداحوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں ضمانت علی صاحب، ضمانت عباس صاحب، مدیر اصلاح جناب جابر جوراسی صاحب، منیجر اصلاح جابر صاحب کے بھتیجے جناب مہدی باقری صاحب، عین الرضا صاحب اور دیگر چاہنے والے جن سے مل کر ان کی طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا پھر بھی نقاہت برقرار رہی۔اصلاح کی طرف سے ان سے ایک مضمون لکھنے کی درخواست بھی ہوئی جسے انہوں نے فی الحال ٹال رکھا تھا۔مجھے پتہ تھا کہ قلم و قرطاس ہی ان کی دوا ہے۔ایک دن شام کو میں نے چچا محترم سے اس مضمون کے بارے میں دریافت کیا تو جواب دیا کہ لکھنے کا موڈ نہیں بنتا۔میرے اصرار پر انہوں نے لکھنا شروع کیا میں ان کے پاس بیٹھا رہتا اور کچھ نہ کچھ ادبی اور تاریخی معلومات حاصل کرتا رہتا۔رفتہ رفتہ پھر سے ان کے لکھنے کی رفتار میں اضافہ ہوا اور مضمون پورا ہونے کے ساتھ ان کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی۔پھر انہوں نے مطالعہ بھی شروع کر دیا۔

اللہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں ان کے درجات بلند کرے اور جوار معصومینؑ میں جگہ دے آمین۔

لکھنے کو بہت کچھ ہے لیکن باقی آئندہ پر موقوف کر کے میں اپنی اس تحریر کا اختتام ان کے پسندیدہ اشعار سے ایک شعر کے ساتھ کرتا ہوں۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب — موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا (چکبست)

❁❁❁

میرے نانا

جناب حسین رضا رضوی

نانا مرحوم حسن عباس صاحب میرے لئے ایک رول ماڈل تھے ان کے نواسوں میں مجھے سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کا بھرپور ساتھ، پیار، اور توجہ ملی۔جب وہ لکھنؤ آتے تو میں ان کا سایہ بنا رہتا، پونہ میں بھی میری دلچسپی کا مرکز ان کی ذات گرامی رہتی، گھر میں ان کے قصے کہانیوں سے لطف اندوز ہوتا اور باہر کی تقاریب اور اجلاس میں شریک ہوتا ان کے ساتھ آگے کی صف میں بیٹھ کر خود کو ایک اہم شخصیت سے کم نہیں سمجھتا۔جب کچھ شعور آیا تو ان سے مذہبی معلومات حاصل کرنے لگا۔وہ ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کر کے مجھے مطمئن کرتے اور ہم لوگوں سے سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں بھی دریافت کرتے۔ہم بچوں میں بچہ بن جاتے۔تاریخ جغرافیہ میں ان کا علم غضب کا تھا ادھر دو سال سے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں انجینئرنگ میں داخلہ کے بعد ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔اگر لاک ڈاؤن نہیں ہوتا تو اپریل میں ہمارا پونہ جانے کا ارادہ تھا لیکن یہ اللہ کو منظور نہ تھا کہ میں ان کا آخری دیدار کر سکوں اور ان کے جنازے کو کندھا دے سکوں ان کا وصال ہم سب کے لئے بڑا صدمہ اور علم و ادب کی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔اللہ ان کی مغفرت کرے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ISSN No.2455-636X

مہد سے لحد تک؟

خواہر صبا زہرا زیدی
پرنسپل جامعۃ الرضا، پونا

موت ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے کوئی فرار نہیں کرسکتا اور لاکھ جتن کر کے بھی اس سے دامن نہیں بچایا جاسکتا جس کی جانب قرآن مجید نے بھی واضح اشارہ کیا ہے کہ ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے: **کل نفس ذائقۃ الموت**

اس دنیا سے جو چلا جاتا ہے وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے کہ گویا تھا ہی نہیں جب کہ کچھ لوگ ایسی زندگی گزارتے ہیں کہ انہیں زندہ شمار نہیں کیا جاتا حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: هَلَكَ خُزَّانُ الْأَمْوَالِ وَهُمْ أَحْيَاءٌ۔ (مال ذخیرہ کرنے والے زندہ رہ کر بھی ہلاک ہو گئے) البتہ اس سے علماء مستثنیٰ ہیں جن کے بارے میں خود مولا علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں ارشاد فرمایا ہے: وَالْعُلَمَاءُ بَاقُونَ مَا بَقِيَ الدَّهْرُ مولا علیؑ کے اس ارشاد کے مطابق باعمل عالم مرتا ہی نہیں ہے بلکہ زمانے کے ساتھ ساتھ زندہ رہتا ہے۔

أَعْيَانُهُمْ مَفْقُودَةٌ، وَأَمْثَالُهُمْ فِي الْقُلُوبِ مَوْجُودَةٌ اگرچہ وہ آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہیں لیکن ان کی مثال دلوں میں موجود ہے۔ (حکمت ۱۴۷)

اس حدیث کے مطابق اور اسلامی نقطہ نظر سے صرف چلنا پھرنا، کھانا پینا یہاں تک کہ سانس لینا زندگی کی علامت شمار نہیں ہوتا بلکہ زندہ وہی ہے جو معاشرے کے لیے مفید اور دین کے لیے سربلندی کا باعث ہو، یا یوں کہا جائے کہ جس کی زبان اور جس کا قلم اور جس کا عمل جتنا زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے چراغ ہدایت ہوگا اتنا ہی زیادہ زندگی کی علامتیں اس میں عیاں ہوں گی۔

اسی لئے اہلبیت علیہم السلام نے ہم سے ایسی ہی خدمت و مدد کا مطالبہ کیا ہے اور وہ ہمیں ایسا ہی باحیات دیکھنا چاہتے ہیں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: لکن أعینونی بورعٍ و اجتهادٍ (نہج البلاغہ مکتوب ۴۵)

اہلبیت کی مدد کا ایک ذریعہ ورع و پرہیزگاری ہے اور اگر کوئی ورع و کوشش کے ساتھ ساتھ علوم آل محمد کو نشر کرتا ہے اور قلم و زبان کے ذریعے ان کی مدد کرتا ہے تو ان ہستیوں کا جوار پاتا ہے اور ان کی مقدس نگاہ میں وہ باعظمت ہو جاتا ہے جیسا کہ ہشام بن حکم کی علمی کاوشوں کی وجہ سے اہلبیتؑ کی نظروں میں ان کا عظیم مقام تھا کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اس جواں سال شاگرد کا احترام کیا اور کچھ لوگوں کو یہ گراں گزرا تو امام نے جواب دیا: هذا ناصرنا بقلبه ولسانه ويده، یہ اپنے دل، زبان، اور اپنے ہاتھوں سے ہمارے مددگار ہیں۔

اگر علماء معاصر کی بات ہو کہ اہلبیت کی نظروں میں ان کا کیا مقام تھا تو اس کا بہترین ثبوت علامہ امینیؒ کا یہ واقعہ ہے جسے علامہ امینی کے بیٹے محمد ہادی امینی نے نقل کیا ہے کہ میرے والد کے انتقال کے بعد علامہ بحر العلومؒ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے والد یعنی علامہ امینی کے انتقال کے بعد وہ بہت فکرمند تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرے والد نے اہلبیت علیہم السلام کی جو خدمت کی ہے اس کا انہیں کیا صلہ ملا اور مولا علیؑ کی نظروں میں ان کا کیا مقام ہے؟ علامہ بحر العلوم کہتے ہیں کہ میں نے عالم خواب میں دیکھا ایک حوض کے کنارے مولا علی علیہ السلام تشریف فرما ہیں لوگ آتے ہیں اور مولا انھیں جام آب پیش کر رہے ہیں جب علامہ امینی کی باری آئی اور وہ آگے آئے تو مولا علی علیہ السلام نے جام رکھ دیا اپنی آستین چڑھائی، ہاتھوں سے چلو بنایا اور اس میں پانی بھرا اور علامہ امینی کو سیراب کرتے ہوئے فرمایا: بَيَّضَ اللهُ وَجهَكَ

ISSN No.2455-636X

کہا اُبَیِّضَت وجہی خدا تم کو سرخرو کرے جس طرح تم نے مجھے سرخرو کیا ہے۔گویا اہلبیت کی بارگاہ میں ہر ایک کو اس کی دینی خدمات محنتوں اور کوششوں کے مطابق اجر اور مقام حاصل ہوتا ہے۔(الغدیر و وحدت اسلامی ۳۶)

یہی نہیں بلکہ دینی خدمات اور تبلیغ دین سے انسان کی حیات دوام کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و وقار کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور وہ اسے انمول بنا دیتی ہے: جیسا کہ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے "قیمۃ کلّ امرءٍ ما یحسنہ"

.ہر انسان کی قدر و قیمت اور اہمیت اس کے علم اور فن کے مطابق ہوتی ہے۔

تاریخ میں کچھ ایسے علماء بھی پیدا ہوئے ہیں جن کی علمی تشنگی کا یہ عالم تھا کہ اس دنیا سے جاتے وقت بھی انھیں علمی تشنگی بجھانے کی فکر تھی جیسا کہ ابو ریحان بیرونی کو وقت نزع بھی اپنی مادی پیاس سے زیادہ معنوی تشنگی کی تسکین کا خیال تھا چنانچہ جب ان کا ایک دوست ان کی عیادت کے لیے آیا تو وہ اس سے اپنا جسمانی درد بیان کرنے کے بجائے ایک علمی مسالہ پوچھتے ہیں جس سے اس کو بھی تعجب ہوتا ہے کہ اس دار فانی سے کوچ کرنے کے لئے جس کی تیاری مکمل ہو چکی ہو وہ اس علمی مسالہ کو جاننے کے لیے اتنا فکر مند ہے مگر ابو ریحان بیرونی کی روح کو بھی اسی وقت قرار آیا جب انہوں نے اپنے سوال کا جواب حاصل کر لیا اور اطلبوا العلم من المھد إلی اللحد علم حاصل کرو گہوارہ سے لے کر قبر تک پر مکمل طور سے عمل کر کے دکھا دیا۔

مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کی ذات لحد تک حصول علم کی مصداق ہی نہیں بلکہ اس علم کو دوسروں تک منتقل کرنے والے قافلے کے سربراہوں میں شامل تھی اور اس لگن اور جنون نے ان کی قدر میں کتنا اضافہ کر دیا تھا اس کا اندازہ ناممکن ہے۔

ان کی زندگی کے آخری ایام شاہد ہیں آخری دن تک جن چیزوں سے انہیں سب سے زیادہ شغف رہا ان میں نئی نئی کتابوں کی تلاش اور دوسری قلمی خدمات کہی جا سکتی ہیں بہت دفعہ یہ بھی دیکھا گیا کہ بیماری اور مرض کے باوجود حالت نقاہت میں لیٹے رہتے تھے تو ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی اور آپ اس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

اس کے علاوہ انہوں نے متعدد کتابیں تحریر کیں، آپ نے علوم آل محمد علیہم السلام کو نشر کرنے کے لئے حوزہ علمیہ جامعۃ الرضاؑ کی بنیاد رکھی جس میں بہت سارے طلاب اور مبلغین نے تربیت پائی بعد میں جب یہ مدرسہ طالبات کے لئے مخصوص کر دیا گیا تو مولانا مرحوم ضعیفی کے باوجود جب مدرسہ آتے تھے تو خواہران کو بڑے جوش و ولولہ کے ساتھ درس دیا کرتے تھے۔اور ان کے ہنری اور ثقافتی امور کے شہ پاروں یا شہزادی کائنات حضرت فاطمہ زہراؑ کے سالانہ جشن ولادت میں مدرسے کی سجاوٹ اور آرائش کو دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے،مسئولین اور اساتذہ کو بھی اپنی ہدایات سے نوازتے رہتے تھے،حق تو یہ ہے کہ آپ کی کمی ہم سبھی کو ایک زمانہ محسوس ہوتی رہے گی۔

خدا سے دعا ہے کہ ان کے درجات میں اضافہ کرے اور جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت کرے اور ہم سب کو بابرکت زندگی نصیب فرمائے۔ ❁❁❁

تصحیح: لاک ڈاؤن کی وجہ سے راقم السطور کا قیام مسلسل ڈھائی مہینے سے زائد عرصہ تک وطن میں رہا دوائیں ختم ہوجانے کی وجہ سے بینائی پر مزید اثر پڑا۔اداریہ وغیرہ بول کر ٹائپ کرانا مجبوری ہے۔گزشتہ شماروں کے اداریے فون پر ٹائپ کرائے گئے مئی کے شمارہ میں صفحہ ۱۲ پر ایک لفظ برعکس ٹائپ ہو گیا ہے۔"تعصب چھوڑ ناداں (داناں نہیں) دہر کے آئینہ خانہ میں"۔اسی شمارہ کے صفحہ ۱۴ پر دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین مرکزی حکومت کی سب سے بڑی جماعت سے متعلق ہونا غلط تحریر ہو گیا ہے معلوم ہوا ہے کہ ان کا تعلق دہلی کی صوبائی حکومت کی حکمراں جماعت سے ہے۔اور بھی غلطیاں ہو گئی ہوں گی تصحیح فرمالیں۔(مدیر)

آہ استاذ مہربان

خواہر کنیز صغری
مدرسہ بنت المصطفیٰ (اصفہان، ایران)
(فاضلہ جامعہ رضا، پونا)

دنیا میں لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ہر روز جاری ہے۔ یہاں اکثر لوگ گمنامی میں جیتے ہیں اور اسی حالت میں رخصت ہو جاتے ہیں مگر کچھ لوگ اپنی محنت، لگن اور خدمتِ خلق کے سہارے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں اور ان کی موت کے بعد ان کی ضرورت کا احساس کچھ اور زیادہ ستانے لگتا ہے۔ ایسی ہی حسین زندگی گزارنے والوں میں ایک نام مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کا بھی ہے جن کی رحلت کی خبر ان کے مدرسہ جامعۃ الرضا (پونہ) کے اساتذہ، اسٹاف اور طالبات کے نحیف دلوں پر پہاڑ بن کر گری اور ہندوستان کے سبھی علمی اور ادبی حلقوں سے تعلق رکھنے والوں کی آنکھیں فرطِ غم سے چھلک اٹھیں۔ ہم نے علمی و ادبی اور صحافتی دنیا کا ایک قیمتی اثاثہ کھو دیا۔

آپ نے پوری زندگی تعلیم کے فروغ اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے گزار دی۔ چھوٹے بڑے سب اس بات کے معترف ہیں کہ مرحوم بہترین معلم، بے باک صحافی، اچھے خطیب، بامعرفت شاعر اور زبردست مؤلف اور مترجم تھے۔ آپ نے متعدد کتابوں کے ترجمے کئے اور ہفت روزہ اخبار بنام "صداقت" جاری کیا۔ متعدد رسالوں کے مدیر اعزازی یا مجلس مشاورت کے ممبر بھی رہے۔ اس کے ساتھ آپ نے پونہ شہر میں جامعۃ الرضاؑ کی بنیاد ڈالی اور اس کی مدیریت اور سرپرستی بھی فرماتے رہے۔

ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ ان کی شخصیت کی جملہ خصوصیات پر روشنی ڈال سکیں۔ علامہ فطرتؒ ہم بچیوں کے لئے ایک مربیِ اخلاق تھے۔ درس اخلاق کے دوران اخلاقی و ادبی باتیں بتاتے تھے اور ہماری حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ہمارے لئے ایک شفیق باپ کی مانند تھے۔ ان کا ایک جملہ آج بھی ذہن میں گونجتا رہتا ہے: "محنت اور کوشش کرو، پتہ نہیں تم میں سے کونسی بچی کس مقام پر پہنچ جائے۔" آج افسوس اس بات کا ہے کہ جس طرح سے ان سے مستفید ہونے کا حق تھا اس طرح ہم ان کے علم و تجربہ سے فیضیاب نہ ہو سکے۔

وہ ہمیں اپنی طالبعلمی کے واقعات سناتے تھے اور اپنے قائم کردہ مدرسہ (طلاب) کے دور کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ وقت بھی آیا ہے کہ ہم ہی یہاں استاد بھی تھے، ہم ہی مدیر تھے اور ہم ہی باورچی تھے اور ہم ہی وارڈن تھے یعنی انہوں نے اپنے لئے کوئی کام عار و شرم نہیں سمجھا۔

آپ اکثر یہ شعر دہراتے رہتے تھے:

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا　　　مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

اتنی ضعیفی اور علالت کے باوجود آپ مدرسے میں درس دینے کے لئے آتے تھے۔ ساری بچیوں کو گلستان سعدی کے باب ۸ کی زیراکس کروا کے دی اور ہم لوگوں سے نثر و نظم پڑھواتے تھے۔ اشعار کے بارے میں یوں توجہ دلاتے تھے کہ شعر کے وزن اور ردیف و قافیہ کو مدنظر رکھ کے شعر پڑھا جائے۔ میر انیسؔ کے مرثیوں کے ذریعہ ہمیں شعر پڑھنا سکھایا۔ لکھنے کے بارے میں زور دیتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ لکھا جائے۔ تقریر اور مجلس میں اس بات پر زور دلوایا کہ آیاتِ قرآن اور احادیث کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھا جائے۔ ماہنامہ اصلاح میں امام رضاؑ سے متعلق آپ کا مضمون شائع ہوا تو وہ بھی ہم بچیوں کو پڑھنے کے لئے دیا، امام رضاؑ کے متعلق مضمون لکھنے کے بعد آپ نے یہ خواہش بھی کی تھی کہ ایک بار پھر دل چاہتا ہے کہ زیارت کے لئے موقع فراہم ہو جائے؛ افسوس آپ کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ **بقیہ صفحہ 105 پر**

ISSN No.2455-636X

شجر سایہ دار نہ رہا

ڈاکٹر نور فاطمہ رضوی
لکھنؤ موبائل نمبر:9794403030

آہ! والد محترم جن کے آگے مرحوم لکھنے میں قلم کانپ جاتا ہے ان کے بارے میں لکھنا ان کی یادوں، خصوصیات اور صفات کو ان محدود صفحات میں قلم بند کرنا کوزہ میں سمندر کو سمیٹنا ہے۔ اردو سے عشق اور لکھنے کا خمیر مجھے کچھ حد تک وراثت میں ملا تھا۔ ممبئی سے شائع ہونے والے انقلاب میں بچوں کی کہانیاں اور مزاحیہ کالم میں نے لکھے جس کی مجھے ابا کی طرف سے بہت پذیرائی ملی۔ تعلیمی میدان میں میری قابل ذکر کارکردگی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مجھے میڈیکل کی پڑھائی کی جانب مائل کیا۔ وہ تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے ان کی آرزو کی تکمیل میں جٹنا پڑا تو ہر مشقت پڑھائی، فرائض اور دیگر خانگی ذمہ داریوں کے مدنظر لکھنے کا جذبہ پرورش نہ پاسکا۔

زندگی کے ابتدائی ایام میں مجھے ان کی رفاقت زیادہ میسر نہیں ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب معاشی جدوجہد اور اپنے اشتیاق ذوق میں وہ سرگرداں رہا کرتے تھے کبھی فریقہ کبھی ماریشش تو کبھی مڈغاسکر، ذی ہوش ہوتے ہوئے وہ شخصیت جس سے میں مرعوب اور خائف رہا کرتی تھی انہیں بہت ہی خوش مزاج، نرم خو اور دوستانہ طبیعت کا حامل پایا۔ جہاں وہ اپنے ہم عمر ہم عصر ساتھیوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے بزرگوں سے مودبانہ تعلقات استوار رکھتے وہیں بچوں کی بھی بے حد مقبول شخصیت تھے۔ قلم و قرطاس سے انسیت اور مطالعہ کا جنون ان کے رہن سہن اور وضع قطع سے ظاہر تھا۔ ممبئی کے مختصر سے رہائش گاہ میں بھی ان کا کتب خانہ منظم رہتا۔ اپنے پدر بزرگوار مرحوم اظہار حسین کی دیرینہ خواہش کو پورا کرتے ہوئے انہوں نے لکھنؤ اور فیض آباد سے مولویت کی تعلیم حاصل کی خطابت کے میدان میں بھی اپنے جھنڈے گاڑے۔ اہلبیتؑ کی ذاکری کے ساتھ ادبی، ثقافتی اجلاس میں وہ بہترین مقرر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اپنے قلم سے جب ان کا ناطہ منسلک ہو جاتا تو نہ ماحول کی خنکی کا انہیں کوئی احساس ہوتا اور نہ خشک و گرم ہوائیں ان پر اثر انداز ہوتیں۔ وہ صرف اپنی تحریروں کے لئے ہی نہیں اپنی ہر مہم اور مقصد میں ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ عہد وفا کے لئے نہ وہ اپنی طبعی حالت کو خاطر میں لاتے اور نہ ہی کسی اور مادی شے کو ترجیح دیتے۔ انقلاب کا ہفتہ واری کالم، رفتار زمانہ، قارئین میں مقبول تھا جسے وہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد وہاں منعقد اجلاس اور سیمینار زیارات میں شرکت کی وجہ سے جاری نہیں رکھ پائے۔ ایام طفلی میں بے حد فخر سے میں اپنی ہم جماعت طالبات کو اخبار میں شائع ان کی تصاویر دکھایا کرتی۔ ان کا ایک انٹرویو جس کا عنوان میری یادداشت میں نہیں ہے ممبئی دوردرشن پر نشر ہوا تھا جسے سارے محلے نے دیکھا اور پسند بھی کیا تھا۔

ان کے مضامین کی زبان بہت دقیق اور فصیح ہوا کرتی تھی جو صاحب عقل و فہم ہی سمجھ پاتے لیکن ان کے ذخیرے میں طنزیہ خاکے، مختصر سفرنامے، ہلکے پھلکے انشائیے، شاعری اور افسانے بھی شامل ہیں جو ہر خاص و عام کے لئے ہیں۔

پونہ میں صداقت نیوز ایجنسی کے ذریعہ انہوں نے ہفتہ وار پرچہ مجموعہ اخبار صداقت کی شروعات کی جس سے ان کی منفرد اور منظم صحافت کے فن کے اور جوہر کھلے۔ اپنے اداریے کے علاوہ وہ تمام ملکی اور غیر ملکی خبروں کو بھی شامل کرتے تھے۔ کھیل کی دنیا میں کرکٹ سے انہیں بہت رغبت تھی اپنے ملک کی ٹیم جب میدان میں برسرپیکار ہوتی تو وہ اپنے دیگر مشاغل ترک کر کے آخر تک اس مقابلہ کو دیکھتے۔

ISSN No.2455-636X

وہ سخت گیر باپ ہرگز نہ تھے مگر ان کی اور والدہ مرحومہ کی اعلیٰ تربیت اور ان کی تقلید کا نتیجہ ہے کہ الحمدللہ بچپن سے صوم صلوٰۃ کی پابندی اور دینی امور کی واقفیت حاصل رہی ان کی دی ہوئی تربیت ہم اپنی اگلی نسل میں بھی منتقل کرنے میں کوشاں ہیں۔

وہ وقت سے آگے چلنے والے اور ترقی پسند تھے۔ زندگی کے جدید وسائل اور جائز ضروریات کو سب سے اول ہمیں فراہم کرانے کی جدوجہد میں رہتے۔ وہ کسی کے ماتحت رہ کر کام کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ اپنی شناخت خود بنانے پر یقین رکھتے تھے۔ تجارت کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور تمام جائز اصول اور طریقوں کو استعمال کرتے ہوئے اس میں بھی منافع کمایا۔

سیلانی طبیعت کے تھے ان کا رخت سفر ہمیشہ بندھا رہتا۔ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود خاندان کی ہر مسرت یا پر غم تقاریب میں پیش پیش رہتے تھے۔ تحائف دینے کے بے حد شوقین تھے۔ کنبہ پرستی اور صلہ رحمی میں اپنی مثال آپ تھے۔ مسائل کو بیان نہ کر کے ان کے تدارک کی تدبیر کرنا ان کی خاص فطرت تھی۔ ان کے لکھے ہوئے خطوط کسی بیش بہا خزانہ کی طرح میں نے محفوظ کر رکھے ہیں۔

زندگی کے آخری ایام میں اپنی منجھلی بیٹی کی ناگہانی موت کے صدمے کو وہ بمشکل برداشت کر پائے اور بس محض اس صدمہ جانکاہ کے آٹھ ماہ بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ نے سال کے بہترین مہینہ رمضان کی بہترین تاریخ ۲۷ر کے بہترین دن شب جمعہ کی ساعت ان کی روح قبض کرنے کے لئے مقرر کی۔ جس طرح حالت نزع میں اللہ نے ان پر رحمتوں کی بارش نازل کی۔ اسی طرح عالم برزخ میں اور پل صراط پر ان کی رہنمائی اور شفاعت محمد وآل محمد کریں آمین۔ اور انہیں خدا جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ✿✿✿

صفحہ 40 کا بقیہ

فقد سرنی اذ قلت انک مومن　　فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرا

جب آپ نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو میں پھولا نہیں سمایا اب تو بس خالصۃ لوجہ اللہ رسول اللہ کی حمایت کرتے رہیئے۔

وَنَادِ قریشاً بالذی قد آتیتہ　　جھارا و قل ما کان احمد ساحرا

جس مقصد سے آپ حلقہ اسلام میں آئے ہیں اس کے تحت قریش کو پکار کر کہہ دیجئے کہ محمدؐ جادوگر نہیں (معجزنما ہیں)

آنحضرتؐ کی مکی زندگی کا سب سے دردناک واقعہ یا تو شعب ابوطالب میں محصوری کا ہے یا ہجرت حبشہ جس میں اٹھارہ مرد و عورت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جان بچانے کی خاطر افتاں وخیزاں اتھوپیا پہنچے ٹوٹی ہوئی کشتیوں اور خوف و امید کے بادبان کا سہارا لے کر ایمان کے مضبوط چپوؤں کے بل پر اور ان سب کے سردار و نقیب تھے جناب جعفر طیار ابن ابی طالبؑ وہاں پہنچنے پر مشہور ہے کہ نجاشی نے ان کو پناہ دی اور ان کی آسائش کا انتظام کیا۔ لیکن یہ کسی کو معلوم ہے؟ کہ ان مہاجرین کے پہنچنے سے قبل ہی حضرت ابوطالبؑ شاہ حبشہ نجاشی کو دعوت اسلام دے چکے تھے؟ جو خط تو تھا مگر نثر میں نہیں بلکہ نظم میں تھا۔ اس خط کے تین اشعار قارئین کی نذر ہیں:

الم تعلم ملک الحبش ان محمداً　　نبی کموسیٰ والمسیح ابن مریم

اے حبش کے شہنشاہ کیا آپ کو خبر نہیں کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم کی طرح محمد بھی اللہ کے نبی ہیں۔

وانکم تتلونہ فی کتابکم　　بصدق حدیث لا حدیث المرجم

آپ نے اپنی کتاب میں ان کا حال پڑھا ہی ہے کہ وہ صادق القول ہیں اور من گھڑت باتیں نہیں کرتے۔

فلا تجعلو للہ ندا اسلموا　　فان طریق الحق لیس بظلم

دیکھئے اب آپ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں اور مشرف بہ اسلام ہو جائیں کیونکہ راہ حق روشن ہوتی ہے تاریک نہیں ہوتی"۔

ISSN NO.2455-636X

تعزیتی پیغامات

(۱) مولانا سید حسن عباس فطرت وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے:

مولانا سید ذوالفقار رضوی، موسس و مدیر انٹرنیشنل اسلامک لنک لندن یو کے

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت جنھیں مرحوم لکھتے ہوئے دل نہایت رنجیدہ ہے ایک روشن فکر عالم دین اور وسیع المشرب انسان تھے۔ بلکہ یہ کہنا ہرگز کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے! میں نے سب سے پہلے انھیں بمبئی کی خوجہ اثنا عشری مسجد میں ایک امام جمعہ و جماعت کی شکل میں دیکھا تھا، اسی مسجد کے منبر پر ان کے کچھ مواعظ بھی سُنے تھے۔ اور اسی شہر سے شائع ہونے والے روزنامہ انقلاب اور اس وقت کے نہایت مشہور اور مقبول ہفت روزہ بلٹز (اردو) کے صفحات پر ان کی ادبی اور صحافتی تحریریں بھی پڑھیں تھیں اور اسی وقت سے دل پر ان کی ہشت پہلو شخصیت کا ایک پُرکشش اثر قائم ہو گیا تھا۔ بعد میں ان سے لکھنؤ اور تہران کی بعض قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر ملاقات میں قربتیں بڑھتی ہی رہیں۔ پھر جنوری سنہ ۱۹۹۰ میں یہ موقع بھی میسر آیا کہ ہم نے اپنے ادارے سفینۃ الھدایہ کی جانب دہلی میں منعقد ہونے والے امام خمینیؒ سیمینار میں انھیں شرکت کی دعوت دی۔ اس وقت وہ پونے میں مستقل طور پر قیام اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ وہ پونے سے دہلی تشریف لائے اور ہمارے سیمینار میں بہت ہی انہماک اور محبت کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس موقع پر ایک میزبان کی حیثیت سے انھیں اور بھی قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد سے وہ برابر کسی نہ کسی طور پر رابطے میں رہے اور ہمارے درمیان میں خیر سگالی اور احوال پُرسی کی وضع داری قائم رہی۔ یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ وضع داریاں ان پر ختم تھیں۔ یوں تو ان کی تحریروں میں بہت تنوع تھا لیکن اردو کے صحافتی حلقے انھیں بطور خاص امام خمینیؒ کے انقلاب اسلامی کی ترجمانی کے لیے ضرور یاد رکھیں گے۔ انھوں نے دل کھول کے بڑے حوصلہ کے ساتھ اس انقلاب کی حمایت میں قلم فرسائی کی اور حق و صداقت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ ان کی کتاب "امام خمینی بے مثال رہبر" اردو میں ان کی ایک یادگار تصنیف ہے۔ پروردگار انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل کرامت فرمائے۔

(۲) ادیب عصر حجت الاسلام والمسلمین آقائے سید حسن عباس فطرت مرحوم و مغفور نے طویل علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہی اناللہ۔۔۔:

حجۃ الاسلام مولانا سید احتشام عباس حشم جونپوری، حوزہ علمیہ قم

کسے پرسہ دوں ان کے فرزند تک دست رس نہیں ان کا تو کم نقصان ہوا بلکہ کچھ دنیاوی فائدہ ہی ہوگا ہاں قوم کا بڑا نقصان ہوا اس لیے پوری قوم کو پرسہ دیتا ہوں۔ مولانا ادیبوں میں نمایاں ادیب علماء میں صاحب علم و فضل انسانوں میں خوش اخلاق اور بذلہ سنج انسان تھے ہم عصروں میں اپنی خاص شناخت رکھتے تھے اپنے سے چھوٹے معاصرین سے بھی انتہائی محبت فرماتے تھے۔ میری نظر میں آپ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے آغاز حیات سے انجام تک اپنی شناخت نہیں بدلی۔ ماضی میں دینی مدارس میں تشریف لانے والے کتنے ایسے اہل ادب اور شعراء گزرے ہیں جنھوں نے مدرسوں سے نکلنے کے بعد اپنے ماضی کو حقیر سمجھا اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا لیکن مولانا نے مدرسہ کی روٹی کا بڑا لحاظ رکھا اور ادب و ثقافت کے میدان میں اپنا لوہا منوانے کے باوجود دینی خدمات سے بھی وابستہ رہے اور ادب و ثقافت کی دنیا کے بھی مرد میداں بنے رہے۔ بلٹز کے کالم اور سفرنامے کسے یاد نہیں ہیں۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد آپ کے قلم نے ایک نئی انگڑائی لی اور ادب و مذہب کے امتزاج سے پھر ایک قاموسی ذخیرہ سامنے آیا جو ہم سب کے لیے مشعل ہدایت ہے۔ خدا برا کرے اس قحط رجال کا کہ اس نے ہمارے دامن میں کچھ نہیں چھوڑا۔ وہ تا دیر ہمیں یاد آتے رہیں گے۔

(۳) حجۃ الاسلام مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کا سانحہ ارتحال اک قومی نقصان ہے:

الحاج مولانا مہدی حسن واعظ جلال پوری، موبائل نمبر: 9452171923

وہ ایک اچھے عالم بھی تھے اور ایک اچھے انسان بھی۔ بقول مرزا غالب:

گرچہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا | آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مرحوم کا وطن بلور تھا مگر مستقل قیام پوپنہ میں تھا۔ دونوں جگہ میری ملاقاتیں رہیں مختلف دینی کانفرنسوں میں بھی روبرو ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

صاف گوئی، اور بے باکی ان کی خاص پہچان تھی مگر ایسی نہیں جو دل شکنی کا سبب ہو بلکہ خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم۔ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو کے قائل تھے۔ وہ اک زاہد خشک کی طرح نہ تھے بلکہ جذبات عمل سے بھی مالا مال تھے۔ مدرسہ ناظمیہ اور سلطان المدارس دونوں دانشکدوں میں استفادہ علمی فرمایا۔ تاریخ سلطان المدارس میں خود تحریر فرمایا کہ میرے ہمعصروں میں مولانا شبیہ الحسن نونہروی، مرتضیٰ حسین فاضل، سید محمد اکبر پور، مولانا غلام مرتضیٰ، مولانا کلب عابد وغیرہ سرفہرست ہیں۔ مدرسہ ناظمیہ سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل فرمائی اور مفتی احمد علی، مولانا ایوب حسین، مولانا رسول احمد جیسے اساتذہ سے کسب فیض فرمایا۔ پھر قم مقدسہ میں ۳ سالہ قیام میں آیت اللہ مرعشی طاب ثراہ کے دروس میں شریک ہو کر نہ صرف یہ کہ زیور علمی سے اپنے کو آراستہ و پیراستہ کیا بلکہ خودداری خوف خدا محاسبۂ نفس، بردباری جیسے صفات حسنہ کو حد کمال تک پہونچایا۔

وہ اک برجستہ صاحب قلم تھے صداقت اور ماہنامہ اصلاح میں ان کے رشحات قلم باسر ونواز ہوتے تھے۔ افسوس کہ بلور جیسی مشہور و معروف بستی میں ۱۹۵۳ء میں لباس وجود سے آراستہ ہونے والا ۲۰۲۰ء میں ۸۵ سالہ عمر میں ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین محترم سورہ حمد و توحید کی تلاوت فرما کر قبلہ مرحوم کو ایصال ثواب فرمائیں۔

(۴) مولانا کی رحلت سے قوم کا عظیم خسارہ ہے: حجۃ الاسلام مولانا سید منظر صادق زیدی، لکھنؤ

اناللہ وانا الیہ راجعون، بلند پایہ مصنف، ادیب و نقاد، بے باک صحافی، متعدد سماجی و مذہبی اداروں کے روح رواں، مدرجہ بذلہ سنج و نکتہ رس، درجنوں کتابوں کے مصنف، ہمدم فعال، قوم وملت کے ہمدرد و بزرگ عالم دین مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کی رحلت قوم کا عظیم خسارہ ہے رب کریم مرحوم کے درجات بلند فرمائے، جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا کرے آمین ثم آمین

(۵) بہترین مبلغ اور ملت کا درد رکھنے والے تھے: حجۃ الاسلام مولانا سعید رضائی، امام جمعہ جلالی پور

اناللہ وانا الیہ راجعون سانحہ ارتحال علامہ سید حسن عباس فطرت صاحب قبلہ مرحوم قوم وملت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ جو ایک عالم باعمل اور شریعت حقہ کے لئے بہترین مبلغ اور ملت کا درد رکھنے والے تھے۔ انکے جانے سے جو خلا واقع ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہو سکتا۔ بہرحال قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ بارگاہ معبود میں دعا ہے کہ بحق محمد وآل محمد مولانا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

(۶) زبان وقلم کی دھنی فعال علمی شخصیت: حجۃ الاسلام مولانا سید حمید الحسن زیدی، الاسوہ فاؤنڈیشن سیتاپور

اناللہ وانا الیہ راجعون انتہائی افسوسناک خبر موصول ہوئی کہ ہندوستان کے ایک بزرگ عالم دین حجۃ الاسلام والمسلمین عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا اس دور قحط الرجال میں بقیۃ السلف اور فعال شخصیت کا فقدان وطن عزیز ہندوستان کے پورے شیعہ سماج کا ایک بہت بڑا نقصان ہے مختلف دینی اور سماجی شعبوں میں تقریبا پون صدی پر مشتمل آپ کے خدمات ناقابل فراموش ہیں زبان وقلم دونوں کے دھنی، بلا کا حافظہ اور تاثر نگاری کی بالکل منفرد کیفیت آپ کی شخصیت کو ممتاز بناتی تھی ہفتہ وار صداقت سے لیکر ہندوستان کے تقریبا تمام معتبر رسالے آپ کے مضامین کو اپنے لیے زینت سمجھتے تھے انقلاب اسلامی ایران کے ابتدائی دور سے راہ اسلام اور ندائے اسلام جیسے اردو زبان رسالوں میں انقلاب کی حمایت اور عالمی استکبار کی نقاب کشائی سے آپ نے جوان نسل کو اس عظیم اور آفاقی انقلاب سے روشناس کرانے میں انتہائی نمایاں کردار ادا کیا زبانی بیانات سننے کا تو بہت کم اتفاق ہوا لیکن تحریروں کی چاشنی سے لطف وسرور کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی اس کا احساس ارباب ادب بخوبی رکھتے تھے جامعۃ المصطفیٰ الامامیہ و جامعہ ام الزہرا سیتاپور بزرگ عالم دین کے سانحہ ارتحال پر بارگاہ مقدس امام عصر عج علما مراجع تمام حوزات علمیہ خصوصا جامعہ امام رضا علیہ السلام للبنات موصوف کی صحافتی یادگار ہفتہ نامہ صداقت اور پورا شیعہ سماج کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے خدا غریق رحمت کرے اور جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے اور انکے خدمات کو نئی نسل کے لیے مشعل راہ قرار دے

(۷) ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے: حجۃ الاسلام جناب مولانا شمشیر علی مختاری صاحب، مدیر مدرسہ جعفریہ کوپا گنج ضلع مئو

ISSN No 2455-636X

حجۃ الاسلام والمسلمین الحاج مولانا سید حسن عباس صاحب قبلہ فطرتؔ کی خبر رحلت گروپ کے میسیج میں پڑھ کر سکتہ سا طاری ہو گیا۔نہیں معلوم خدا ہم ہندوستانی شیعیان علیؑ و محبان محمد و آل محمد علیہم السلام کو کن آزمائشوں میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔۔۔۔ہندوستان میں دنیائے تشیع کے محکم ستون یکے بعد دیگرے منہدم ہوتے جا رہے ہیں اور تا حد نگاہ ان کے نعم البدل نظر نہیں آتے۔۔۔۔اب کہاں سے ایسا شخص لایا جائے جو تنہا بہت سارے کمالات اور ایسی خصوصیات کا مالک تھا کہ ان میں سے کسی ایک منزل تک پہونچنے کے لئے کبھی کبھی عام انسانی عمر نا کافی ہوتی ہے۔۔۔۔مرحوم بہترین معلم، بے باک صحافی و نقاد، مخلص مبلغ، اچھے خطیب، بامعرفت شاعر، شاندار مصنف و مولف و مترجم، قوم و ملت کے دل سوز مفکر، خوش اخلاق اور انتہائی مہمان نواز، عبادت گذار، مرد مومن تھے ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

خدا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔پسماندگان و جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔وقت کے امام عجل اللہ فرجہ الشریف، مقام معظم رہبری، مراجع کرام، آیات عظام، علماء و طلاب ذوی الاحترام نیز تمام مومنین کی خدمت میں تعزیت و تسلیت پیش کرتے ہوئے بارگاہ خداوند کریم میں دعا گو ہوں کہ خدا خدمت گذار علماء کی جگہ پُر فرمائے اور قوم و ملت کے ہمدرد تمام حضرات کی حفاظت فرمائے۔آمین"۔

(۸) علامہ حسن عباس فطرت کا انتقال ملت جعفریہ کا ایک عظیم نقصان ہے: حجۃ الاسلام مولانا مظاہر حسین صاحب، پرنسپل مدرسہ باب العلم مبارکپور

ایک صاحب کمال، فقید المثال، جلیل القدر عالم دین، نابغہ روزگار، قوم و ملت کے بے لوث و بے مثال خدمتگذار، سادہ لوح، پاکیزہ کردار، اسلاف کے کمالات عظیمہ و صفات حمیدہ کے آئینہ دار، علوم آل محمدؐ کے حامل، صاحب آثار، اقلیم صحافت و ادارت کے پادار، پرمزاح، ہنس مکھ، بے باک قلمکار، نقد و تبصرہ و تراجم و تشریحات کے فنکار، تبحر علمی، جلالت روحانی و عرفانی چہرے سے آشکار، شیفتہ و فریفتہ ائمہ اطہار، عاشق کردگار، تہجد گذار، انقلاب اسلامی کے بنیان گذار حضرت آیۃ اللہ العظمی امام خمینی قدس سرہ و رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ کے پیروکار، ایک عظیم مفکر، معلم، مدرس، مصنف، محقق، مدبر، مجاہد، مداد العلماء افضل من دماء الشہداء، کے مصداق و آئینہ دار، حجۃ الاسلام والمسلمین عالی جناب مولانا سید حسن عباس فطرت بلوری نے داعی اجل کو لبیک کہا اور راہی ملک بقا ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ۔ یہ خبر دل و دماغ کو برماگئی، حواس گم ہو گئے، ملت جعفریہ کے لئے ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔اس لئے معصوم نے فرمایا۔ اذا مات الفقیہ ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسد ھا شئی۔جب کوئی عالم فقیہ مرجاتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا شگاف پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی شئی پُر نہیں کر سکتی۔

اس واقعہ فاجعہ اور حادثہ جانکاہ و دل سوز پر ہم فرزند زہرا، حجت خدا، وارث علم ائمہ و انبیاء، پسر علی مرتضیٰ حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف و علماء کرام و طلاب ذوی الاحترام اور ان کے خانوادہ و متعلقین و پسماندگان کی خدمت میں تعزیت و تسلیت پیش کرتے ہیں اور اللہ سے ان کی مغفرت کے ساتھ درجات کی بلندی اور جنت الفردوس میں جگہ پانے کی دعا کرتے ہیں۔خداوند متعال مرحوم کی اولاد اور ارادت مندوں اور منسوبین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین"۔

(۹) مرحوم روشن خیال عالم اور کشادہ فکر ادیب تھے: پروفیسر شارب ردولوی، لکھنؤ

1954-55 کے درمیان لکھنؤ یونیورسٹی نے دو عظیم شخصیتیں پیدا کیں جنہیں اپنے کاموں کے سلسلہ میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ایک مولانا حسن عباس فطرت تھے دوسرے ڈاکٹر حسین محمد جعفری جو لبنان یونیورسٹی میں پروفیسر رہے۔مولانا حسن عباس فطرت صاحب ایک اہم ادیب اور روشن خیال عالم دین تھے۔انھیں عربی، فارسی، اردو اور کئی زبانوں پر مکمل دسترس حاصل تھی۔انھوں نے جو کتابیں لکھیں وہ مختلف زبانوں سے تعلق رکھتی ہیں جن میں اہم کتاب ملک الشعرائے فارسی ہے جس میں انھوں نے ان تمام شعرا کی خصوصیات اور اہمیت کا جائزہ لیا ہے جنھیں مختلف عہد میں ملک الشعرا کا خطاب حاصل ہوا۔ان کی ایک اور بہت اہم کتاب "حافظ اور ایران" ہے جس میں انھوں نے ایران کے کلچر اور تہذیب کے پس منظر میں حافظ کی شاعری کا جائزہ لیا ہے نیز سماجی مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ان کتابوں کے علاوہ ان کا تحریر کردہ سفرنامہ افریقہ سرخ و سیاہ اور امام خمینی ایک بے مثال رہبر بھی اہم کتابیں ہیں۔حسن عباس فطرت صاحب ایک بیحد سنجیدہ اور خاموش طبع انسان تھے اور ہمیشہ اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہے انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی اور میرے ہم جماعت تھے مجھے ان کے ساتھ رہنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے وہ علم و ادب کے سلسلہ میں معتدل

اور کشادہ نظر انسان تھے۔ یہی سبب ہے کہ عالم دین ہونے کے باوجود ادبی دنیا میں ان کا الگ ایک مرتبہ تھا۔ ان کے انتقال سے ادب کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا پر ہونا ممکن نہیں ہے ساتھ ہی آج لکھنؤ یونیورسٹی کا ایک اہم الومنائی کم ہو گیا۔ میں ان کے تمام اعزا سے تعزیت کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

(۱۰) مولانا حسن عباس فطرت کا انتقال ادبیات ومذہبیات کا ناقابل تلافی نقصان ہے: پروفیسر انیس اشفاق، لکھنؤ

ادیب، خطیب، عالم اور محقق مولانا حسن عباس فطرت کا انتقال ادبیات ومذہبیات کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ وہ ایک ایسی نابغہ روزگار شخصیت تھے جنھیں ادبی اور مذہبی علوم پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی گرانقدر اور دیدہ ورانہ تحریروں نے ادب اور مذہب دونوں کے دامنوں کو مالا مال کیا۔ اردو، عربی اور فارسی جیسی غنی زبانوں میں ان کی مہارت اور کمال نے انھیں عالم بے بدل کا درجہ عطا کیا۔ ان کے تبحر علمی کا عالم یہ تھا کہ اردو کے بڑے بڑے اور محکم محققوں نے دوران تحقیق عربی اور فارسی کی مشکل منزلوں میں ان سے خاطر خواہ استفادہ کیا اور ان کے ہر حرف کو مستند جانا۔ مولانا کے اسی علمی تعاون نے ان محققین کی تصنیفوں کو درجہ اعتبار عطا کیا۔

یوں تو ان کی ہر تحریر اہمیت کی حامل ہے لیکن حافظ اور خسرو کی تعبیر اور ایران کے ادبی اور تہذیبی آثار کے بیان میں جو کچھ ان کے قلم سے نکلا ہے وہ ہمارے سرمائے ادبی سرمائے میں اہم ترین اضافہ ہے۔ مختلف اخباروں اور ہفت روزہ پرچوں میں ان کے کالم، تبصرے اور مضامین ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان کے مخصوص مذہبی لبادے میں کشادہ نظری کا ایک ایسا ماہتاب روشن تھا جس کی روشنی سے ہر مکتب فکر کا انسان بہرہ یاب ہوا۔ کشادہ نظری کے اسی ماہتاب نے انہیں "ترقی پسند مولانا" کے لقب سے مشہور کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہر معقول نظریے کو نہ صرف احترام کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اس سے استفادہ بھی کیا۔ یوں تو وہ سبھی سے بڑی محبت سے ملتے تھے لیکن لکھنؤ میں انھیں پروفیسر ولی الحق انصاری اور مولانا ڈاکٹر کلب صادق سے خصوصی رغبت تھی اسی لیے انہوں نے اپنی سب سے اہم کتاب "خسرو، حافظ اور ایران" کا انتساب ڈاکٹر کلب صادق کے نام کیا ہے۔ مولانا حسن عباس فطرت جیسے جید عالم اور بلند پایہ ادیب کا انتقال میرا ذاتی نقصان ہے۔ ان کے اس دنیا سے اٹھ جانے کا ملال میرے دل میں بہت دن تک رہے گا۔

(۱۱) زبان وقلم کے دھنی تھے مولانا حسن عباس فطرت: حجۃ الاسلام مولانا رضا حسین رضوی، لکھنؤ

مولانا حسن عباس فطرت ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم اور زبان وادب سے بہت گہرا تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے جہاں قلم کے ذریعہ پیغام اہل بیت کو پہنچایا، وہیں اپنے بیانات اور تقاریر سے حقیقی اسلام کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا۔ کسی انسان کا دونوں میدان میں مہارت رکھنا نہایت مشکل کام ہوتا ہے لیکن یہ مشکل سے حاصل ہونے والی صفت مولانا حسن عباس صاحب کے اندر بخوبی موجود تھی۔ انہوں نے کافی ہزار اور زیادہ مضامین رقم کیے ہیں۔ آپ چند ایک کتابوں کے مالک بھی ہیں: افریقہ، سرخ وسیاہ، چشمہ آفتاب، بیاں اپنا، جینے کا سلیقہ اور امام خمینی: بے مثال رہبر۔ اس کے علاوہ تراجم کے کام بھی سرانجام دیے ہیں۔ انہوں نے فارسی کی متعدد کتابوں کا ترجمہ بھی کیا ہے اور کئی ایک جرائد کی علمی شخصیت رہ چکے ہیں، آپ پونہ سے شائع ہونے والا ہفتہ وار اشاعت صداقت کے نگراں تھے۔ اسی طرح مذہبی دنیا کا معتبر رسالہ ماہنامہ اصلاح کے بھی آپ مدیر نگراں تھے۔ ساتھ ہی آپ نے زبان سے بھی علوم آل محمد کی اشاعت میں اہم خدمات انجام دیں۔ بیرون ملک میں آپ نے اپنی زبان سے لوگوں تک پیغام اہل بیت کو پہنچایا۔ آپ نے تبلیغ دین کے لیے ماریشش، مڈغاسکر، مشرقی افریقہ کا دورہ کیا ہے۔ درحقیقت آپ ایک عالم دین تھے جو مختلف جہات سے دین کی فعالیت انجام دیتے رہے۔ آپ کا انتقال نہایت المناک اور امت کا ایک خسارہ ہے۔ ہم اللہ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے!

(۱۲) مرحوم علمی سرمایہ وذخیرہ تھے: حجۃ الاسلام مولانا علی عباس حمیدی، نئی دہلی

اناللہ وانا الیہ راجعون، فخر ہندوستان، قدیم وجدید کا سنگم، دور حاضر کے ایک عظیم مفکر، مصنف، محقق، مجاہد ادیب حجۃ الاسلام مولانا سید حسن عباس فطرت اعلی اللہ مقامہ ہندوستان کا علمی سرمایہ اور ذخیرہ شمار ہوتے تھے ان کی رحلت جانگداز قوم کا بہت بڑا نقصان ہے رب کریم سے دعا گو ہوں کہ اس خلع کو

ISSN NO.2455-636X

بہت جلد پر فرمائے اور موجودہ علماء کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔ اے بخشنے والے غفور و رحیم اس ماہ رمضان کی برکت سے مولانا مرحوم کی مغفرت فرما اور جوار معصومین علیہم السلام میں جگہ عنایت فرمائے۔

(۱۳) پوری زندگی مکتب تشیع کی خدمت میں گزاری: حجۃ الاسلام مولانا سید مناظر حسین نقوی، مشہد مقدس، صدر الجواد فاؤنڈیشن

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں ایک عالم کی موت ناقابل پذیر جبران ہے، اور ایک ایسا عالم جسکے قلم سے سیل معانی رواں ہوتا ہو، جو دبیر مملکت فکر ہو، جو ارباب کتب ہو، جو مربی ادب ہو، جس کا ذہن ہمیشہ علم کی سنگلاخ وادیوں میں گردش کرتا ہو، جو شدت اخلاص کا پیکر ہو، جس نے منطق و فلسفہ کی خشک زمین میں گل حکمت کھلائے ہوں، ایسا عالم جو بغیر تحقیق کے ایک حرف نہ بولتا ہو، جسکی تصانیف و تالیفات، کتب خانہ اسلامیہ کی رونق ہو، جس نے پوری زندگی مکتب تشیع کی خدمت میں گزار دی ہو، ایسے عالم کی موت فاجعہ بزرگ ہے، حجت الاسلام مولانا حسن عباس، فطرت صاحب قبلہ کی موت کی خبر ذہن کو جھنجھوڑ گئی، اس وقت جب میں قبلہ کے لیے تعزیت نامہ لکھ رہا ہوں، ذہن کام نہیں کر رہا قلم کانپ رہا ہے کہ ایسے جلیل القدر عالم کو مرحوم لکھوں لیکن موت ایک امر واقعی ہے، جب احمد مرسل نہ رہے کون رہیگا بس یہ سوچ کر دل کو سکون ملتا ہے کہ ایک عاشق اہل بیت اپنے معشوق کی خدمت میں جا پہنچا اور دیدار علی ابن ابی طالب سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہا ہے، آخر میں اپنے معبود حقیقی سے دعا گو ہیں کہ خدا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور روابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(۱۴) تعلیمات اہلبیت علیہم السلام کی ہمہ جہت نشر و اشاعت انکا خاصہ تھا: حجۃ الاسلام مولانا سید عبداللہ عابدی، حوزہ علمیہ نجف اشرف

ایسی شفیق و ملنسار شخصیت کہ علمی حلقوں کی فضا سوگوار ہے۔ ادیب، شاعر، عالم اور ایک ایسا مربی جو تشنہ لبوں کو سیراب کرنے والا تھا۔ آپ کا سانحہ ارتحال عموماً سب کے لیے لیکن بالخصوص علمی دنیا کیلئے بہت بڑا خسارہ ہے، اس خلا کو پر کرنا بہت مشکل ہوگا۔ آج ہم اپنے انتہائی مشفق و مربی استاذ سے محروم ہو گئے، اس غمناک گھڑی میں ہر آنکھ اشکبار، دل غمگین، اور لبوں پہ یہ شعر ہے: اب انہیں ڈھونڈو چراغ رخ زیبا لے کر

یوں تو موت کی خبر کسی بھی انسان سے متعلق ہو، وہ عزیز و اقارب، دوست و احباب، شاگرد اور متعلقین کے لیے رلانے والی ہی ہوتی ہے اور جانے والا جب گھنی چھاؤں والا ہو، جس کی مجلسیں اکسیر گر اور صحبتیں کیمیا اثر ہوں تو اس کی موت کی خبر جس قدر وحشت اثر ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتے ہیں جنہیں ان کا قرب حاصل ہوا ہو۔ علم و فضل اور زبان و ادب میں فائقیت کے علاوہ استاد مرحوم کی ایک بڑی خوبی "احساس مروت" اور "خورد نوازی" بھی تھی، ان سے ملنے والا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا مل کر لوٹتا تو یوں محسوس کرتا کہ کوئی "گنج گراں مایہ" ساتھ لے کر لوٹتا ہے۔ ان کی شخصیت میں ایک عجیب جاذبیت تھی، وہ صد درجہ منکسر المزاج تھے اور علمی و ادبی حلقہ میں انھیں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شاید مستقبل قریب میں اس کی تلافی ممکن نہیں۔ اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت میں درجات بلند کرے اور مرحوم کو ان کے اولیاء کے ساتھ محشور فرمائے اور فرزندار جمند فرحت عباس مع متعلقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے آمین

(۱۵) مولانا نے بھوڑ کا نام پوری دنیا میں روشن کیا: ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی، لکھنؤ

مولانا حسن عباس فطرت نے اپنے وطن بھوڑ کا نام پوری دنیا میں روشن کیا ہے ان کی علمی، ادبی اور صحافتی کے ساتھ ہی سماجی خدمات نے نہ صرف ان کا بلکہ پورے ہندوستان کے نام کا پرچم پوری دنیا میں لہرایا ہے۔ میں ان کے کافی قریب رہا ہوں وہ قوم کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے اور بہت کچھ کیا بھی ان کے انتقال سے کافی کچھ رہ گیا جو پورا ہونا مشکل ہے وہ ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں رہیں گے۔

(۱۶) بزرگ عالم و معتبر دانشور نہ رہے: جناب سید عین الرضا رضوی، سکریٹری نشر و اشاعت انجمن وظیفہ سادات مومنین لکھنؤ

انا للہ وانا الیہ راجعون، آج دوپہر یہ انتہائی افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ بزرگ عالم، معتبر دانشور اور ادیب، بے باک اور بے لاگ صحافی، درجنوں کتابوں کے مصنف، مترجم، صد درجہ بذلہ سنج اور ہمدرد، مختلف اداروں کی روح رواں حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا حسن عباس فطرت (سابق صدر انجمن وظیفہ سادات و مومنین، امام جمعہ پونہ) نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہم جملہ پسماندگان، تمام بہی خواہان و اراکین انجمن کی خدمت میں تسلیت پیش کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں مرحوم و مغفور کے علو درجات کی دعا کرتے ہیں مولانا موصوف انجمن وظیفہ سادات و مومنین کے سابق صدر و منتخبی ممبر نیز سرگرم کارکن اور کارگزار کمیٹی ممبر تھے۔

(۱۷) آہ-ایک اور عظیم شخصیت ہمیں چھوڑ گئی: سید اقبال رضوی شارب دوت قلم

نہ صرف یہ کہ شہر پونہ کے لئے انکی شخصیت بہت اہم تھی بلکہ عالم تشیع میں انکا اپنا ایک مقام تھا۔" صداقت" انکی آواز تھی۔ ایڈیٹوریل بہت ہی عمدہ لکھا کرتے تھے۔ تاریخ، فلسفہ، اردو، فارسی ادب پر اختیار ادانہ عبور تحریر و تقریر دونوں میں نمایاں ہوا کرتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک پونا کی عزاداری کے روح رواں رہے اور آج بھی انکی خدمات جاری تھیں۔ میری انکی ملاقات میری طالب علمی کے زمانے میں سنہ ۱۹۸۷ میں پونا میں ہوئی تھی۔ پھر جب بھی پونا جانا ہوتا تو ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ سنہ ۲۰۰۵ سے ۲۰۱۱ تک جب میں پونا میں تھا تو کافی قربت رہی۔ اشعار پر داد بھی خوب دیا کرتے تھے۔ پونا کا شیعوں کا مرکز ایرانی امام بارگاہ سے انکی بہت سی یادیں جڑی ہے ہیں۔ قوم کا ایک بڑا نقصان ہے جسکی تلافی ممکن نہیں۔ انکے اہل خانہ اور تمام سوگواروں کو تعزیت پیش کرتا ہوں اور مرحوم کے درجات بلند ہونے کی دعا کرتا ہوں۔

(۱۸) مولانا کی رحلت سے دنیائے صحافت میں ایک خلا ہو گیا: سید علی حیدر عابدی، جرمنی

مولانا علامہ سید حسن عباس فطرت صاحب کے انتقال کی خبر سن کر نہایت افسوس ہوا۔ مرحوم نہایت با کردار، دیندار اور بلند مصنف ہونے کے علاوہ ایک ہندوستانی کے برگزیدہ عالم بھی تھے۔ ان کے جانے کے بعد دنیائے صحافت میں ایک خلاء ہو گیا۔ پروردگار بحق محمد (ص) و آل محمد (ع) مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں مقام عالی عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(۱۹) مولانا کی وفات قوم کے لیے زبردست سانحہ ہے: جناب سید اختر حسن عابدی

جناب مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب سے میری پہلی ملاقات 1992 میں ہوئی۔ اس وقت میں مہاراشٹر سیکنڈری و ہائر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ ممبئی کا ڈویژنل سکریٹری تھا اور میٹنگ کے لئے ہیڈ آفس پونا اور نماز مغربین کے لئے ایرانی مسجد جایا کرتا تھا۔ میں نے جب مولانا صاحب سے اپنا تعارف کرایا تب جناب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ آپ کو کون نہیں جانتا!!! وہ بڑے خوش مزاج تھے۔ ایرانی مسجد کے پاس ہی ان کا آفس تھا۔ انہوں نے مجھے اخبار صداقت کا لائف ممبر بنایا۔ ایک بار شام میں ان سے ملنے ان کے آفس گیا تب انہوں نے مجھے ناشتہ میں ایک سیب کھلایا اور کہا کہ یہ بہترین ناشتہ ہے۔ انہوں نے اپنی لکھی ہوئی کچھ دینی کتابیں بھی مجھے دیں۔ پونا کے ایک بزرگ اردو دوست شریف جوشی سے میری ایک ملاقات میں مولانا حسن عباس فطرت صاحب کا ذکر آیا۔ انہوں نے بتایا کہ مولانا کو ملٹری اور پولیس افسران کے ٹریننگ کے دوران " دین اسلام" پر لکچر کے لئے مدعو کیا جاتا تھا اور ان کی شگفتہ زبان میں سبھی لکچرز ان سب افسران کو سمجھ میں آتے تھے۔ مولانا کی وفات قوم کے لئے ایک زبردست سانحہ ہے۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)۔

(۲۰) معتبر دانشور وادیب کی رحلت: مولانا زاہد حسین، علی گڑھ

انا للہ و انا الیہ راجعون انتہائی افسوس ناک خبر کہ بزرگ عالم دین، معتبر دانشور و ادیب و بے باک صحافی مختلف کتابوں کے مصنف، مترجم، صدر درجہ بلند پنج اور ہمدرد مختلف اداروں کے بنیادی روح رواں حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب قبلہ و کعبہ سابق صدر و جنرل سکریٹری انجمن وظیفہ سادات و مومنین) نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ہم جملہ پسماندگان، تمام ہی خواہان و مراجع کرام کی خدمت میں تعزیت و تسلیت پیش کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ مولانا مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا ہو

(۲۱) عالم باعمل نہیں رہا: مولانا سید موسی رضا لکھنؤ

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یقیناً مولانا کی شخصیت اپنے میں منفرد تھی لکھنؤ میں جب بھی تشریف لاتے انجمن وظیفہ سادات و مومنین کے آفس ضرور آتے اور مجھے ضرور طلب کرتے۔ کچھ سال پہلے جب پونہ ایرانی امام بارگاہ میں عشرہ محرم کے لیے گیا تو آپ میری حوصلہ افزاء کے لیے ضرور آتے۔ ایک بزرگ اور شفیق باپ کی طرح باتیں کرتے۔ تشویق فرماتے اور ظریف طبیعت کی بنا پر ہنساتے بھی بہت تھے۔ خوش مزاج۔ ادیب وقت۔ محقق۔ صاحب قلم۔ عالم باعمل وغیرہ عالی صفات سے متصف انسان آج ہمارے درمیان نہیں رہا۔ خداوند عالم انکے درجات بلند فرمائے اور جوار معصومین میں جگہ عنایت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل۔ قوم کا بہت عظیم نقصان ہے۔ ہمارے درمیان سے ایسی ہستیاں اس قحط الرجال دور میں اٹھتی جا رہی ہیں۔ اللہ اس خلا کو پر کرے بحق اہلبیت ع

(۲۲) مشہور شیعہ عالم دین، اردو کے ممتاز ادیب اور روزنامہ انقلاب کے کالم نگار مولانا حسن عباس فطرت رحلت کر گئے: جناب ندیم صدیقی ممبئی

مشہور شیعہ عالم دین اور اردو کے ممتاز ادیب و صحافی (85 سالہ) مولانا حسن عباس فطرت ۱۲/ ۵/ ۲۰۲۰ کو پونے میں رحلت کر گئے۔ مولانا حسن عباس

ISSN No.2455-636X

فطرت اتر پردیش کے مشہور ضلع بستی کے قصبہ ہلور (سادات) میں 30 جون 1935 کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کے اجداد میں سے شاہ عبدالرسول تین سو برس قبل مشہد (ایران) سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ مولانا حسن عباس فطرت وثیقہ عربک کالج (فیض آباد) کے طالب علم رہے اور جامعہ ناظمیہ (لکھنؤ) کے 'ممتاز الافاضل' بھی تھے۔ انہوں نے بمبئی یونیورسٹی سے بی اے کیا اور پھر اسی جامعہ میں انہوں نے عربی کا درس بھی دیا۔ ہر چند کہ ان کا اصل میدان مذہب ہی تھا مگر وہ عام علما کی طرح صرف منبر نشیں یا علم کے کسی ایک شعبے میں محدود نہیں رہے۔ وہ اچھا خاصا ادبی ذوق اور سیاسی شعور رکھتے تھے۔ انہوں نے کوئی تیس برس قبل روزنامہ انقلاب (ممبئی)، ہفت روزہ بلٹز (ممبئی) اور دیگر جرائد و اخبارات میں تواتر سے سیاسی و مذہبی اور ادبی مضامین لکھے۔ روزنامہ انقلاب میں خاصی مدت تک ان کا ادبی کالم "کتب صرۃ" اور پھر "رفتار زمانہ" شائع ہوتا رہا۔ وہ ایک سلجھے مزاج کے حامل اور اتحاد المسلمین کے نہ صرف قائل بلکہ اسکے مبلغ بھی تھے۔ ایک ادارے کی دعوت پر وہ ایران گئے اور وہاں حوزۂ علمیہ قم کے ادارۂ تحقیق و ترجمہ کے شعبۂ اردو کے صدر بنائے گئے۔ وہ مشہور انجمن وظیفۂ سادات مومنین سے بھی وابستہ رہے بلکہ اس کے مقامی ناظم بھی مقرر ہوئے۔ مڈغاسکر (افریقہ) میں ان کی کوششوں سے ایک مدرسے کا احیا بھی ہوا۔ وہ کم و بیش دو دہوں سے پونے میں مقیم تھے جہاں انہوں نے طویل علالت کے بعد آج آخری سانس لی۔ پونے سے انہوں نے ایک ہفت روزہ "صداقت" بھی جاری کیا جو اب قیصر رضا حسینی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ مولانا حسن عباس فطرت نے ممبئی کی خوجہ اثنا عشری مسجد میں "خطیب و امام جمعہ" کے فرائض بھی انجام دیے اور بیس برس پونے میں امام جمعہ رہے۔ انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام اخیر تک جاری رکھا، گزشتہ نومبر میں جب احقر ان کی عیادت کی خاطر پونے گیا تھا تو انہوں نے اپنی تازہ کتاب "ارمغان مقالات" (384 صفحات) سے نوازا تھا جس میں ان کے مختلف موضوعات کے حامل موقر مضامین ہیں۔ مرحوم کی دیگر کتابوں کے نام اس طرح ہیں: یہاں اپنا، افریقہ سرخ و سیاہ، چشمۂ آفتاب، جینے کا سلیقہ، امام خمینی بے مثال رہبر۔ اس کے علاوہ انہوں نے کئی کتابوں کے تراجم بھی کیے۔ انھیں زینبیہ ایوارڈ (ممبئی)، شہید مطہری ایوارڈ (دہلی) اور محسن ادب (پونے) جیسے اعزازات سے بھی سرفراز کیا گیا۔ ان کے پسماندگان میں ایک بیٹا (جو سلسلۂ ملازمت ملک سے باہر ہے) اور دو بیٹیاں ہیں، ان کی ایک بیٹی سال گزشتہ انتقال کر گئی تھی۔

(۲۳) علمی و دینی و شفیق و مہربان شخصیت مدری: محمد مہدی باقری، لکھنؤ

انا للہ وانا الیہ راجعون، افسوس کہ ایک علمی و دینی و ادبی شفیق و مہربان شخصیت نہیں رہی۔ ہم ایک صاحب قلم سے محروم ہو گئے۔ مرحوم سے متعدد مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، فون سے مسلسل رابطہ رہتا، انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے۔ اللہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

✿✿✿

صفحہ 96 کا بقیہ

[ہم معصومین علیہم السلام کی ولادت و شہادت کی مناسبت سے ان کے مضمون کا انتظار کرتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ اپنی تقاریر کو بہتر بنا سکیں۔]

آخری درس اخلاق میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ خداوند عالم پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے اور تعلیم و درس میں لگن و سنجیدگی ضروری ہے اور اتنی خود اعتمادی ہو کہ اپنے کو کسی سے کم نہ سمجھیں۔

ماہ رمضان ہم لوگ مدرسے میں ہی گزارتے تھے اور اس میں ہر سال آپ کی جانب سے ملنے والی عیدی کا انتظار ہوتا تھا اور عید سے ایک دو دن پہلے ان کی طرف سے عیدی مل جاتی تھی۔ ایک سال تو آپ نے ہر بچے کو ایک سوٹ عیدی کے طور پر دیا تھا لیکن اس سال ماہ رمضان کی عیدی کی بجائے ۲۷/ تاریخ کو ہی دل ہلا دینے والی یہ خبر ملی کہ مولانا فطرت صاحب اس دنیا میں نہیں رہے۔ دل خون کے آنسو رو رہا ہے اور ہم سب کو اس بات کا پوری زندگی افسوس رہے گا کہ آپ کا آخری دیدار بھی نہ کر سکے۔ "کرونا" کی وبا کی وجہ سے پیدا سخت حالات میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حالات کی مجبوری کی بنا پر نہ جانے آپ کے کتنے شیدائی تشییع جنازہ میں شرکت سے محروم رہ گئے مگر شاید قدرت کو یہی منظور تھا۔ آپ نے ۲۷/ رمضان المبارک کو وفات پائی اور شب جمعہ سپرد خاک کئے گئے۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عنایت کرے۔ (آمین) ✿✿✿

امتیازات و متخصصات

امام ثامن علیہ السلام

علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ

بلا شک و اختلاف یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم یا ہمارے جیسے خاطی و عاصی اور جاہل انسان کو کوئی حق نہیں پہنچتا نہ وہ اس کا اہل ہے کہ وہ نادان، دوازدہ ائمہ طاہرینؑ والا مقام و اوصیائے مرسل اعظم جنہیں آنحضرتؐ نے بارہا کلیتاً 'محمدؐ' کہا، ان کے درمیان فرق مراتب کی گفتگو یا فکر و اندیشہ کی جرأت و جسارت کرسکے مگر ارشاد ربانی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ کا سہارا لیکر اس آیۂ شریفہ کے حوالے سے ائمہؑ معصومینؑ اثنا عشر کے فضائل و مراتب و خصائص پر لب کشائی ممنوع بھی نہیں لگتی۔ جس طرح کلام الٰہی کے ۱۱۴ سوروں میں چھوٹے بڑے کا فرق بے معنی ہے کیونکہ ہر ایک سورہ بلکہ اس کی ہر آیت عقیدت، ارادت و احترام کا سرمۂ چشم ہے۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام سے لے کر خاتمِ نعمت نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی و مرسل رتبہ و مقام و علو منزلت میں یکساں ہے۔ قرآن کریم کے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کے ابدی چیلنج سے یہ بات ثابت ہے مزید برآں رحمت عالمؐ کے فرمان "صغیرنا و کبیرنا سواء" نے اس پر مہر دائمی ثبت کردی ہے۔ یہ بات قارئین تک پہنچانے کے بعد یہ کہنا بھی مناسب و ضروری لگتا ہے کہ باب مدینۃ العلم، اول امامؑ کا مرتبہ اعلیٰ اپنی جگہ ہے اسی طرح جیسے قرآن مجید میں سورۂ حمد منفرد و اعلیٰ ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔ قول لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب سے سبھی مومنین واقف ہیں۔

ہمارے تمام ائمہ طاہرین علیہم السلام مظلوم و مقہور حکومت رہے ان کی مشترکہ خصوصیت یہ رہی ہے کہ ان میں سے کسی کو طبعی موت نصیب نہیں ہوئی سوائے بارہویں امام مہدی صاحب الزمان عج کے جو زندہ و سالم و قائم ہیں اور زمانہ کے قائم رکھنے کا باعث ہیں انکے علاوہ بے یاری بے کسی کی موت بیشتر کے حصے میں آئی یا وہ کم سنی و نوجوانی میں شہید ہوئے مگر پوری امت مسلمہ کا خورد و کلاں بنی امیہ و بنی عباس کی مخالفانہ و معاندانہ سرگرمیوں اور غلط رویہ اور جھوٹے پروپگنڈہ کے باوجود ان تمام پاک و مقدس و برگزیدہ ہستیوں کے علم و فضل زہد و ورع، عبادت و سخاوت، شجاعت و مردانگی کا کلمہ پڑھتا نظر آتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ جس طرح ہمارے مرسل اعظم فخر موجودات میں تمام انبیاء و مرسل کے مخصوص کمالات، معجزات و جمیع فضائل و مناقب جمع و یکجا تھے اسی طرح ہمارے پہلے امام و آنحضرتؐ کے وصی برحق حضرت علی مرتضیٰ ابو الائمہ علیہ السلام ہی نہیں ان تمام ائمہ یازدہ کے سردار اور ان سب سے افضل تھے اس کی سامنے کی مثال سورہ فاتحہ ہے جو قرآن مجید کی جملہ خوبیوں کا گنجینہ ہے مگر اس کے بعد بھی دیگر ۱۱۳ سورتیں اپنی الگ الگ خصوصیات و تاثیر و برکت رکھتی ہیں۔

امام اول حضرت علی مرتضیٰؑ سے بارہویں امام حضرت حجتؑ تک سبھی مشترکہ فضائل و محامد کے ساتھ ساتھ اپنی الگ الگ شناخت، فیض و فضائل و کرشمہ و کرامت رکھتے ہیں۔ ان ائمہ طاہرینؑ کی بات چلے تو ایک نہایت نشاط و کیف آمیز شے سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کے اسماء و اعلام

ISSN No.2455-636X

جو ہیں وہ تو ہیں ہی مگر ان کے القاب وصفات ان کے اسم کا لاحقہ بن گئے اور وہ بھی ایسی خوبی کے ساتھ کہ اگر ہم ان کو اسماء مبارکہ کی جگہ اس لاحقہ ہی کو بول جائیں تو کوئی فرق نہ پڑے گا۔ اور بات بھی پوری ہو جائے گی۔ جیسے باقرؑ وصادقؑ، عابدؑ ورضاؑ عسکریؑ تقیؑ نقیؑ صلوۃ اللہ وسلامہ علیہم ابداً۔

حضرت امام علی رضاؑ کہنے وماننے کو تو ہمارے آٹھویں امام ہیں مگر شان یہ ہے کہ جو کام پہلے امام نے کیا وہی کام آپ امتیازی انداز سے آخر وقت تک کرتے رہے۔ جس علم نبیؐ کا دروازہ امام محمد باقرؑ وامام جعفر صادقؑ کے بعد معاندین کی سازش اور شیطانی روش کے ہاتھوں بند ہو گیا تھا، اسے آپ نے پاٹوں پاٹ کھول دیا اور بقول جسٹس امیر علی (اسپرٹ آف اسلام) باب مدینۃ العلم کے بند ہو جانے کے بعد (حجاج وزائرین کعبہ کو مکہ میں امام صادقؑ کے کئی بند مدرسوں کے آثار مل سکتے ہیں) کے سناٹے کو امام علی رضاؑ نے زور وشور میں بدل دیا اور "اصحاب رضاؑ" کو تو وہ شہرت ملی جس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

یہ تو رہی پہلی اور اہم خصوصیت، دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ سے تمام عالم اسلام (آپ کے عہد کا) راضی وخوشنود تھا اس لئے بقول حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ان سب نے مل کر آپ کو "رضاؑ" کا لقب دیا۔

اس سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اس دور پر آشوب وبدامنی میں امام علی علیہ السلام کی طرح خاموش و پر امن رہ کر خلیفہ وقت کو اتنا متاثر ومرعوب کیا کہ ظالم کو آپ سے سلطنت کی ولی عہدی کی بھیک مانگنی پڑی۔ امام علیہ السلام راضی نہ ہوئے تو موت کی دھمکی دی۔ اور مجبوراً امام علیہ السلام کو ولی عہدی قبول کرنی پڑی۔ مگر اپنی شرائط کے ساتھ۔ آپ کے نام کا سکہ رواں ہوا۔ عامہ مسلمین میں روح تازہ دوڑ گئی لوگ جوق در جوق آستانہ اہلبیت کو چومنے کے لئے بے تاب نظر آنے لگے۔ جلد ہی ہارون و مامون وعباسیوں کے اقتدار کے ساتھ ہی ان کا نام ونشان بھی خاک میں مل گیا۔ مگر آپ (امام رضاؑ) شاہ خراسان کل بھی تھے اور آج بھی۔ دنیا بھر کے شیعہ مسلمان دن کی پانچ متبرک ومحترم ساعتوں میں آپ کو شاہ خراسان کہہ کر سلام کرتے اور درود بھیجتے ہیں۔ آپ کی شاہی و بادشاہی جسم وجاں پر ہے جو ابد تک فروغ پاتی رہے گی۔ جی ہاں آپ کی سلطنت وعظمت جاہ وجلال بڑھتا جا رہا ہے۔ حال سے مستقبل کا اندازہ کر لیجئے اور یوں شہ چلے چلئے مشہد مقدس جہاں آپ امامؑ کے مہمان ہوں گے صد ہا خدام دوڑ کر آپ کا استقبال کریں گے۔ امامؑ کے عظیم ووسیع لنگر خانہ میں آپ کی پذیرائی ہوگی۔ دمکتے چمکتے بازار، دودھ میں نہائی سڑکیں، معطر ومصفا کوچے وگلیاں، عظیم ودلکش وکم ازکم مسجد گوہر شاد، بھاری بھرکم کتب خانے ایک نہیں ایک سے بہتر شفاخانہ، اسپتال بھی ایک نادر میوزیم، حوزہ ہائے علمیہ، عظیم رضویہ یونیورسٹی جو یورپ وامریکہ کے معیار سے بھی اونچی ہے۔ شہر مشہد اب اتنا بدلا ہوا ہے کہ ہر زائر وسیاح کو اس کی خوبصورتی چکا چوند کر دیتی ہے۔

بڑے بڑے بازار کئی منزلہ۔ ہر دکان سجی ہوئی۔ قیمتی مال واسباب سے معمور۔ باغات وپھلدار درختوں کی بہتات قطار اندر قطار رنگ برنگے خوشبو دار پھولوں کی فراوانی ہر جگہ صفائی وخوبصورتی اونچے اونچے پہاڑوں جیسے جدید ساز وسامان سے لدے پھندے ہوٹلوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے مسافر خانے، گیسٹ ہاؤس اور ذاتی مکان کی کمی نہیں۔ مطلب یہ کہ یہاں غریب وامیر سب کے لئے پناہ گاہ اور کم خرچ سواریاں بھی ہیں۔

امامؑ کے لنگر خانہ کا انتظام ونظارہ اس کے علاوہ ہے جہاں روز ہزاروں بھیڑ بکری کے حلال وتازہ گوشت سے مسافروں کی خاطر کی جاتی ہے۔ زرعی زمینوں کی وسعت اور ذبیحہ کی تعداد تو اللہ جانے اور بندہ ماننے کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ طوس ونیشا پور میں فردوسی وعمر خیام کے مقبروں کا حال اس پر مستزاد ہے۔

ہمارے مذہب حقہ اثنا عشری میں برخلاف اہل سنت کے مجدد دین ومحی الملت ہم شمار نہیں ہوا کرتے۔ پھر بھی امام رضاؑ کو سواد اعظم کے علماء نے مجدد دین ومحی الشریعہ کہا اور لکھا ہے ہمارے یہاں بارہویں امام مہدیؑ ہی مجدد دین ومذہب ہیں جس کی کیفیت کا بیان ہمارے مذہب کی حدیثوں میں مفصل ومتشرح ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ الشیبی کے مطابق امام علی رضاؑ اپنے اب وجد (باپ دادا) کی طرح شب وروز علم میں مشغول رہتے

تھے۔ماہ مبارک رمضان میں صرف کلام الٰہی کی آیات شریفہ سے ضرورت بھر گفتگو کرتے تھے۔آپ نے پندرہ ہزار مسئلوں کا جواب دیا اور ایک صحیفہ حدیث بھی مرتب کیا تھا۔آپ صاحب کرامت وفراست دونوں تھے۔

مشہور اندلسی سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ المعروف بہ رحلہ ابن بطوطہ نے صفحہ ۴۰۱ پر امام رضاؑ کے مشہد مبارک کے تعلق سے ہر ملک اور ہر صدی کی نوے 90 اہم شخصیات کی زیارت کا حال درج کیا ہے جس میں ہمارے آپ کے نواب پہ یاداں جناب احمد حسین صاحب تاریخ احمدی (تیرہویں صدی ہجری) کا اسم گرامی ہے ان سب نے روضۂ امامؑ کی تعریف ہی نہیں کی ہے بلکہ آپ کے جاہ وجلال، کرامات ومعجزات کا بھی اچھا خامہ بند کرو کیا ہے۔(تفصیل کے لئے شیخ محمد محسن نعیمی کی الامام الرضا عند اہلسنت دیکھئے از صفحہ ۳۶ تا ۷۷)

امام رضاؑ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ نیشاپور کے چند روزہ قیام میں آپ کے کئی معجزات وکرامات ظاہر ہوئے مثلاً چشمۂ آب، ایک درخت وحمام وغیرہ آج بھی کئی نشانیاں موجود ہیں۔اس کی زیارت کے لئے زائرین وہاں تک برابر جاتے رہتے ہیں۔اگرچہ بہت سے آثار پہلے جیسے نہیں رہ گئے ہیں۔

ابن بطوطہ ۹۷۷ھ میں شمالی ایران سے گھومتا گھامتا شہر مشہد پہنچا تھا۔اس کا ذکر اور اس کے سفرنامے کا ذکر اور بھی آئے گا۔محمد تغلق کے عہد سلطنت میں وہ ہندوستان آیا۔بادشاہ نے اس کا استقبال کیا بھی بار وہ قاضی بھی بنایا گیا۔وہ مالکی مسلک کا ماننے والا تھا۔یہاں اس کی آؤ بھگت تمام علماء ومشائخ نے ہر جگہ کی۔اہل بیتؑ کا احترام کرتے ہوئے بھی وہ شیعوں سے چڑتا اور ان کو رافضی ہی کہتا تھا۔اور ان سے دوری میں عافیت جانتا تھا۔آدمی ذہین وعالم وفاضل تھا اس کی یادداشت اتنی قوی تھی کہ اپنی سیاحت ختم کرنے کے بیس سال بعد اس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔جو بے حد دلچسپ ورنگا رنگ ہے اس کو محمد تغلق نے اپنا سفیر بنا کے چین بھی بھیجا تھا۔ہندوستان افریقہ وانڈونیشیا، مالدیپ کا کونہ کونہ اس نے چھان مارا۔مشہد مقدس کے تعلق سے اس کے کچھ تاثرات سنئے:

"ہم شہر مشہد آئے جو علی بن کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مرقد ہے۔شہر مشہد بڑا شہر ہے۔اس مشہد مکرم میں عظیم قبہ (گنبد) ہے احاطہ میں مدرسہ ومسجد اور کئی خوبصورت عمارتیں ہیں۔کاشی کاری سے ہر جگہ مزین ہے۔قبر مطہر پر چوبی ضریح کے اوپر چاندی چڑھی ہوئی ہے۔قندیلیں بھی چاندی کی ہیں جو گنبد کے اندر روشنی پھیلاتی ہیں۔بڑے بڑے اور اونچے اونچے دروازوں پر ریشمی اور سنہرے پردے ہیں ہارون رشید کی قبر اس کے مقابل ہے۔اور جب کوئی (رافضی) شیعہ زیارت کو آتا ہے تو اپنے پیروں سے قبر ہارون رشید کو ٹھوکر مارتا ہے۔"

(افسوس کہ راقم الحروف دس پندرہ بار حضرت امام رضاؑ کی زیارت سے مشرف ہوا مگر ایسا حسین و پر لطف منظر دیکھنے سے محروم رہا) مگر تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار حصہ اول میں حرف بہ حرف یہ عبارت موجود ہے۔یہ رحلہ ابن بطوطہ کا پورا نام ہے۔جسے اردو میں رئیس احمد جعفری ندوی نے منتقل کیا ہے۔بہر حال ایسی باتیں اور غلط الزام تو شیعوں پر ہمیشہ سے لگائے جاتے رہے ہیں بعض تو ایسے کہ اسے دہرانا بھی ہم اچھا نہیں سمجھتے۔

امام رضاؑ کا اسم شریف ولقب وکنیت: جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ آپ کا اسم گرامی علی بن موسیٰؑ تھا اور آپ خاندان رسولؐ اور اہلبیتؑ کے تیسرے علیؑ تھے (مطالب السئول فی مناقب آل رسول ص ۳۵۵) آپ کی کنیت ابوالحسن تھی جو آپ کے والد کی بھی تھی۔امام کاظمؑ نے فرمایا تھا۔ابنی مکنی بکنیتی۔"میرا یہ بیٹا میری ہی کنیت ہے"۔

غیاث الدین ہاشمی المعروف بہ خواندیر کا کہنا تھا کہ آپ کے القاب بہت ہیں۔الرضا، الھاشمی، العلوی، الحسینی، القریشی، المدنی، الولی، الحفی،

ISSN NO.2455-636X

الصابر، القائم، الصائم، الزکی، ان سب میں مشہور و زیادہ مستعمل لقب رضا تھا۔

لقب رضا کی حقیقت: بعض علمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ ولی عہدی کے بعد ۲۰۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو رضا کا لقب دیا مگر امام محمد تقی جوادؑ نے اس کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ واللہ وہ سب جھوٹے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو رضا کا لقب بخشا۔ کیونکہ آپ قضا و قدر پر راضی و خوشنود تھے۔ رسول خدا اور اپنے بعد آنے والے اماموں سے راضی تھے۔ اور رہنا بھی چاہئے تھا۔

لیکن رضایت کے مسئلے میں بھی آپ منفرد تھے کہ آپ کی ذات والا صفات سے مخالفین بھی اسی طرح راضی و ارادت مند جیسے موافقین و محبین اہلبیتؑ۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی فارسی کے اعلیٰ و معروف شاعر نے اسی مطلب پر مشتمل ایک عمدہ قطعہ بھی لکھا ہے جو بہتوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے:

امام علی نام اعلیٰ نسب — پناہ عجم مقتدای عرب

از جود راضی جہاں آفریں — از آں رو رضا گشت او را لقب

(ترجمہ) امام علی نام والے اعلیٰ نسب کے مالک ہیں۔ عرب کے مقتدا اور عجم کے پناہ ہیں۔ خالق عالم آپ سے راضی تھا اسی لئے آپ کا لقب رضا ٹھہرا۔

والدین: پدر محترم امام موسیٰ کاظمؑ تھے مگر والدہ کے نام میں اختلاف ہے۔ خیزران، سکینہ، طاہرہ، اروی، مریسہ، نجمہ، ام البنین، شقر انوبیہ جو اگرچہ کنیز تھیں مگر اشرف عجم اور عقل و دینداری میں افضل النساء تھیں۔ (مطالب السئول)

مولد شریف: حضرت امام علی رضاؑ امام جعفر صادقؑ کی شہادت والے سال یوم جمعہ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ یوم ولادت میں اختلاف ہے۔ نور الابصار میں ۱۴۳ھ درج ہے۔ بعضوں نے ۱۴۸ھ، ۱۵۱ھ اور ۱۵۳ھ لکھا ہے۔ عام طور سے ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۳ھ مشہور ہے۔ شیخ عباس قمیؒ نے اسی کو ترجیح دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ امام صادقؑ آپ کو عالم آل محمد کہہ کر آپ کی ولادت کے منتظر رہے اور شہادت پا گئے۔

اہل سنت کے مصادر بتاتے ہیں کہ امام رضاؑ وصیت پیغمبر اکرمؐ کی برکت و ایما سے اس دنیا میں آئے۔ امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ جناب حمیدہ خاتون نے جب نجمہ نامی کنیز خریدی تو خواب میں رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ نجمہ کو اپنے فرزند موسیٰ کو بخش دو کیونکہ عنقریب اس کے بطن سے خیر اھل الارض (تمام دنیا والوں میں بہتر و بھلا) پیدا ہوگا پس آپ نے صبح ہوتے ہی نجمہ بی بی کو امام موسیٰ کاظمؑ کے حوالے کر دیا اور جب امام رضاؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ نے ان کا نام طاہرہ رکھ دیا۔

کرامات دوران حمل: جناب نجمہ خاتون والدہ امام رضاؑ فرماتی تھیں کہ میں امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ سے حمل کو چھپاتی تھی مجھے حمل کی حرکت و وزن کا احساس نہیں ہوتا تھا البتہ اپنے شکم سے سوتے میں آواز تسبیح و تحمید و تہلیل سنتی تھی۔

شہادت: آپ کو خلیفہ مامون الرشید نے اسرار و دھمکی دے کر زہر آلود انگور کھلایا غریب الغرباء کی دردناک شہادت کی تاریخ اول صفر ۱۳ ذیقعدہ ۲۰۳ھ بتائی جاتی ہے کیونکہ انگور کے زہر سے امام بھی روز اذیت میں رہے اکثر ہمارے ائمہ کی تاریخ وفات میں قطعیت حاصل نہیں ہے امام محمد تقی جوادؑ کی شہادت واضح نہیں ہے۔ اور شیخ مفید نے بھی آخر ماہ ذی قعدہ لکھی ہے۔ مگر امام رضاؑ کی شہادت اور مامون الرشید کے قاتل امام ہونے کی صراحت خود امام مدرضاؑ نے کی ہے۔ چند علمائے اہل سنت نے اس کی تائید بھی کی ہے جس میں ابن خلدون اور احمد امین مصری بھی شامل ہیں۔

آپ کی اولاد امجاد: یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے بعض اپنے مورخین مثلاً علامہ طبرسی نے امام رضاؑ کی چھ اولاد ذکور اور ایک دختر کا نام فاطمہ لکھا ہے مگر اس پر اتفاق ہے کہ امام علی رضاؑ کے ایک ہی اولاد نرینہ امام محمد تقی جوادؑ تھے جس کے موید شیخ مفیدؒ مصنف الارشاد بھی ہیں مگر بعد میں امام محمد تقی کی اولاد بھی ابن الرضا کا لقب پا گئی اور یہ سلسلہ چل نکلا۔

روایت ایمان: یہ بہت مستند اور اہم روایت ہے جب امامؑ نیشاپور میں داخل ہوئے تو اپنے خچر شہباء پر سوار تھے۔ لوگوں نے ہجوم کر لیا اور کہا کہ آپ کو اپنے آباد اجداد کریم کا واسطہ ہمیں کوئی حدیث اپنی لسان مبارک سے سنائیے۔ آپ نے فرمایا سنو یہ حدیث رسولؐ ہے الایمان معرفة القلب و اقرار باللسان و عمل الارکان۔ یہ حدیث بلا استثنا تمام علمائے اہل سنت کے درمیان مشہور و مقبول ہے۔

دیگر خصائص و فضائل امام علی رضاؑ

مختصر ضمیمہ: (۱) آنحضرتؑ کا کثرت علم، مامون الرشید نے آپ کے آتے ہی تمام علماء کو جمع کیا اس نیت سے کہ وہ آپؑ سے مناظرہ و بحث کریں مگر آپؑ سب پر غالب رہے۔ شیخ طبرسیؒ نے ابو الصلت سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ سے بڑا عالم نہیں دیکھا جبکہ اس طرح کا مباحثہ متعدد ہوا کرتا تھا۔ عیسائیوں کے بڑے عالم جاثلیق اور راس الجالوت کو بھی آپ نے زیر کیا۔ اور اسلام کی برتری منوائی۔ (۲) آپ کسی کا کلام قطع نہیں کرتے تھے تاوقتیکہ اس کی بات ختم نہ ہو جائے۔ (۳) کسی حاجت مند کو رد نہیں کرتے تھے۔ (۴) کبھی کسی بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے پیر نہیں پھیلاتے تھے نہ تکیہ استعمال کرتے تھے۔ (۵) کسی غلام و مملوک کو برا بھلا کہتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ (۶) راوی کے مطابق کسی نے نہیں دیکھا اپنے تھوک کو باہر پھینکتے ہوئے۔ (۷) کسی نے قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا۔ ہنسی کے موقع پر آپ تبسم فرماتے تھے۔ (۸) جب کھانا لگایا جاتا تو دسترخوان پر اپنے تمام غلام مملوک کو ساتھ بٹھاتے حتیٰ کہ دربان اور صفائی کرنے والے کو پھر ان سب کے ساتھ کھانا نوش فرماتے۔ (۹) عادت یہ تھی کہ رات کو کم سوتے کبھی کبھی اول شب سے صبح تک بیدار رہتے۔ (۱۰) روزہ بہت رکھتے احسان و صدقہ پوشیدہ دیتے اکثر اندھیری راتوں میں۔ (۱۱) دسترخوان پر ایک بڑا پیالہ رکھواتے جو کچھ نعمت دسترخوان پر ہوتی اس میں سے تھوڑا تھوڑا اس پیالہ میں ڈالتے جاتے جب پیالہ بھر جاتا تو حکم دیتے کہ اسے مساکین کو بخش دیا جائے۔ اور اس وقت تلاوت کرتے: فلا اقتحم العقبہ۔ (۱۲) ہر سوال کا جواب آپ کے پاس آمادہ رہتا، ہر سوال کا جواب قرآن سے نکلا ہوتا۔ (۱۳) ہر تین روز ختم قرآن کرتے اور فرماتے کہ اگر چاہوں تو اور کم مدت لگے مگر میں تفکر فی القرآن کی آیت کو نہیں چھوڑتا۔ اس ڈر سے زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ (۱۴) امام رضاؑ کی ایک اور منفرد فضیلت کا بیان جگہ کی قلت کی وجہ سے بعد میں ہوگا مختصراً آخر کلام میں عرض ہے کہ امام رضاؑ کی یہ بھی ایک خصوصیت و امتیاز خاص ہے کہ جتنی محبت امام حسینؑ اور ثانی زہراؑ میں تھی وہ تمام ائمہ کے یہاں ضرور رہی ہوگی۔ مگر اس محبت کا مقابلہ تاریخ میں صرف امام رضاؑ کی بہن معصومہ قم کے یہاں نظر آتا ہے۔ کہ بھائی کی محبت میں بے چین ہو کر ان سے ملنے کے لئے لمبی و تکلیف دہ مصیبت و زحمت اٹھائی اور جب ساوہ پہنچیں تو قافلہ پر حملہ ہوا متعدد افراد شہید ہو گئے آگے نہ بڑھ کر قم تک کسی طرح آئیں۔ اور غربت و بے کسی کے عالم میں چند دن گزار کر واصل بجنت ہوئیں اور قم کو وہ رتبہ دلایا جو کربلا و نجف کے بعد سب سے بالا ہے انشاء اللہ بشرط حیات آپ کے وصال و دفن کا مفصل بیان آئندہ ہوگا۔ (ارمغان مقالات) ✪✪✪

(**صفحہ 91 کا بقیہ**) جسے مولانا تکمیل اصغر زیدی صاحب جو پورہ میں امام باڑا جواد اصفہان میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور مدرسہ بھی بخوبی چلا رہے ہیں۔ کئی مرتبہ انہوں نے اپنی حیات میں کہا کی ملک الموت ہماری گلی بھول گئے ہیں حالانکہ ان کے بڑے بھائی علی عباس عرف کبن صاحب علامہ سے چار سال بڑے ہیں اور الحمد للہ باحیات ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ اپنی مجھلی دختر دلشاد بانو کے انتقال سے کافی نڈھال تھے ظاہری بات ہے کہ باپ کے سامنے بیٹی کا جنازہ از خود ایک المیہ ہے۔ دلشاد بانو کے انتقال کے چھ ماہ بعد وہ خود مالک حقیقی سے جا ملے اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ انتقال سے قبل شب میں ہماری علامہ صاحب سے گفتگو ہوئی تھی۔ ہم نے خیریت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا "خیریت کیا پوچھتے ہو اب تو جانے کی تیاری ہے" اللہ اکبر! انہیں الہام ہو گیا تھا۔ اس کے بعد دوپہر میں فون آیا کی علامہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرضی خدا از مہ اولیٰ خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں خداوند عالم مرحوم کو جوار معصومین میں بلند مقام عطا فرمائے اور جنت الفردوس نصیب کرے اور لواحقین کو صبر جمیل دے۔ (آمین) مرحوم کے پسماندگان میں ایک فرزند فرحت عباس اور دو بیٹیاں ہیں۔

ISSN No.2455-636X

شیعیان ہند کے مسائل اور ان کے حل

علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ

ناچیز کے خیال سے ہندوستانی شیعوں کا سب سے بڑا مسئلہ وہی ہے جو غریب اردو زبان کا ہے۔ یعنی اس کا کوئی مخصوص علاقہ نہیں، نہ شمال میں نہ جنوب میں نہ مشرق و مغرب میں، شیعوں کی آبادی یوں تو یوپی، بہار، پنجاب، بنگال ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہے مگر وہ بھی بکھری بکھری ہوئی ہے۔ کرناٹک، چنئی آندھرا میں صرف چند ایک شہروں وقصبات میں شیعہ آبادی ہے۔ کیرالہ، گوا کا صوبہ ان سے خالی ہے اکادکا "الشاذ کالمعدوم" ہی کہے جائیں گے۔ اسی طرح دیگر صوبوں کا بھی یہی حال ہے۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش کے چند مقامات پر ہی شیعہ پائے جاتے ہیں۔ شمال مشرق کی چھ ریاستوں میں ان کی آبادی ایک فیصدی سے زائد نہیں ہے۔ کشمیر، جموں اور لداخ میں مسلم آبادی اکثریت میں ہے مگر شیعہ وہاں بھی اقلیت میں ہیں اور کم حیثیت غریب و پریشان، جبکہ پارسی، جاٹ، سکھ، میمن، خوجہ و بوہرہ اقلیت در اقلیت ہونے کے باوجود مرفہ حال ہیں۔ اپنا اپنا مخصوص علاقہ رکھتے ہیں جہاں ان کی چشم گیر آبادی ہے۔ اس وجہ سے وہ ترقی کے اونچے زینہ پر ہیں۔ اور تجارت، صنعت، سیاست، اعلیٰ ملازمت، ہر گوشہ میں ان کی حیثیت نمایاں ہے اور ان کا شمار بھی ہوتا ہے۔ ان کی اکثریت ہر لحاظ سے مطمئن اور خوش حال ہے۔ ان کے اپنے اسکول کالج ہیں اور مختلف امدادی اسکیمیں چل رہی ہیں۔ برخلاف اس کے شیعوں کے ہاتھ میں تجارت وصنعت ہے نہ اعلیٰ تعلیم۔ اسی لئے وہ سماجی حیثیت سے ہر جگہ پست اور نظر انداز کئے جانے کے قابل اور افسوس ناک حالات کے حامل ہیں۔

جب تک زمینداری ختم نہیں ہوئی تھی (۱۹۵۲ء) تک، تب تک شیعہ فرقے کے کچھ لوگ متمول تھے اور سرکاری محکموں سے بھی وابستہ تھے۔ لیکن ملک کی تقسیم اور اس کے بعد خاتمہ زمینداری نے مسلمانوں کو بے دست و پا کر دیا۔ شاید ان سے زیادہ شیعہ متاثر ہوئے۔ صرف محرم اور عزاداری کا چلن ہی دین کی شناخت رہ گئی دیگر ایام میں ان کا ذاتی تشخص بھی گمنامی میں پڑ جاتا تھا۔ آزادی ہند کے قبل شیعہ آبادی کم صحیح مگر اپنے انداز سے زندگی گزارتی اور مطمئن تھی۔ مگر متحدہ ہندوستان میں ان کی حیثیت وگنتی لائق ذکر تھی خصوصاً پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں۔ تعلقدار، راجہ، نواب وڈیرے ہر خطہ میں اپنی آن بان کے ساتھ پائے جاتے تھے۔ علما اعلام اور روحانیت کی قدر تھی۔ ان کو لوگ اپنا قائد و رہنما مانتے تھے۔ لکھنؤ مرکز تشیع تھا۔ وہیں سے قوم کی صلاح وفلاح کے احکام جاری ہوتے اور عوام اس کی متابعت کر کے علما کرام کی بالا دستی کا ثبوت فراہم کرتے۔

۱۹۳۹ء کا حیرت انگیز تبرا ایجیٹیشن اس کا گواہ ہے۔ جس میں قوم شیعہ نے ایسے جوش وولولہ سے حصہ لیا جو ملک کی تاریخ میں ریکارڈ ہے۔ تب سے آج تک ملک میں نہ جانے کتنے احتجاج وسول نافرمانی ہوتی رہی مگر اس جیسی "جیل بھرو" تحریک اب تک کہیں دیکھی نہ گئی۔ حکومت کے جابرانہ فیصلہ کے خلاف یہ تحریک علماء اور روحانیوں نے شروع کرائی اور بند بھی ان کے علاوہ کوئی طاقت نہ کر سکی۔

آزادی کے بعد کئی دہائیاں گزر گئیں مسلمان اور شیعہ دونوں مایوسی اور افسردگی میں مبتلا رہے۔ مٹھی بھر سربرآوردہ لوگ پاکستان منتقل ہو گئے تھے اور نفسی نفسی کا شکار ہو کر اپنی حیثیت بنانے میں لگے تھے اور ہندوستان سے منہ پھیر لیا تھا۔ ادھر سے باقی ماندہ لوگوں میں سے اکثر اپنے حقوق کے مطالبہ اور لچر سیاست میں وقت ضایع کرتے رہے۔ اور حاصل کچھ نہ ہوا سوائے حرماں نصیبی اور ترقی سے دوری کے۔ البتہ جنوب ہند کے

ISSN No.2455-636X

باشندوں نے اس کے برعکس علم وفن و ہنر کی تحصیل میں وقت صرف کیا اور ان کی حالت شمال والوں سے کہیں بہتر ہوگئی۔ پچھلے دس پندرہ سال سے ان کو ہوش آیا اور زیادہ توجہ تعلیم و اسباب ترقی کی طرف دی ہے مگر سرکاری جائزہ کے مطابق ہر پچھڑی ہوئی قوم سے مسلمان بہت پیچھے ہیں۔ شیعوں کا تو کوئی ذکر بھی نہیں کرتا کیونکہ عام مسلم قائدین ان کو کسی شمار و قطار میں نہیں لاتے اور برملا کہتے پھرتے ہیں کہ خورد بین اور دور بین لگا کر اکا دکا شیعہ دکھائی دیتے ہیں پھر بھی اپنا حق مانگنے میں کسی کے پیچھے نہیں پہلے شیعہ اپنا وجود تو ثابت کریں۔

شیعہ قوم عرب و عراق کی ہی طرح ہندوستان میں بھی مظلوم و مقہور رہی ہے۔ ساری ذہین و ممتاز ہستیوں سے شاہوں یا بادشاہوں نے اپنے کام تو نکلوائے ہیں مگر برابری کا درجہ کبھی نہیں دیا۔ محمود غزنوی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ البیرونی کو اپنا درباری تو بنائے رکھتا تھا مگر مسلکی اختلاف کے باعث ہمیشہ ہی اسے نیچا دکھانے کی کوشش میں رہتا تھا۔ ویسے ہندوستان خصوصاً سندھ میں شیعیت کا پودا تو امیر المومنین حضرت علیؑ کی خلافت کے زمانہ میں ہرا بھرا ہونے لگا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ غلام خاندان خلجی حکومت و عہد تغلق حتیٰ کہ مغلوں کے زمانہ میں بھی ان کو مخفیانہ زندگی گزارنی پڑتی تھی اور تقیہ ہی ان کے بچاؤ کا ذریعہ تھا۔

محمد تغلق (۱۵۔۱۳۲۴ء) کے دور میں تاتاری حملوں سے بھاگ کر بے شمار افراد ہندوستان آئے۔ اس میں شیعہ اچھی خاصی تعداد میں تھے۔ اس دور میں شیعہ کچھ اطمینان میں ضرور تھے۔ پھر ملک سرور کا خاندان چوراسی سال تک شیراز ہند میں حاکم رہا۔ وہ زمانہ شیعوں کے حق میں بہت بہتر تھا مگر فیروز تغلق (۸۸۔۱۳۵۱) نے ان کی نسل کشی کی ٹھان لی اور یہ دعویٰ کیا کہ بفضل الٰہی اس فرقہ کے فتنہ کو بالکلیہ دبا دیا گیا۔

اگر چہ یہ دعویٰ صحیح نہ تھا۔ کیونکہ تیموری حملہ کے بعد ایران سے شیعہ علماء اور افراد دونوں زیادہ تعداد میں ہندوستان آئے۔ یہ خیال رہے کہ شیعوں کے لئے ہر دور میں رافضی کی اصطلاح کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ امیر خسرو ایسے آزاد مشرب شاعر نے بھی اپنی مثنوی نہ سپہر میں اس بات پر فخر کیا ہے کہ الحمد اللہ ملک میں حنفی مذہب کا جلوہ ہے اور یہاں رافضی و خارجی کا نام و نشان نہیں ہے۔

ہمایوں کے ایران سے لوٹنے کے بعد ایرانیوں کا ایک بڑا لشکر اس کے ساتھ تھا جس نے شیر شاہ سوری کے بیٹے سکندر سوری سے ملک واپس لیا اور یہیں بس گئے۔ اکبر اعظم کا رویہ معتدل تھا مگر جمہور کے علماء کے غلبہ سے سماج کو شیعہ مخالف ہی رکھا۔ شہید ثالث کی زندگی تک ملک میں شیعہ کھلم کھلا اپنے مذہب پر عامل تھے کیونکہ شہید نے حکم دے دیا تھا کہ اب تقیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد شیخ احمد سرہندی نے شیعوں کا قلع قمع کرنے کی ٹھان لی اور پورے ماحول کو شیعہ دشمن بنا دیا۔

شاہجہاں کے دور میں اعتماد الدولہ و ممتاز محل (ارجمند بانو) کے اثر سے شیعوں خصوصاً سادات کو کافی عزت و احترام ملا مگر اورنگزیب کے آنے کے بعد پھر وہی کیفیت ہوگئی اور شیعوں کا خون مباح سمجھا جانے لگا۔ اورنگزیب نے اپنی عمر کے آخری پچاس سال دکن میں گزارے۔ اس کا ایک خاص مقصد شیعوں اور شیعہ ریاستوں کو اپنی مٹھی میں لینا تھا۔ دکنی علاقہ سے شیعوں کی صفائی اس نے بطور سعادت کی۔ پاکستانی بھی اسی کی سنت پر عمل پیرا ہیں اور حکومت کا تماشائی بنا رہنا بھی بتاتا ہے کہ وہ راضی اور خوش ہے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد بہادر شاہ کے عہد میں شیعیت نے پھر سر اٹھایا اور مذہب حق کی کشش نے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ عبد العزیز کی آنکھیں ان کی کثرت کو دیکھ کر جلنے لگیں اور انہوں نے اس کا بار بار اظہار بھی کیا۔ شاہ عبد العزیز نے آگے آکر جھوٹ و بہتان و بدکلامی کا ایک پلندہ بنام تحفہ اثنا عشری شائع کیا جس کے نتیجہ میں شیعوں سے نفرت مسلمانوں کا مزاج بن گئی۔

ایران میں صفوی خاندان نے شیعیت کے فروغ و استحکام میں جو کارہائے نمایاں کئے وہ بے مثال ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک میں شیعہ پھیل گئے اور غالب ترین آبادی شیعہ مسلک کو ماننے والی ہوگئی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے دور و نزدیک سے علماء کو بلایا اور ان ذوات مقدسہ

ISSN NO.2455-636X

نے شیعوں کی کثرت و بقا کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ چنانچہ آج ایران ترقی کے ہر معیار پہ پورا اترتا ہے اور ساری جمعیت تقریباً شیعہ مذہب کی ماننے والی ہے۔ لیکن افسوس کہ ان جیسا کارنامہ نہ دکن کی بہمن قطب شاہی، عادل شاہی نے انجام دیا نہ اودھ کے نوابین ہی یہ کام کر سکے۔ بلاشبہ ان کے عہد سلطنت میں شیعہ آزادی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ عزاداری کو بے حد فروغ ہوا، صوفیت اور تقیہ کا دور ختم ہو گیا۔ علماء اعلام نے مسند اجتہاد و تقویٰ بچھائی، تصنیف و تالیف کا دور چلا، کتاب خانے قائم ہوئے۔ دینی مدارس کا بھی ڈول ڈالا گیا، شرعی احکام جاری کئے گئے لیکن شیعہ آبادی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا۔ آج بھی اودھ کی راجدھانی لکھنؤ میں شیعہ اکثریت میں نہیں ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اودھ کے حکمرانوں نے مذہب شیعہ کی ترویج میں تو دلچسپی لی مگر اس کی توسیع کی طرف دھیان نہیں دیا۔ شاید اس لئے کہ جبر و اکراہ دین میں نہیں ہے۔ برخلاف اس کے مصر سے لے کر ہندوستان تک سبھی جگہ حنفی و شافعی مذہب کا بول بالا رہا کیونکہ الناس علی دین ملوکہم کے مطابق عوام کا رجحان حاکموں کے دین کی طرف ہوتا ہے۔ دوسرے بنی امیہ، بنی عباس کی طرح ان کے بعد آنے والے حاکموں کا رویہ شیعیان علیؑ کے حق میں استبدادانہ رہا۔ صلاح الدین ایوبی نے فاطمی سلطنت کو ختم ہی نہیں کیا بلکہ شیعیت کی بیخ کنی کر کے پورے ملک کو شافعی بنا دیا۔

یہ ضرور ہے کہ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد دنیا کے گوشے گوشے میں شیعیت کا اثر و رسوخ پھیلا لیکن برصغیر میں مسلک کے نام پر مخالفوں نے پوری مزاحمت کی اور بار بار توسیع مذہب کے خواہش مندوں کی کوشش ناکام رہی۔ اتنا تو بہرحال دیکھنے میں آیا کہ عمومی طور پر شیعوں میں کچھ بیداری آئی۔ حوزہ ہائے علمیہ کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا جبکہ پہلے انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا کچھ نئے اسکول اور کالج بھی قائم ہوئے مگر ان میں شیعہ طلبا آج بھی دوسروں سے کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔

شیعہ اقلیت در اقلیت ہیں اور اقلیت کی بقا اس پر منحصر ہے کہ وہ ہر میدان میں اکثریت پر غالب رہے۔ اس کی زندہ مثال دنیا کے کونے کونے میں پائے جانے والے یہودی ہیں۔ ہندوستان میں پارسی، سکھ، مارواڑی و جاٹ کی تجارت، زراعت سے لے کر سیاست، اعلیٰ ملازمت و مقام پر ان کی اجارہ داری ہے۔ شیعوں کے لئے یہی لوگ نمونہ ہیں۔ ان ہی لوگوں کے طور طریقہ اپنانے ہوں گے محنت و انتھک محنت۔

دوسرا بڑا مسئلہ قیادت اور مضبوط قیادت کا ہے جس کا شیعہ قوم میں اب فقدان ہے۔ یہاں ہر شخص مقتدیٰ بنا ہوا ہے یا بننا چاہتا ہے مقتدی کی فکر و پرواہ کئے بغیر۔

جب تک قوم شیعہ کی باگ ڈور علماء کے ہاتھوں میں تھی وہ ایک زندہ قوم کہلاتی تھی۔ اب اس نے اس ڈور کو توڑ دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انتشار اور محرومی کا سامنا ہے۔ ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ وجوہ شرعیہ کا صحیح استعمال اور اس کی مرکزی حیثیت ختم کر دی گئی ہے۔ کچھ لوگ تقلید کی مخالفت میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت اعلیٰ تعلیم کے حصول کی ہے خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی تجارت و صنعت و حرفت کے لحاظ سے شیعہ قوم کسی شمار میں نہیں ہے کوشش ہونا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں اس سے دلچسپی پیدا کی جائے۔ چھوٹی بڑی کو آپریٹیو سوسائٹیاں بنا کر بھی اس کام کی شروعات ہو سکتی ہے۔ عراق و ایران کے شیعہ زندگی کے ہر شعبے میں آگے ہیں کیونکہ وہ موجودہ حالات کے تقاضوں کو پورا کر کے جینا چاہتے ہیں۔ اگر ہندوستانی شیعہ بھی وہی راستہ اختیار کریں تو ان کو بھی حیات نو مل سکتی ہے اور جلد ہی وہ زمانہ آسکتا ہے جب وہ طالب سے مطلوب بن جائیں اور ہر شعبہ میں ان کی پذیرائی ہو۔ آج ان کو اپنے حق کے لئے کشکول دکھانا پڑ رہا ہے۔ اور پارلیمنٹ نیز صوبائی اسمبلی میں ان کے لئے سیٹ مانگی جا رہی ہے اور اس کی طرف کوئی اعتنا نہیں کرتا۔

اصلاح معاشرہ اور واجبی دینی معلومات کی طرف بھی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے متحرک مبلغین کی ضرورت ہے جو جگہ جگہ مختصر قیام کر کے عوام کو عملی تعلیم دیں اور اس کام کے لئے حوزہ ہائے علمیہ کے طلاب سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ان کی ایک منتخب تعداد کی تربیت کر کے ہر علاقہ میں بھیجا جائے اور ان کو موجودہ زمانہ کی جملہ خرابیوں سے آگاہ کر کے تبلیغ کا کام سونپا جائے۔ دشمنان اسلام کی سازشوں سے پوری طرح خبردار کیا جائے۔ طلاب کی اعلیٰ تعلیم و تکنیکل تعلیم کے حصول و فروغ میں امداد دینے کے لئے معقول مشاہرہ یا وظیفہ کا انتظام بھی بہت ضروری ہے۔ (ارمغان مقالات) ✿✿✿

وہ جو آپ اپنا جواب تھا
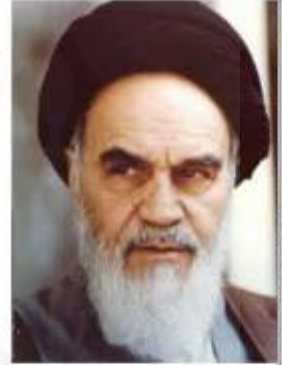
علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ

عالم اسلام میں حضرت امام خمینیؒ کی پہلی برسی ۴؍جون ۱۹۹۰ء کو حیرت انگیز عشق ومحبت کے اظہار کے ساتھ منائی گئی۔ان کی رحلت کے بعد سے دن بدن ان کی پھیلائی ہوئی روشنی بڑھتی ہی جارہی ہے۔۱۹۸۹ء ہی سے دنیا میں ایسی ایسی تبدیلیاں دیکھنے میں آرہی ہیں جن کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ہاں یہ ضرور ہے کہ امام خمینیؒ بار بار اس حقیقت کی پیشن گوئی کرتے رہتے تھے۔وہ اس صدی کو مستضعفین (قرآنی لفظ جس کے معنی کچلے و دبائے گئے لوگ کے ہوتے ہیں) کی صدی کہتے تھے اور ان کی وفات کے بعد ہی ہم نے دیکھا کہ دنیا کے گوشے گوشے میں حزب مخالف اقتدار میں آگیا،کمیونزم کو نظریاتی طور پر حضرت امامؒ نے ایران میں دفن کردینے کے بعد فرمایا تھا اور کسی ایسے ویسے آدمی سے نہیں بلکہ اس کے مہایوگی سے کہا تھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عنقریب کمیونزم کی جگہ تاریخ کے قبرستان یا اس کے میوزیم میں ہوگی۔سو ان کی وفات کے بعد ہی دیوار برلن نے ٹوٹ کر تمام مشرقی یورپ میں کمیونزم کو چور چور کردیا۔

فریب واعظِ تنگ نظر: ایک عالمی قائد کے گرد چند لکیر کھینچ دینا میرے خیال سے اس صدی کے ارباب اختیار کا سب سے بڑا ظلم ہے۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو ایران سے،شیعی مسلک سے،شاہ دشمنی سے باندھ کر رکھنا درحقیقت عالم اسلام کا اتنا بڑا خسارہ ہے،جس کی تلافی شاید کبھی نہ ہوسکے۔افسوس تو یہ ہے کہ دنیا کے عام دانشوروں،اسلامی اسکالروں نے اتنی بھی زحمت گوارا نہ کی کہ حضرت امام کی اول سے آخر تک کی گزشتہ حیات کا مطالعہ کرتے۔میں نہیں جانتا کہ پروفیسر حامد الگار جو کولمبیا یونیورسٹی کے ایک نو مسلم پروفیسر ہیں۔ان جیسے دس پانچ اور بھی ہوں گے۔(ڈاکٹر کلیم صدیقی (لندن) کے علاوہ)

امام خمینیؒ کو لوگوں نے یہ بھی نہ جانا کہ ان کی جنگ اقتدار کی نہیں تہذیبی اقدار کی تھی۔دنیا میں امپریلزم کے لٹیرے معدنی ذخائر جس قدر بھی اڑا کر لے گئے ہوں اس سے کہیں زیادہ اذیت ناک مسئلہ حضرت امامؒ کے لئے یہ تھا کہ انہوں نے جہاں جہاں قدم جمائے وہاں کی تہذیب کو تباہ کرکے اپنے گھناؤنے کلچر کی کھیتی اگادی اور اس میں سب سے زیادہ نقصان اسلام کا ہوا۔شاہ پہلوی سے ان کی مخالفت کا اصل سبب یہی تھا اور امریکہ وروس ومغربی ممالک سے نفرت کی وجہ خاص طور سے یہی تھی۔

وحدت اسلام کو جس طرح فرنگیوں نے پارہ پارہ کیا،امام کو اس کا بھی بے حد صدمہ تھا۔اسی لئے وہ وحدت کلمہ پر بے انتہا زور دیتے تھے۔صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے اور اس راہ میں انہوں نے قربانیاں بھی دیں۔اپنوں کی بدظنی بھی مول لی مگر وہ مسلمانوں کے اتحاد پر بے انتہا زور دیتے ہی رہے۔عرب سلاطین سے مخالفت و بیزاری کا باعث بھی ان کی بے حسی،عوام کے مسائل سے بے توجہی اور مغرب ومشرق پر انحصار و تکیہ ومفاد پرستی وخود بینی تھی۔انہوں نے جبر واستبداد اور طبقہ واریت کے خلاف مرتے دم تک جہاد کیا۔وہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق سیاست داں نہیں تھے،جس میں نفاق و بد عہدی کا بول بالا ہوتا ہے۔لیکن وہ سیاست و دین کو جدا نہیں جانتے تھے۔ان کی سیاست الٰہی،محمدی،علوی،

ISSN No.2455-636X

سیاست تھی جہاں نہ خوف کو راہ ملتی ہے نہ ملامت و طعن کا بجوکا اسے اظہار حق سے روک پاتا ہے اور اس کی بہترین مثال سلمان رشدی کے خلاف امامؒ کا فتوی قتل ہے جو اپنوں کی سرد مہری اور بیگانوں کی یورش کے بعد بھی نہیں بدلا۔ امام کی سیاست میں زہد و تقوی کو فوقیت حاصل تھی اور اسی بنیاد پر انہوں نے حکومت اسلامی کو ولایت فقیہ کا نام دیا تھا۔

حضرت امامؒ ایک صوفی صافی فقیہ دانا، فیلسوف معروف اور معلم اخلاق تھے۔ ان کو جہاں بانی کا شوق تھا نہ خواہش لیکن رفتہ رفتہ حالات ایسے بدتر ہوتے گئے کہ ان کو مسند اجتہاد و فتوی کے ساتھ ساتھ صحنہ سیاست میں بھی قدم رکھنا پڑا اور قلم کے ساتھ ساتھ تیشہ بھی ہاتھ میں لینا پڑا۔ ان کی ابتدائی زندگی ایک یتیم و مفلس متعلم دینی کی تھی لیکن آخر عمر تک وہ اسی روش پر قائم رہے۔ نہ انہوں نے کسی کا سہارا لیا نہ فقیری میں ذرہ برابر بھی کمی آنے دی۔ میں بتاؤں تو آپ تعجب کریں گے کہ وہ اپنی چھوٹی بڑی تحریر خود لکھتے تھے۔ اکثر ان کے فرزند اور سکریٹری کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں۔ ۳۲ صفحے کا طویل وصیت نامہ، ان کے ہاتھوں کی تحریر ہے۔ گرباچوف کے نام طویل پیغام جب تک نامہ بروں کے حوالے نہیں کیا گیا، کسی کو کانوں کان خبر نہیں تھی کہ یہ کیا ہے اور اس میں کیا لکھا ہے۔

نیا سورج: حضرت امام خمینیؒ دنیا کے واحد رہبر و لیڈر ہیں۔ جنہوں نے اپنی تحریر میں کسی اخبار ریڈیو کا سہارا نہیں لیا۔ پھر بھی ان کے تمام پیغامات عراق کی جلاوطنی ہو یا فرانس کا قیام، گھر گھر پہنچ جاتے تھے۔ کیا آپ مانیں گے کہ ۱۹۷۸ء میں جب امامؒ عراق میں تھے اور انقلاب اسلامی کی جدوجہد کا سورج نصف النہار پر تھا، فرانس کے مشہور اخبار ”لے مونڈ“ کو بہت مشکل سے امام نے پہلا انٹرویو دیا تھا۔

”لے مونڈ“ کے نمائندے نے نجف (عراق) میں امام کے مکان کا جو نقشہ کھینچا ہے وہی حال امام کے تہران والے گھر کا تھا جہاں دو تین کمرے خستہ عمارت معمولی سامان اور ایک پرانی کمزور سی آرام کرسی تھی جس پر بیٹھ کر وہ بیرونی و اندرونی مہمانوں کو خطاب کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے مجھے گزشتہ چند برسوں میں تین بار یہ موقع ملا لیکن ماحول میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں تھی اور بتایا جاتا ہے کہ جب امام کی زندگی کے آخری ایام میں روسی وزیر خارجہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تو ان لوگوں کے بیٹھنے کے لئے اڑوس پڑوس سے کرسیاں منگانی پڑیں۔

ایک خصوصیت حضرت امام کی یہ بھی ہے کہ انہوں نے نہ کوئی پارٹی بنائی نہ خفیہ جماعت مگر ہمیشہ صرف عوام ہی سے رابطہ رکھا۔ شاہوں، بادشاہوں، صدر، وزیر اعظم، والیان ملک سے ان کا کوئی تعلق نہ پہلے تھا نہ بعد میں رہا۔ انہوں نے مسلمانوں کو پکارا ان کو دعوت دی۔ ان کو نشیب و فراز زمانہ سے آگاہ کیا۔ صرف شاہ خالد بن سعود کو امام نے ۱۹۸۳ء میں ان کے خط کا مفصل و مدلل جواب دیا تھا جو ایرانی حجاج اور حج کے اصول و فوائد سے متعلق تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کا دوسرا خط غالباً وہی تاریخی پیغام ہوگا جو امام نے روسی صدر گورباچوف کو بطور دعوت اسلام کے بھیجا تھا۔ امام کے پیغامات ہزاروں صفحات اور لاکھوں سطروں میں ہیں۔ کچھ شائع ہوئے۔ بہت کچھ آئندہ شائع ہوگا۔ مگر اس میں خطاب عوام سے ہے۔ خواہ وہ فلسطینی و لبنانی، فلیپنی مجاہدین ہوں۔ حجاج ہوں یا ایران آنے والے مہمانان عزیز آج بھی جمہوری اسلامی ایران میں انقلاب کی سالگرہ، دہہ فجر و دیگر تقریبات میں عوام کے نمایندوں ہی کو دعوت دی جاتی ہے۔ شاہی محل و ایوان کے ساکنوں کو نہیں۔

بے مثال قائد: آخر ہم کیوں نہ حضرت امام کو بے مثال قائد کہیں۔ جبکہ یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اول روز سے یہ عزم بالجزم کر رکھا تھا کہ میرا کوئی سگا سوتیلا حکومت ہی نہیں عملی سیاست میں بھی حصہ نہ لے گا۔ بنی صدر کی معزولی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے حضرت امام سے ان کے فرزند احمد خمینیؒ کو وزیر اعظم بنانے کی درخواست کی تھی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کا بار بار یہ کہنا کہ ”مجھے رہبر نہیں برادر کہو۔ کاش میں ایک پاسدار ہوتا۔ میرے نمائندے محاذ پر جا کر پہلے پاسدار کے ہاتھوں کو بوسہ دیں“۔ انقلاب کسی کا مرہون منت نہیں۔ وہ خدا کا لایا ہوا ہے یا کمزور و بے بس عوام ان ہی کو انقلاب کا ثمرہ زیادہ سے زیادہ ملنا چاہئے“۔ وہ ایک عظیم مرجع تھے۔ بزرگ ترین مجتہد مگر انہوں نے کبھی چھوٹے سے چھوٹے مذہبی کام میں

جھجھک سے کام نہیں لیا۔ انقلاب کے بعد بھی عوام کے اصرار پر نکاح پڑھتے اور استخارہ کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح کے دوسرے امور میں بھی کسی قسم تکلف نہیں کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے علماء ان کاموں کو اپنے لئے کسر شان جانتے تھے۔

جنگ تو جنگ ہی ہے ورنہ درحقیقت وہ بادشاہ سے بھی لڑنا اور اسے بھگانا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس لئے انہوں نے اسے کئی بار نصیحتیں کی تھیں۔ وزیر اعظم عباس ہویدا کو خط لکھ کر سمجھایا، مگر جب وہ اسلام کی پامالی اور استحصال پر اور زیادہ چست ہو گیا تو امامؒ نے شرعی وظیفہ جان کر شاہ کی مخالفت کی۔ کمان ہاتھ میں لی اور پھر عراق سے جلاوطنی اور دربدری، جان و مال کا زیان و خوف کوئی شے ان کی راہ روک نہ سکی۔ جنگ کا امامؒ کے یہاں سوال ہی نہیں تھا۔ انہوں نے انقلاب کے فوراً بعد جہاد سازندگی کا نعرہ دیا۔ ٹوٹے پھوٹے، دبکے ہوئے اور نیلام شدہ تباہ حال ملک کو بنانے سنوارنے کی شروعات خود اپنی نگرانی میں اس نعرے کے ساتھ کی کہ:

"ہم ویرانوں کو آباد کریں گے اور ایران کو مدرسہ بنائیں گے۔ فسق و فجور، فساد و فحش کا خاتمہ کیا جائے گا" مگر ساتھ ہی امریکہ کی کوششیں بھی جاری تھی جس سے چڑھ کر امریکہ نے عراقی صدر صدام حسین کو ایران کے خلاف ایسی مہیب و لم مثال یلغار کے لئے آمادہ کر دیا جو بعد میں عراق کے گلے کا پھندہ بن گئی امامؒ کا کہنا تھا کہ "دفاع واجب اور شرعی وظیفہ ہے اور ہم اس سے باز نہیں آئیں گے"۔

اپنے ناقدین کو وہ بتاتے تھے کہ جنگ میں ہماری آٹھ سالہ استقامت نے ساری دنیا کے مظلوموں اور کمزوروں کو طاقت بخشی ہے اور اسلام کی قوت کا احساس مضبوط ہوا ہے۔ ہر طرف اسلامی حکومت کے قیام کی باتیں اتنی عظیم قیمت رکھتی ہیں کہ اس کے مقابلے میں جنگ میں ہماری تباہی کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ ہم صرف عراق سے نہیں مشرق و مغرب کے تمام کفار سے تنہا جنگ کر رہے ہیں۔

جمہوریت پسند: ایک انفرادیت امامؒ کی یہاں اور بتاتا چلوں کہ کوئی کچھ بھی کہے نادانی یا عناد سے جو چاہے مشہور کر دے مگر وہ غایت درجہ جمہوریت پسند تھے۔ کبھی وہ کسی نظم و نسق کے معاملے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ اور حکام سے سفارش کے معاملے میں بہت سخت تھے کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ آیت اللہ منتظری جو ان کے شاگرد رشید، معتمد، وکیل مطلق اور قائم مقام تھے ان سے اختلاف کا سبب یہی تھا کہ منتظری صاحب چاہتے تھے کہ میری مخصوص رعایت کی جائے کیونکہ واقعتاً انقلاب کے تعلق سے ان کی خدمات زحمات ناقابل فراموش تھیں لیکن حضرت امام نے ان کی بات نہیں مانی جس کا نتیجہ آقائی منتظری کے استعفیٰ کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ امامؒ نے انکا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ میں بجائے خود تمہاری رہبری کے حق میں نہیں تھا لیکن مجلس خبرگان کے فیصلے پر میں خاموش ہو گیا تھا"۔ مگر قوم کو آیت اللہ سید علی خامنہ ای جیسا مجاہد و متقی رہبر مل جانا بھی حضرت امام کے گہرے خلوص و باخدا ہونے کی ایک دلیل ہے۔ جنگ بندی کو زہر کا پیالہ کہہ کر قبول کرنا بھی ان کی جمہوریت نوازی کی روشن دلیل ہے۔

پندرہ سال بعد حضرت امام خمینیؒ کی آمد پر ایران میں جس طرح بے سابقہ خوشی منائی گئی تھی وہ تاریخ کا بے مثال واقعہ بن چکا ہے۔ لیکن امام کی رخصتی پر اس سے کہیں زیادہ سوگ منایا گیا جو اب تک کسی کو نصیب نہیں ہوا نہ ہو سکے گا۔

ان کی مقبولیت کسی عالم میں کم نہیں ہوئی، نہ انقلاب سے پہلے نہ بعد، نہ جنگ کے قبل نہ جنگ بندی کے قبول کر لینے کے بعد، نہ وفات کے وقت نہ وفات کے پانچ سات سال بعد۔ تہران میں ساری دنیا سے ہزاروں لاکھوں مسلمان امام کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے آموجود ہوتے ہیں۔ ہر ملک و شہر میں انکے ماننے والے ان کی یاد منا رہے ہیں۔ ان کا پیغام اتحاد زور پکڑتا جا رہا ہے۔ ان کی آواز دلوں میں اتر تی جا رہی ہے۔ اسرائیل و امریکہ کو عالم عرب نے کٹر دشمن مان لیا ہے۔ اور جب یہ عملاً وقوع میں آجائے گا تو طبعاً لوگ اسی "چشمہ آفتاب" کے قائل ہو جائیں گے جسے ہم خمینیؒ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

۴؍ جون درحقیقت امام کی برسی ہی نہیں اسلام سے تجدید وفا کا دن ہے۔ (ارمغان مقالات) ✿✿✿

ISSN NO.2455-636X

تبصرہ:

غیبت حضرت حجت اور خدمات مرجعیت نمبر

علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند　　چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند　　(حافظ)

"قوم کے بزرگ اہل قلم الحاج مولانا حسن عباس فطرت صاحب مدظلہ کا دم غنیمت ہے انہیں اگر اپنے فن میں منفرد گردانا جائے تو درست ہوگا۔ ان میں کمال فن کے باوجود انکسار بہت ہے لہٰذا نمبر پر تبصرہ میں انہوں نے اپنے مضمون کے محامد نہیں بیان کئے ہیں جبکہ یہ مضمون اپنے موضوع اور سیاق وسباق کے تناظر میں ایک بہترین مضمون ہے"۔ (مدیر)

کوہ کنی بے تیشہ:

ڈیمی سائز کے ۴۸۸ صفحات پر مشتمل ایک سلگتے بلکہ سلگائے گئے موضوع پر دھانسو قسم کا "غیبت حضرت حجتؑ وخدمات مرجعیت نمبر" مختصر سی مدت میں پوری آب وتاب کے ساتھ شایع کرنا کوہ کنی سے کم نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی۔ فرہاد کے پاس لامحدود وقت، ایک ہی شغل، ایک ہی دھن تھی جسم وجان قوی، مضبوط، ہاتھ میں چمکدار وزنی، دھاردار تیشہ تھا وہ نہ تھکا نہ جھکا نہ کسی سنکوچ میں الجھا مگر "ادارۂ اصلاح" کے پاس تو چند کمزور ہاتھ پیر، اعلیٰ دماغ، جوش علم وعقیدہ وموہوم وسائل کے سوا اور کچھ نہ تھا مگر یا مظہر العجائب یہ کیا کہ اس نے دوہرا کارنامہ کر دکھایا، کوہ کنی کے ساتھ ساتھ نادان مخالفین کے ہوش بھی اڑا دیئے۔ سوچیے تو سہی جس کے پاس رہنے کو مناسب مکان، سونے کے لئے آرام دہ بستر نہ ہو اس نے اس نمبر کی تیاری میں چار لاکھ روپے خرچ کر دئے اور کمر سیدھی کی سیدھی رہی گویا "ہمت مرداں مدد خدا" کی جاندار وروشن تعبیر سامنے آگئی۔

ٹائٹل:

ٹائٹل پر پچاس سے زائد علمائے کبارؒ کی رنگین تصویر ہی دامن دل کو کھینچ لیتی ہے اور ذوق مطالعہ اچھلنے کودنے لگتا ہے۔ یہی نہیں ان کے افکار وافادات کو بھی صفحہ قرطاس پر بکھیر دیا جبکہ خود مدیر محترم وعزیز مولانا محمد جابر صاحب متعدد مشکلات ومصائب اور آسمانی سلطانی آفات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ہم سب کو خدائے رحمن ورحیم سے نگاہ کرم کی دعا کرنی چاہئے۔ مگر یہ صاحب بھی غضب کی چیز ہیں بہ قامت کمتر وبہ قیمت بالا تر مدیر کا یہ پہلا کرشمہ نہیں بلکہ وہ اپنی طباعی وہنرمندی، محنت شاقہ کا ثبوت چند سال پہلے ماہنامہ اصلاح کا "صدی نمبر" نکال کر دے چکے ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ چار پانچ دہائی پہلے ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ (مرحوم) نے اسی ضخامت کا (خاتم النبیین نمبر) نکالا تھا جس میں شہریار قلم سید مصطفیٰ حسن رضوی، منیجر سرفراز جناب انصار حسین ماہلی کے اور پر بردار عزیز سید الواعظین مولانا سید کرار حسین مرحوم کا ہاتھ تھا ان کی شب وروز کی محنت شامل تھی اس لئے آج اگر راقم الحروف اصلاح صدی نمبر کے بعد حالیہ عظیم نمبر کی ثنا" آفتاب آمد جواب آفتاب" کہہ کر کرے تو یہ صحیح خراج تحسین ہوگا کوئی طرف داری یا مبالغہ نہیں۔

بھاری بھرکم چوٹ:

ادھر گزشتہ چند سال سے اخباریت کی وکالت (حقیقت نا آشنا) اور تقلید پر اعتراض وانکار کرنے والے حاشیہ نشین یا چھر فتاتی قسم کے افراد نے ہمارے آئینہ سے زیادہ شفاف وفولاد سے زیادہ مستحکم دینی معاشرے اور ہماری پاک منزہ سماعتوں کو پراگندہ ومکدر کر رکھا تھا ان کا سر پھرا ابن

ISSN No.2455-636X

مدد سے آگے جا رہا تھا علماء و مومنین دونوں حلقوں میں بے چینی تھی یکبارگی اس بھاری بھرکم نمبر کو دیکھ کر بے ساختہ "سو سنار کی نہ ایک لوہار کی" والی دیہاتی کہاوت یاد آگئی ورنہ سچ کہوں تو ان کے لئے صرف شہید باقر الصدرؒ کا مقالہ "تاریخ اصول فقہ" کا نقل کر دینا ہی مسکت وکافی تھا بشرطیکہ مخالفین و منحرفین تحقیق کی نظر اور انصاف پسند دل و دماغ رکھنے والے ہوں۔ اس سے آگے بڑھ کر مجھے کہنے دیجئے کہ جس طرح گیارہویں صدی ہجری میں پورے ایک سال تک اخباریت کے وکلاء کی اچھل کود و قل غپاڑہ کو مجدد کبیر ملت آقائی محمد باقر وحید بہبہانی علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنے زور علم و روحانیت اور اپنے مایہ ناز شاگردوں محدث قمیؒ، کاشف الغطا شیخ جعفر کبیرؒ، بحر العلوم، غفرانمآبؒ، وغیرہم کے ہاتھوں پست و درماندہ اور چور چور کر دیا تھا وہی کام ہمارے عہد میں برصغیر میں اردو زبان میں "اصلاح" کے اس عظیم نمبر نے کیا ہے۔ جس کو کل نہیں فقط جزوی طور پر اگر کوئی دیانت دار قاری مطالعہ کرلے گا تو بصیرت و ایمان فروغ وجلا کی معراج تک جا پہنچے گا۔

اخباریت واصولیت:

پہلی نظر میں کھل جاتا ہے کہ اس وقیع نمبر کی ترتیب و تدوین میں گہری منصوبہ بندی و نہایت درجہ حسن سلیقہ سے کام لیا گیا ہے۔ تنظیم بھی سوچی سمجھی ہے۔ نواب اربعہ کے تعارف کے بعد عہد حاضر کے مراجع کرام کا تعارف ہے پروفیسر فرمان حسین کا مبسوط مقالہ اخباریت و اصولیین کے تعلق سے کافی وزنی و معلوماتی ہے۔ اس کے بعد ماضی قریب کے ہندوستان کے علمائے اجل و ارفع کا تفصیلی تذکرہ ہے جو بہت برمحل ہے۔ عصر جدید کے نوجوان محقق مولانا شہوار حسین نقوی (جن کو میں در شہوار کے نام سے پکارتا ہوں) کا تحقیقی مقالہ جامع بھی ہے اور مانع بھی۔ اس میں بیشتر فقہی کارنامے دکھانے والے علماء کا ذکر ہے اور انہی کی حیات و کارناموں کی بالاختصار کہانی سنائی گئی ہے۔ جو بلا خصوصی کد و کاوش و معروضیت کے ممکن نہیں ظاہر ہے کہ سہو و فراموشی کا امکان ہر کام کے کرنے والے کا مقدر ہے اس خوبصورت و وقیع مقالہ میں آل غفرانمآب کے عالم جلیل جنت مآب سید تقی صاحب جن کا کتب خانہ شخصی ہونے کے باوصف نوادرات کا خزانہ ہے۔ موصوف کا حسینیہ آج بھی آباد ہے۔ مغربی علاقے کے اعلم مولانا سبط نبی صاحب اعلی اللہ مقامہ، مولانا امجد حسین الہ آبادی کے ہم عصر و بانی مدرسہ باب العلم نوگانواں تھے، افتخار العلماء مولانا سعادت حسین صاحب بھی اپنے عہد کے بزرگ و معروف عالم و فقیہ تھے ان کے خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن چونکہ ان علماء کی فقہی حیثیت و تصنیف (معیاری) مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ مولانا موصوف کو نہیں ملی اسی لئے وہی نہیں بلکہ کچھ اور اہم نام چھوٹ گئے۔

نجم العلماء کی انفرادیت:

ہمارے علمائے حقہ میں ظہور الملۃ جو ایک اہم ترین ہستی تھی ان کے ذکر سے بھی مقالہ خالی ہے۔ احقر کے خیال میں سرکار ناصر الملۃ و سرکار نجم الملۃ کا ذکر مزید تفصیل چاہتا تھا امیر العلماء مولانا حمید الحسن صاحب کو درج ذیل کارناموں کا تذکرہ کرنا ضروری تھا:

(۱) دو منزلہ مدرسہ ناظمیہ کی تعمیر نو تن تنہا اپنی قوت واثر سے کرائی طلاب مدرسہ کو دور دراز علاقوں میں چندہ کے لئے بھیجا مگر منسوب کیا منشی حسن جعفر مرحوم کے نام جن کی تختی لگی ہوئی ہے۔

(۲) ۱۹۳۹ء کے تبرا ایجی ٹیشن میں جان آپ کی مرجعیت نے ڈالی تمام علماء و فقہا یک آواز ہو گئے اور یوپی پنجاب و سرحد کے مومنین ٹوٹ ٹوٹ کر لکھنؤ پہنچے۔ ان کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ جیلوں میں جگہ نہیں رہ گئی چند ماہ کے اندر یوپی کی تب کی حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے اور مصالحت کے لئے ابو الکلام آزاد کو مقرر کیا۔ برسبیل تذکرہ عرض ہے کہ حضرت قدوۃ العلماءؒ و مولانا راحت حسین صاحب گوپال پوری کے تذکرے ان کے شایان شان تو ہیں مگر بہت مختصر۔

(۳) مدرسۃ الواعظین: ہندوستان میں تبلیغ دین کا مسلمانوں میں پہلا ادارہ تھا جو راجہ صاحب محمود آباد کی مالی مدد سے قائم کیا۔ تحریری و

ISSN No.2455-636X

تقریری نشر و اشاعت کے تمام اسلحوں سے لیس تھا مدرسہ کے مبلغین نے تبت و کشمیر و سرحد کی سنگلاخ وادیوں میں پہنچ کر تبلیغ دین کی۔ افریقی ممالک میں ترویج مذہب کی جس کے اثر و آثار اب بھی موجود ہیں۔ یہ سب نجم العلماءؒ کے کارہائے نمایاں کا ایک حصہ ہے وہ بھی جزوی طور پر۔

ہیئت طلاب ہندوستان قم:

ہیئت طلاب ہندوستان مدرسہ امام خمینیؒ قم کے تیار کردہ تین مقالوں نے بھی مرجعیت نمبر کی قدر و قیمت میں بیش بہا اضافہ کیا ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ اگر اسے نمبر کے ریڑھ کی ہڈی بھی کہا جائے تو نامناسب نہیں ہوگا۔ "فقہ امامیہ کے ارتقا میں علماء و مراجع کا کردار" استاد آقای منذر الحکیم کے اس تجزیاتی مقالہ میں عہد بہ عہد اصولیین کے غلبہ کو کمال انضباط و اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ مختصر مقالات میں آقا سید محمد ابوالحسن موسوی کی تحریر "متصرین از دیدگاہ معصومین" نہایت چشم کشا و معلوماتی ہے۔ تو مجتہدہ خواتین خصوصاً شہیدہ بنت الہدیٰ و خانم اصفہانی کا تذکرہ نمبر کی جامعیت کو مستحکم بناتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مختصر مقالات سبھی ایک ہیں اور ایک سے ایک بہتر مگر حقیر کے خیال میں اولیت آیت اللہ مشکینیؒ کے مقالہ کو حاصل ہے۔ "کیا تقلید صحیح ہے؟" بڑی خوبصورت نگارش ہے صاف و سادہ بیان کی خوبی کے ساتھ طریقِ بحث میں بھی بڑی کشش و نکھار ہے۔

کچھ اور نظارے:

بات یہاں پر ختم کر دی جا سکتی ہے مگر اتنے ضخیم و پر ارزش نمبر پر کچھ اور لکھنا دل کی آواز ہے آئیے مرجعیت نمبر کی ایک جھلک دیکھتے دکھاتے چلیں اور وہ بھی ترتیب کے ساتھ اگرچہ طویل بیان میں تکرار کا احتمال ضرور رہتا ہے:

(۱) عہد حاضر کے سات اہم مراجع کرام کے پیغامات (مع عکس)۔ (۲) چند برجستہ و علمائے فحول کے تحت ۱۸۔۱۹ علمائے اعلام کا تعارف و عکس و تصانیف کو جمع کر کے عزیزی محمد مہدی باقری نے بڑا کام کیا ہے۔ (۳) برجستہ علماء کا تذکرہ سر اختا ہے مگر شہید ثالثؒ کے پہلو بہ پہلو شہید اولؒ، ثانیؒ و رابعؒ کا ذکر ہوتا تو نمبر کی جامعیت بڑھ جاتی۔ شہود الملۃ کا ذکر نہ ہونا کھل گیا اس لئے تکرار کر رہا ہوں۔ (۴) مراتب علماء کے تحت پہلا مضمون مولانا احمد علی عابدی صاحب کا ہے اور آخری ساتواں مقالہ مولانا سید مراد رضا صاحب مقیم قم کا ہے اور لائق فکر ہے۔ (۵) خدمات علماء کے ذیل میں ۱۵ مقالے کافی مضبوط، مدلل و بسیط ہیں۔ (۶) بعد میں اصولی و اخباریوں پر آٹھ مختصر تحریریں ہیں۔ مگر اس کے بعد فلسفہ اجتہاد و تقلید کے عنوان سے ۲۳ مضامین بڑے گرانقدر ہیں بلکہ بعض تو اپنی نظیر آپ ہیں خصوصاً شہید باقر الصدرؒ کا مقالہ جس کا ذکر آ چکا ہے۔ اور شہید مطہری و آیت اللہ مشکینیؒ کے افادات و فرمودات۔ (۸) درمیان میں عہد حاضر کے خطباء و علماء خصوصاً شمیم الملۃ، ڈاکٹر کلب صادق، مرزا محمد اطہر صاحب، ڈاکٹر فضل امام، مولانا حسین مہدی حسینی، رئیس احمد جارچوی، و مولانا ولی الحسن و مولانا منظر صادق صاحب کے مقالے دلچسپ، عام فہم اور مفید مطلب ہیں۔

(۹) فکر و نظر اور اس کے بعد کے ابواب میں اجتہاد و تقلید پر فنی و اصولی بحث ہے اس سلسلے میں سات مضامین ہیں۔ ابتداء میں نمائندہ ولی فقیہ آقائے مہدی مہدوی پور نے مرجعیت کے خلاف سازش کو واشگاف کیا ہے۔ تقلید کی مخالفت کے اسباب کا جائزہ مولانا کلب جواد صاحب نے لیا ہے۔ (۱۰) منظومات کا حصہ بھی معیاری اور محنت و جستجو کا نتیجہ اور نشاط و ایمان افروز ہے۔ علامہ رشید ترابی، نسیم امروہوی، علامہ سعید اختر تپش گوپالپوری، علامہ حالی گوپالپوری، مولانا محمد باقر جوراسی مرحوم، مولانا مرزا محمد اشفاق شوق، ڈاکٹر پیکر جعفری اور بہت سے نامور شعراء کے کلام سے نمبر کی زینت بڑھائی گئی ہے۔

چند اہم علماء کے اسماء رہ گئے:

مکرر عرض ہے کہ میرے دل میں اس نمبر کی تعریف و توصیف سے زیادہ اس کی خریداری کی سفارش اور قارئین تک پہنچانے کی خواہش ہے۔ اہل خیر و اہل علم و ادب سب کا فریضہ عینی ہے کہ وہ اسے خرید کر ادارہ کے مالی بوجھ میں ہاتھ بٹائیں اور ماجور و مستفیض ہوں۔ اس عظیم نمبر کا دوسرا

ایڈیشن تو تیار ہونے سے رہا۔ البتہ اگر یہ ایڈیشن سب کا سب تمام ہو جائے۔ استدراک کے طور پر ان علماء کا تذکرہ اور وہ عناوین جو رہ گئے ہیں مثلاً استصحاب، برائت، قطع و ظن کا تعارف۔ میرے خیال میں شہید اول، ثانی و رابع ظہور الملۃ و مولانا سبط نبی کے ساتھ ساتھ علامہ سعید اختر، علامہ جوادی، مجاہد اسلام باقر نقوی، علامہ سعادت حسین و مولانا مفتی احمد علی صاحب کے اسماء گرامی پر بھی مضامین لکھائے جائیں تو اچھی بات ہوگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خطیب قادر مولانا محمد جابر صاحب نے اپنی اندوہناک علالت بصری و آشفتہ حالی کے باوجود پوری محنت و لگن و ہدایات سے اس نمبر کو سجا کے قوم کے حوالے کیا وہ ان کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ نائب مدیر مولانا محمد حسنین باقری کا کام سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ مضامین کی جمع آوری انہی کا کرشمہ ہے حتیٰ کہ میرے جیسے بیمار، لاچار، بندہ آزار سے خاصہ طویل مقالہ لکھوالیا مجھے خود تعجب ہے بہر حال نمبر کے تمام مضامین کیفیت کے لحاظ سے بلندی و محتوی میں یکساں نہ ہوں نہ ہو سکتے ہیں۔ جب بھی کیست یہ بتاتی ہے کہ قوم میں علمی مقالے لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے بلکہ میرے اپنے لفظوں میں لکھنے والے پڑھنے والوں سے زیادہ ہیں اور اصلاح وہ دینی اہم و مقبول رسالہ ہے جس کے قاری بھلے ہی زیادہ ہوں مگر خریدار کم ہیں بلکہ بہت کم خدا کرے اس نمبر کی درخشندگی و شہرت سے یہ کمی پوری ہو اور اصلاح کی قدر دانی اور خریداری میں اضافہ در اضافہ ہو۔ اصلاح میں کتابت و پروف کی غلطیاں کم ہوتی ہیں خدا کا شکر ہے کہ اتنے ضخیم نمبر میں غلطیاں بہت کم ہیں۔ یا الشاذ کالمعدوم جیسی۔

اور مستحسن طریقہ یہ ہے کہ اس تبصرہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جوان اہل قلم اس نمبر پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہیں اور وہ ہر ماہ اصلاح میں شایع ہوتا رہے اگر بزرگ ان کا حوصلہ بڑھائیں تو یہ نور علیٰ نور ہوگا۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ مجموعی طور پر یہ نمبر ایک یادگاری، تاریخی دستاویز ہے بلکہ اس کو اجتہاد و تقلید پر دائرۃ المعارف صغیر کی حیثیت حاصل ہے۔ صدہا کتب، رسائل، علمی و ثقافتی تحریکات کا سفر قاری گھر بیٹھے کر سکتا ہے۔ اس میں صوری و معنوی دونوں خوبیاں بطور احسن موجود ہیں۔ یہ واقعی ایک عظیم کارنامہ ہے ہر گھر میں اسے ہونا چاہئے تاکہ مسئلہ موجود سے نئی نسل پوری طرح آگاہ ہو اور نور ایمان و یقین کی روشنی پھیلتی رہے، باقی رہے۔ جتنے بزرگ و خورد لکھنے والے ہیں ان کے اسماء گرامی کیلئے صفحۂ قرطاس میں گنجائش نہیں ہے۔ مگر وہ سب کے سب لائق تحسین و احترام ہیں۔ ملک و ملت میں علمی انحطاط کی افواہ اڑاتے رہنے والوں کیلئے یہ نمبر محکم جواب ہوگا اور اس چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے۔ اس نمبر کا بالاستیعاب مطالعہ کافی وقت و حلم چاہتا ہے جو احقر کو میسر نہیں اس لئے ناکافی و سرسری تبصرہ کیلئے معذرت خواہ ہوں میرے لئے یہ کام بھی آسان نہ تھا مگر مدیر عزیز و ملک التحریر مولانا محمد جابر صاحب کے حکم کی نافرمانی اس سے زیادہ مشکل تھی لہٰذا چند سطروں میں اس کی تعمیل کر دی گئی اور لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم کے مطابق تحریر طویل بھی ہوگی بہر حال رب عظیم سے دعا گو ہوں کہ اسے پڑھ کر مومنین میں شوق کی چنگاری جاگ پڑے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کریں اس کی قیمت لاگت سے کم صرف ۲۵۰ روپیہ ہے اور اسے ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر مکتبۂ اصلاح سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

جہاں کا چلن فی الفور فرمائش کی تعمیل۔ نمبر کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا آغاز کلام رہبر عالی قدر سید علی خامنہ ای مدظلہ سے ہوا ہے۔ اور اختتام میں تاریخ ادارہ عالیہ مدرسۃ الواعظین ہے۔ انشاء اللہ برکت ہی برکت ہے۔

امیر خسرو کے دو شعر مولانا محمد جابر صاحب کے اس نمایاں کارنامے کو دیکھ کر یاد آ گئے۔

مرد بینا در گلیم و بادشاہ عالم است — تیغ خفتہ در نیام و پاسبان کشور است
تاز ہر بادی نہ جنبی پایدامن کش چو کوہ — کاہ مشتے غبار و عمر باد سرسر است

✿✿✿ (اصلاح ستمبر ۲۰۱۲ء) ✿✿✿

ISSN NO.2455-636X

جوراس کا سفر ایک نشاط آور تجربہ

علامہ سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ

ساٹھ ستر برس قبل ''بغداد کا دور منصوری تھا مے بے مہار پاکستان'' کہنے والے مرد، روشن ضمیر و شاعر و مفکر کا جائے پیدائش و رہائش جوراس کا سفر میرے لئے ایک خواب تھا۔ جو مدتوں بعد شرمندۂ تعبیر ہوسکا۔ جوراس جہاں مولانا محمد باقر جوراسی نے پوری زندگی علمی وادبی و دینی مصروفیت میں گزاری۔ مولانا محمد باقر صاحب آیت اللہ سید سجاد حسن صاحب نانپاروی کے داماد تھے علوم مشرقی کا حصول مختلف افراد کے ذریعہ کیا لیکن رسمی طور پر کسی جامعہ و مدرسہ میں داخل نہیں ہوئے۔ شاعری میں اس وقت کے اساتذہ سے فیض حاصل کرکے باکمال ہوگئے۔

علمی طور سے پورے مضبوط تھے ''خورشید خاور شب ہائے پیشاور'' فارسی میں ایک ضخیم و وقیع کتاب ہے جس کا ترجمہ برسوں پہلے مولانا محمد باقر صاحب نے کیا تھا یہ کتاب سلطان الواعظین کے مناظرانہ بیان پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع پر کم مثال کتاب ہے۔

جوراس لکھنؤ سے تقریباً ۴۰ر کلومیٹر دور ایک دیہات ہے جہاں اب ایک ہی (شیعہ) سید گھرانہ رہتا ہے۔ بزرگوں کی قبریں اور ان کی نشانیاں اب بھی موجود ہیں۔ چاروں طرف درخت اور جھاڑیاں ہیں جس میں طرح طرح کے پرندوں کی میٹھی بولیاں سنائی دیتی ہیں باغات اتنے گھنے ہیں کہ سورج دکھائی نہیں دیتا۔

لکھنؤ سے جوراس کا راستہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کا ہے جوراس کی حد جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں ایک شاندار پتھر کا گیٹ بنا ہوا ہے جس پر مولانا محمد باقر صاحب کا اسم گرامی نقش ہے۔ مولانا محمد باقر کا ایک کارنامہ حسینی جنتری کا ترتیب دینا ہے آپ ایک طویل مدت تک ادارہ اصلاح کے مشیر (نگران) رہے آپ مبلغ اسلام مولانا سید محمد باقر صاحب مدیر اصلاح کے گہرے دوست تھے اور دونوں نے مل کر اصلاح کو معیاری رسالہ بنایا۔

مولانا محمد باقر صاحب جوراسی نے علامہ دست غیب کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا جو سب کی سب مقبول وپسندیدہ ہوئیں امام جعفر صادقؑ ''مغز متفکر شیعہ'' کا بھی آپ نے ترجمہ کیا۔

نہایت متقی، پرہیزگار، متوکل وضعدار عاشق اہلبیت اطہارؑ وطن پرست، دینداری کی بہترین مثال ونمونہ، چنانچہ آپ نے اپنی اولاد و احفاد میں بیشتر کو اپنی مخصوص اخلاقی تربیت کے ساتھ عربی تعلیم دلائی اور آج ان میں کے اکثر اونچے مقام پر ہیں۔ مولانا محمد غافر صاحب مدرسہ ناظمیہ میں لمبی مدت سے خدمت کررہے ہیں اور قلم کے بھی دھنی ہیں خطیب قادر مولانا محمد جابر صاحب مدیر اصلاح ہیں مولانا سید ین صاحب حاشر جوراس ہی میں رہتے ہیں اور شاعری میں پوری طرح اپنے والد کے وارث ہیں اور وہاں دینی و ادبی و علمی و سماجی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جوراس میں حسن اتفاق سے اسی دن مولانا محمد جابر کی والدہ محترمہ کا دیسہ تھا مجلس ترحیم خاکسار نے پڑھی سب ہی خوش ہوئے اور پرتکلف دعوت کی۔ جی چاہتا تھا کہ کچھ دن جوراس میں قیام کرکے وہاں کے صاف ستھرے ماحول سے بہرہ مند ہوا جائے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا اور ہمیں رات ہی میں لکھنؤ واپس آنا پڑا اور پھر دوبارہ جوراس جانے کی آرزو لے کر چلے آئے۔

جوراس قدرتی ماحول اور خوشنما منظر رکھتا ہے۔ پربہار و پرفضا، ایسی پرسکون وصاف دنیا بہت کم ہاتھ آتی ہے خاص طور پر لکھنے پڑھنے، مطالعہ کی یہ بہترین جگہ ہے جوراس جانے اور اسے دیکھنے کا دیرینہ خواب پورا ہوا۔ مولانا محمد باقر جوراسی کے زیر نگرانی بنی ہوئی چھوٹی سی خوبصورت مسجد دیکھی وہیں پر احقر نے مجلس پڑھی بعد مجلس دل نے کہا کہ اے کاش مولانا محمد باقر صاحب حیات ہوتے اور ان سے شرف نیاز حاصل ہوتا مولانا کی قبر نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں تو ہوں فاتحہ خوانی کرکے اپنی حسرت پوری کرلو۔ آخر میں ضروری عرض یہ ہے کہ مولانا محمد جابر صاحب مدیر اصلاح ہی کی مہربانی اور اصرار سے یہ سفر ہوا اور نہایت مسرت و خوشگواری سے بھرا ہوا یہ تجربہ میری زندگی کی تاریخ میں جگہ پائے گا (اصلاح ستمبر ۲۰۱۴ء)۔ ✿✿✿

ارتحال علامہ حسن عباس فطرتؔ مرحوم

۶۴۰ + ۱۴۶ + ۲۵۱ + ۶۸۹ + ۲۹۴ = ۲۰۲۰ء

الحاج مولانا محمد حسنین الماسؔ رجیٹوی
استاذ جامعہ ناظمیہ لکھنؤ موبائل:9026302938

فارسی

کوہ گرانِ عزم و عزیمت بہ خلد رفت
یک ناشرِ ولایت عترت بہ خلد رفت
آں آسمان عزت و رفعت بہ خلد رفت
گویا کہ تاجدار شرافت بہ خلد رفت
او عاشقِ جناب رسالت مآبؐ بود
شیدائے آلِ پاکِ رسالت بہ خلد رفت
اہلِ قلم ، امین ادب ، عالم جلیل
نبّاضِ دہر ماہر فطرت بہ خلد رفت
آں کس کہ بود ناشرِ پیغام اتحاد
واحسرتا کہ مایۂ امت بہ خلد رفت
یک آفتاب علم و عمل شد غروب آہ
از بزم ما چراغِ ہدایت بہ خلد رفت
رفتم بہر کجا کہ بیابم سراغ او
آمد صدائے غیب کہ فطرت بہ خلد رفت
بود آں جناب وارث میراث انبیاء
صد حیف اہل صدق و صداقت بہ خلد رفت
اسم گرامی اش حسن عباس، نیک خو
الماسؔ ادیب و شاعرِ فطرت بہ خلد رفت

ادیب و شاعر و علامہ فطرت
ز دنیا رفت او فرحان و شاداں
برائے سال رحلت فکر کردم
صدا آمد بگو فخر گلستاں
۱۴۴۱ھ

اردو

کوہ گرانِ عزم و عزیمت ہے خلد میں
اور ناشرِ ولایت عترت ہے خلد میں
اک آسمان عزت و رفعت ہے خلد میں
گویا کہ تاجدار شرافت ہے خلد میں
وہ عاشق جناب رسالت مآبؐ تھا
شیدائے آلِ پاکِ رسالت ہے خلد میں
اہل قلم امین ادب عالم جلیل
نبّاض دہر ، ماہر فطرت ہے خلد میں
اک اور شمع علم و عمل ہوگئی خموش
روشن تھا جو چراغِ ہدایت ہے خلد میں
ہر سو کیا تلاش نہ کوئی نشاں ملا
آئی صدائے غیب کہ فطرت ہے خلد میں
لاریب تھا وہ وارث میراث انبیاء
صد حیف اہلِ صدق و صداقت ہے خلد میں
پیغام اتحاد دیا اس نے عمر بھر
واحسرتا کہ رہبر امت ہے خلد میں
اسم گرامی تھا حسن عباس نیک خو
الماسؔ ادیب و شاعرِ فطرت ہے خلد میں
تاریخ انتقال ہے اس مصرعہ سے عیاں
معنی نگار، شمع ہدایت ہے خلد میں

۴۴۱ + ۴۱۰ + ۴۲۰ + ۱۵ + ۶۳۴ + ۱۰۰ = ۲۰۲۰

ISSN No.2455-636X

نظم تاریخ وفات برائے حجۃ الاسلام مولانا سید حسن عباس فطرت طاب ثراہ

مولانا سید غلام السیدین حاشر باقری جوراسی۔ موبائل: 9839946975

بہاروں کی جو رنگینی، تھی شامل ان کی طینت میں
عیاں فطرت کے جلوے تھے، حسن عباس فطرت میں

کہاں اب وہ خلیق و منکسر اور مہرباں مشفق؟
شکستہ دل ہیں احباب و اقارب آج فرقت میں

یقیناً، موت عالم کی، ہے گویا موت عالم کی
جہان علم و دانش ہے، حصار رنج و حسرت میں

طناب عشق نے کھینچا، انہیں زندان مرقد سے
حسن عباس فطرت ہیں، علیؑ کی آج خدمت میں

خطیب و ذاکر و عالم، امام جمعہ و واعظ
نہیں معلوم، تھے اوصاف کتنے ذات حضرت میں؟

صحافی ہوں، مصنف ہوں، کہ ہوں نقاد علم و فن
بڑی ہی خوبیاں یکجا تھیں علامہ کی سیرت میں

تھا ان کا نفس، دنیا میں ظہور خیر کا مصدر
جناں سے بارش انوار ہو گی، آج تربت میں

مبلغ دین حقہ کے، تو مصلح قوم و ملت کے
نمایاں، مصلحت کے راز، ان کے درس حکمت میں

کبھی شہرت نہ ملتی، ان کے اخبار صداقت کو
اگر، ثابت قدم، رہتے نہ وہ راہ صداقت میں

دکھاتا رہتا تھا ان کا قلم جولانیاں اکثر
ہے چرچا ان کی تحریروں کا دنیائے صحافت میں

کئی قومی ادارے، آج بھی مرہون منت ہیں
نظر آتے تھے کثرت کے مناظر، حسن وحدت میں

کہا یہ سال ہجری نے، مٹے گی قبر کی وحشت
حسن عباس ہوں گے، آمد حیدرؑ کی قربت میں

سنہ ۱۴۴۱ ہجری

جو دیکھا لطف حق کو، عیسوی سن بھی پکار اٹھا
مبارک! ہیں حسن عباس فطرت، آج رحمت میں

سنہ ۲۰۲۰ عیسوی

بشارت ہے دل حاشر کو، یہ عام حسینی کی
حسن عباس ہیں، وادی ایمن، قصر جنت میں

سنہ ۱۳۸۱ شہادت حسینی

تعزیتی نظم بسلسلہ وفات حجت الاسلام والمسلمین علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم

مولانا ڈاکٹر اصغر اعجاز قائمی (شعبہ شیعہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

اے خطیب بے بدل اے طالع بیدار علم
اے جمال آگہی اے محرم اسرار علم

اے وقار لفظ و معنیٰ اے علمبردار علم
اے کتاب فکر و فن اے ابر گوہر بار علم

اے ضیاء انداز مہر مطلع انوار علم
اے کمال جلوہ پاشی آئینہ بردار علم

اے حسن عباس فطرت اے گل گلزار علم
ساتھ اپنے لے گیا تو خوشبوئے تاتار علم

اے محقق اے مورخ اے صحافی اے ادیب
تو نے کھولے نوک خامہ سے در اسرار علم

اے مجاہد اے جہاد آرائے میدان قلم
تو نے سر باطل قلمکاروں سے کی پیکار علم

اے خطیب معتبر اے ذاکر شیریں مقال
یاد آئے گی سر منبر تری گفتار علم

اے نقیب علم فقہ جعفری کے پاسباں — مرثیہ خوانی تری کرتا ہے ہر فنکار علم
سیکڑوں مضمون اور صدہا مقالے ہیں گواہ — ہے تری مرہون منت کشت لالہ زار علم
نحو و صرف و منطق و ہیئت ہو یا فقہ و اصول — تو تھا ہر اک آسماں پہ نیر ضوبار علم
گلشن تفسیر قرآں ہو کہ گلزار حدیث — تو نے مہکائے یہاں پہ بھی گل شہکار علم
دائرہ میں جس کے تھا محصور ہر فن کا شعور — سینۂ گیتی پہ تو تھا نقطۂ پرکار علم
کون آکر اب سلیقے سے کرے مشاطگی — بکھرے بکھرے ہیں نظر میں گیسوئے خمدار علم
پانی پانی ہو گئی ہے چشم ہر صنف سخن — کھو گیا ہے قلزم فن سے دُر شہوار علم
کون آنکھوں سے لکھے گا داستان کربلا — آنسوؤں سے تر بتر ہے صفحۂ رخسار علم
حرف حق تیرا تکلم صوت حق تیرا شعار — تجھ پہ قرباں ہے زبان میثم تمار علم
روشنی میں اس کی مستغرق تھے جویان ادب — صورت خورشید سر پہ تھی ترے دستار علم
فکر شور انگیز خسرو ہو کہ حافظ کا شعور — کر گئے دونوں تجھے وارفتۂ اشعار علم
رفعت معراج کا صدقہ قلم کو مل گیا — تیرے قدموں تک جب آئی سرعت رفتار علم
لفظ و معنیٰ مشکل طرز و ادا ہیں سوگوار — سینۂ گیتی میں ہے رو پوش پرچمدار علم
اس سے اب کھلتے رہیں گے راستے تحقیق کے — ترکۂ میراث میں جو ہیں ترے آثار علم
کلفتوں کی دھوپ میں ہوتا نہ کیونکر مطمئن — تو تھا در ظل ردائے عترت اطہار علم
تالے ناحق خطابت کے مقفل ہو گئے — تو نے جب کھولی زبان جرأت اظہار علم
جس کی خوں سے آبیاری کی تھی وہ رخصت ہوا — مضطرب ہیں ناظمیہ کے در و دیوار علم
سربراہ ناظمیہ اے حمید فکر و فن — تجھ کو پرسہ دے رہا ہے حاشیہ بردار علم
ہو گئی خاموش اے اصغر صداقت کی زباں — سونا سونا سا نظر آنے لگا دربار علم

تعزیتی نظم بسلسلہ رحلت عالیجناب مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب طاب ثراہ

جناب سید صغیر عابد رضوی، ایڈوکیٹ سیدواڑہ بہرائچ

وہ آفتاب دین و شریعت چلا گیا — اک داغ دے کے قوم کو فطرت چلا گیا
ملنے کی تھی حسینؑ سے عجلت چلا گیا — ٹھہرا نہ ایک پل کو وہ جنت چلا گیا
اے انجمن وظیفہ سادات و مومنین — تیرا رفیق و محسن ملت چلا گیا
روتا ہوا وہ چھوڑ گیا ایک قوم کو — رکھتا تھا جو غضب کی بصیرت چلا گیا
عالم تھا با عمل تھا عبادت گزار تھا — تھا اپنے آپ میں جو جماعت چلا گیا
کیا ہو گیا کہ ماہ مبارک میں چھوڑ کر — اک پل میں وہ صدی کی رفاقت چلا گیا
اخلاق ایسا سیرت احمد پہ گامزن — انساں شناس صاحب عزت چلا گیا
یہ سچ ہے اس کے نقش قدم دیں گے روشنی — ہم کو دکھا کے راہ ہدایت چلا گیا
عابدؔ غضب کی دھوپ میں تنہا کھڑا ہوں میں — اور پنجتن کے پاس وہ فطرت چلا گیا

خطوط آپ کے

علامہ فطرت مرحوم کا ایک سابقہ رہنما مکتوب

برادر عزیز مولانا محمد جابر صاحب سلام و دعا

لکھنؤ کے حالات سن کر دل بہت دکھتا ہے۔ خدا رحم کرے۔ آپ کی کسر نفسی و کم سخنی سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں میں آپ سے بہت دور رہتا ہوں مگر ہر چھوٹی بڑی خبروں پر میرے کان لگے رہتے ہیں میں نے کئی بار آپ سے عرض کیا وہی بات آج بھی کہنا چاہوں گا کہ آپ معترضین و نکتہ چینیوں پر بالکل توجہ نہ دیں۔ آپ اصلاح کے مدیر اعلیٰ ہیں جو قوم میں معیار و قدامت میں منفرد و نمایاں ہے اسی لئے آپ کو ایسے ویسوں کو منہ بھی نہیں لگانا چاہئے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لکھنؤ کے ایک مشہور مذہبی ہفتہ وار نے ایک بڑے مجتہد و عالم کے خلاف کچھ لکھا (کسی لالچ و امید میں) ہم سب منتظر تھے کہ اس کا جواب مجتہد صاحب کی طرف سے آئے گا مگر ادھر سے کوئی جواب نہیں دیا گیا اور تھوڑے دنوں میں سب بھول گئے اور ایڈیٹر کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی تصدیق آج بھی میں کروا سکتا ہوں۔

دوسری بات یہ کہ جواب مقابل کو دیا جاتا ہے مقابل کو نہیں پر تو آپ جانتے ہی ہوں گے مخالفین کی کارگزاری سے کھلتا ہے کہ ان کی نیت صحیح نہیں وہ لوگ اصل موضوع سے زیادہ آپ کی ذات پر حملہ کرنے میں حقیقی دلچسپی رکھتے ہیں اور حالیؔ بہت پہلے کہہ گئے ہیں:

بدلتی ہے جس وقت ظالم کی نیت — نہیں کام آتی دلیل اور حجت

ایک تو آپ بمصداق ایاز قدر خود بشناس یک پلٹ کے دیکھئے کہ آپ کے سابقین کا کیا وطیرہ رہا ہے۔ ان باتوں میں "اصلاح" کبھی آلودہ نہیں ہوا آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں تعجب ہے کہ آپ کو امام باقرؑ کا یہ قول یاد نہ رہا: "مجادلہ نہ کرو اگر چہ تم حق پر ہو"۔

آپ کا مخلص: (علامہ) حسن عباس فطرت (پونے)۔ (ماہنامہ اصلاح، مارچ ۲۰۱۷ء)

(۲) برائے قدردانی۔ آپ تمام لوگوں کو جشن مولود کعبہ مبارک ہو

لاجواب مدیر، بے مثال ایڈیٹر، لاجواب اداریہ نگار، ممتاز قلم کار، مزاجی اعتبار سے اس عمر میں بھی باغ و بہار، ہمہ وقت مصروف کار، اس مصروفیت اور علالت کے باوجود تبلیغ حق کے سلسلہ میں دیار بہ دیار، حجۃ الاسلام مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب قبلہ دامت برکاتہ، انھیں محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقہ میں صحت عطا فرمائے پروردگار۔

از طرف: سید ذاکر علی عاکل حسینی زنگی پوری احقر روزگار۔ ۱۳ رجب ۱۴۴۱ھ وقت سحر۔ ✿✿✿

صفحہ 35 کا بقیہ

فخر ہلور نازش پونا	کر گیا آہ یہ چمن سونا
وہ حسن جس کے حسن فطرت سے	خوش نماں تھے نکات حکمت کے
فطرت شاعرانہ رکھتا تھا	لب پہ حق کا ترانہ رکھتا تھا
خاک ہلور کا وہ گوہر تھا	جھد کے آئینے کا جوہر تھا
عالم دیں ادیب اردو تھا	خوش ادا خوش بیان خوش خو تھا
وہ بیاض ادب کا سرمایہ	وہ صحافت کا ایک سرنامہ
وہ صداقت کا اک حوالہ تھا	علم و عرفان کا رسالہ تھا
نور باراں سحابی چہرا تھا	ایک سچا کتابی چہرا تھا

رب کریم انھیں جوار رحمت میں بلند سے بلند تر مقام کرامت فرمائے۔ اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے۔

✿✿✿

(نقد و تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں)

علامہ حسن عباس فطرت مرحوم کی قلمی کاوشیں

(۱) **جینے کا سلیقہ** : تالیف : علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم، صفحات : ۶۷۔ ناشر: مرکز تحقیقات الحیاۃ ممبئی ہندوستان، ۔ ملنے کا پتہ (۱) امامیہ مسجد تیسرا منزلہ ۱۹۔ ۱۵ مرزا علی اسٹریٹ، ممبئی ۹۔ (۲) ہفتہ وار 'صداقت' پوسٹ باکس، ۱۴۸۔ G.P.O. پونہ۔ ۴۱۱۰۰۱

دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے اسلامی قواعد وضوابط کی ایک طویل فہرست ہے۔ جو ایک مرد مسلم کی زندگی کو سجاتی اور سنوارتی ہے۔ عبادات، معاملات، میں کچھ عبادات کا تعلق اللہ سے معاملات کا تعلق بندوں سے۔ قرآن وحدیث میں ایک ایک بات کو بہت واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف نے زیر نظر کتاب میں جلی عنوانات کے ساتھ زندگی کے ضروری قواعد و ضوابط کو جمع کر دیا۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر پہنچایا جائے۔ اور زندگی کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں منور و روشن بنایا جائے۔ صفحات کم ہیں اس میں لیکن ایک جہاندیدہ اہل قلم نے جو انتخاب فرمایا ہے وہ بہت قیمتی ہے۔ اس سے استفادہ کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔

(۲) **بیاں اپنا**: مجموعہ مضامین علامہ سید عباس فطرت مرحوم۔ صفحات ۲۲۵۔ قیمت ۴۰ روپے۔ ناشر: صداقت پبلیکیشنز پوسٹ بکس ۱۴۸۔ پونہ ۱۴۰۰۱ اعبار اشتر۔

یہ مجموعہ جنوری ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا اس وقت تک کے مرحوم کے مضامین کا انتخاب اس میں موجود ہے۔ مثلاً حریم اسلام کا دیدبان، تحریک وحدت اسلامی اور علمائے شیعہ، وہ جو آپ اپنا جواب تھا، انقلاب حسینی، حج کیا ہے اور کیا نہیں، ایران ماضی حال و مستقبل، وغیرہ وغیرہ۔ ہر مضمون کا حوالہ موجود ہے یہ کب کہاں شائع ہوا۔ اور کونسا کا مقالہ ریڈیو سے نشر ہوا۔ مرحوم کے مضامین میں جو ندرت و چاشنی ہوتی ہے وہ اس کتاب کے مطالعے سے ناظرین حاصل فرما سکتے ہیں۔

(۳) **چشمہ آفتاب**: مجموعہ مضامین علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم۔ صفحات ۱۰۱۔ قیمت ۵۰ روپے۔ ناشر: نور اسلام امام باڑہ فیض آباد۔

یہ بھی مولانا مرحوم کے مضامین کا مقبول مجموعہ ہے۔ جو ۱۴۲۷ھ میں غدیر کے موقع پر منظر عام پر آیا تھا۔ جس کے مضامین بھی مختلف جرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اور ناظرین کے ذوق مطالعہ کو آسودہ کرتے رہے ہیں۔ بعض مضامین یہ ہیں: مظلوم ترین فرزند کا مظلوم باپ، چشمہ آفتاب، در یتیم عصمت وطہارت، کب آئے گا وہ دن کیسا ہوگا وہ زمانہ؟، نہج البلاغہ جدید ادب کے منظر نامہ میں، شہید ثالث کے عہد میں شیعوں کے حالات، حج دنیا کی عجیب دنیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس مجموعہ میں شامل تمام مضامین بہترین اور معلوماتی ہیں۔ بالخصوص عبقات الانوار اور الغدیر کا موازنہ ایک اچھا مضمون ہے۔ جس میں دونوں وقیع کتابوں کے بارے میں ناظرین کو مناسب معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

(۴) **گزرنامہ آفتاب**: مجموعہ مضامین علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم۔ صفحات ۱۲۸۔ قیمت ۷۵ روپے۔ ناشر: صداقت پبلیکیشنز پونہ۔

ISSN No.2455-636X

اس مجموعہ میں جو مضامین جمع کئے گئے ہیں ان سے بانی انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمیٰ سید روح اللہ الخمینی ؒ اور ان کے کارناموں پر مکمل روشنی پڑتی ہے۔اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنیان گزار جمہوریہ اسلامی ایران طیب اللہ رمسہ کے دل میں اسلام و مسلمین کا کتنا درد موجود تھا۔یقیناً وہ ہم سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کی یادیں ناممکن ہے کہ تاحیات ہم سے رخصت ہو جائیں۔

بعض مضامین اس طرح ہیں:سوگیا سب کو جگانے والا،امام خمینیؒ ایک بے مثال رہبر،امام خمینیؒ اور محرم،امام خمینیؒ فرزند عاشورا، ایک منفرد عارف و سالک،اتحاد بین المسلمین کی راہ میں امام خمینیؒ کی گراں قدر خدمات،معاشرے میں خواتین کی سرگرمیاں اور امام خمینیؒ وغیرہ وغیرہ

(۵) **خسرو حافظ اور ایران** ۔تصنیف ،مولانا سید حسن عباس فطرت ،صفحات ۲۰۰ (مجلد) قیمت ۱۶۰ روپئے ۔ناشر،حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ پونے مہاراشٹرا۔دستیاب،ہفت روزہ مجموعہ صداقت ،جامعۃ الرضا سروے نمبر ۴۳ مقابل راج گارڈن کونڈوا پونے411048

ممتاز و معروف فارسی شعراء،یمین الدولہ ابوالحسن امیر خسروؔ اور خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی کو عالمگیر شہرت حاصل ہے،زیر نظر کتاب میں ان دونوں شعراء پر تجزیاتی تحریریں شامل ہیں اور چونکہ فارسی کا مرکز ایران ہے اور حافظؔ کا وطن بھی لہٰذا اس میں انتہائی معلوماتی ایران کا سفر نامہ بھی شامل ہے۔مولانا حسن عباس فطرت،شگفتہ فطرت انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفکر،دانشور،مقرر،صحافی اور عالم و ادیب بھی ہیں،انہیں اردو ادب پر تو عبور حاصل ہی ہے،ملک کے ممتاز ادیبوں میں سے ہیں لیکن فارسی اور عربی ادب پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔اس کا ثبوت اس زیر نظر کتاب کے مطالعے سے ملے گا۔اس کتاب میں امیر خسرو اور حافظ شیرازی کے منتخب اشعار مع سلیس اردو ترجمہ کے ہیں امیر خسرو پر دو مضامین ہیں"امیر خسروؔ دہلوی ایک تحقیقاتی یادداشت"اور"دکن اور امیر خسروؔ"بقول پروفیسر امیر حسن عابدی۔"یہ بھی کہنا شائستہ ہوگا کہ اردو میں امیر خسروؔ کے تعلق سے یہ ایک منفرد تحریر ہے"(صفحہ ۸)

حافظؔ پر بھی یہ دو مضامین قارئین کو بہت کچھ دیں گے"حافظ فن وحیات ایک سرسری مطالعہ"اور حافظؔ کا تصور عشق"ایران کا سفرنامہ"ایک سفر ناتمام کے زیر عنوان ہے،ایران اور اس سے مخصوص شہروں اور تاریخی مقامات کے بارے میں بھی مضامین ہیں۔

بطور تذکرہ تحریر ہے کہ مولانا حسن عباس فطرت"مجموعہ اخبار صداقت"پونے کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں انہوں نے انقلاب اسلامیٔ ایران کی انتیسویں سالگرہ کی مناسبت سے اس جریدہ کا"انقلاب اسلامی ایران نمبر بھی شائع کیا ہے۔جس میں انقلاب کے تعلق سے تاریخی معلومات سے پر ولولہ انگیز مضامین ہیں،اس کو آمادہ و تیار کرنے میں ان کے معاون حجۃ الاسلام مولانا حسین مہدی حسینی ہیں۔

زیر نظر کتاب کا اختتام چند یادگار تصویروں پر ہے،ان تصویروں میں اگر ایک تصویر نہ ہوتی تو مناسب تھا،بہر حال یہ کتاب اہل ذوق کے لئے"من وسلوی"جیسی ہے۔(ماہنامہ اصلاح لکھنؤ،مارچ ۲۰۰۸)

(۶) **افریقہ سرخ و سیاہ:** سفرنامہ مولانا سید حسن عباس فطرت صفحات ۱۵۲ قیمت ۱۲۰ روپئے ناشر:ایلیا پبلی کیشنز مکتبہ ایلیا، دہلی دستیاب:ایلیا پبلی کیشنز باقر گنج سیوان بہار(۲)ادارہ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ ۳۔

مولانا سید حسن عباس فطرت چیف ایڈیٹر،مجموعہ اخبار صداقت پونہ،اردو ادب قبیلہ کے معتبر اہل قلم ہیں،رسائل و اخباران کے مضامین شائع کرنے کو سبب افتخار سمجھتے ہیں اس لئے کہ قارئین ان کی تحریروں کے دلدادہ ہیں،وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کرتے ہیں،سفرنامے یوں بھی دلچسپ ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے قلم سے سفرنامہ ہو تو کہنا ہی کیا۔بقول ان کے "ان دنوں عموماً سفرناموں میں سفر کا حال کم اور اپنا بیان زیادہ ہوتا ہے۔جو بہر حال صحیح نہیں ہے،میرے سفرناموں میں معلومات زیادہ ہیں اور ضمنی باتوں کا بیان خال خال"

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو افریقہ کے متعدد ملکوں کے حالات اس طرح معلوم ہوں گے جیسے آپ خود وہاں موجود ہیں،کتاب پر ڈاکٹر ریحان حسن رضوی کا تجزیاتی مقدمہ ہے یہ کتاب جملہ قارئین کے لئے ایک دلچسپ و معلوماتی کتاب ہے۔(ماہنامہ اصلاح مئی ۲۰۱۰) بقیہ صفحہ 87 پر

ISSN No.2455-636X

اخبار غم:

موت العالم: عالمی شہرت یافتہ عالم و خطیب وصحافی و اہل قلم علامہ سید حسن عباس فطرت مرحوم طاب ثراہ نے پنجشنبہ ۲۱ مئی ۲۰۲۰ء کو پونہ مہاراشٹر میں داعی اجل کو لبیک کہا نماز جنازہ ان کے علمی وارث حجۃ الاسلام مولانا تکمیل اصغر زیدی صاحب مدیر جامعۃ الرضا پونہ نے پڑھائی۔اور پھر مرحوم پونہ کے شہر خموشاں کے ایک گوشے میں سپرد لحد کر دیئے گئے۔پسماندگان میں دو بیٹیاں نواسے نواسیاں،اور ایک فرزند فرحت عباس رضوی کویت میں ہیں۔بڑی بیٹی پونہ میں ہے اور ایک بیٹی لکھنؤ میں ہے۔ممبئی میں منسوب ان کی بیٹی رحلت فرما گئیں تھیں اور ضعیفی میں یہ صدمہ انہیں جھیلنا پڑا۔ان سے قبل رفیقۂ حیات مرحومہ بھی طویل علالت کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔مرحوم مستند ادبی شخصیت تھے،ان کی مستند و مضبوط تحریریں مقبول خاص و عام تھیں متعدد جرائد و رسائل میں مضامین شائع ہوتے تھے۔خوجہ مسجد ممبئی کے سابقہ امام جمعہ و جماعت تھے،عروس البلاد میں دودھ کی ایک ڈیری بھی کھولی تھی۔انقلاب اسلامی ایران کی حمایت میں بہت زیادہ سرگرم رہے شہنشاہیت و استبدادیت سے متنفر رہتے تھے ایک خبر رساں قائم کی تھی مجموعہ اخبار صداقت،ان کا درسی سلسلہ خود وطن ہلور ضلع بستی سے شروع ہوا تھا وہاں اس وقت کے پیش نماز علامہ سعید اختر رضوی اعلی اللہ مقامہ کے شاگرد خاص تھے۔شیقہ عربی کالج فیض آباد میں افتخار العلماء مولانا سعادت حسین خاں صاحب قبلہ طاب ثراہ کی شاگردی میں رہے،دو سال جامعہ سلطانیہ لکھنؤ میں زیر تعلیم رہے،تعلیم کا بیشتر حصہ ناظمیہ عربی کالج لکھنؤ میں اجلۂ اساتذہ سے حاصل کیا۔اس وقت کے وہاں کے پرنسپل مفتی اعظم ہند احمد علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ تھے۔مرحوم انتہائی پر بہار شخصیت تھے غرور و تکبر سے دور انکساری سے زندگی بسر کرنے والے تھے،موت بھی ماہ صیام میں آئی اور شب جمعۃ الوداع سپرد لحد ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) حوزہ نیوز ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق،جامعہ نور الھدی گوونڈی ممبئی کے بانی و مدیر سرکار سلمان ہند حجت الاسلام والمسلمین مولانا الحاج محمد علی محمدی طاب ثراہ بانی و مدیر جامعہ نور الھدی گوونڈی ممبئی نے ۲۱ ماہ صیام کو انتقال فرمایا۔

مرحوم کا آبائی وطن ولید پور مئو تھا۔ولید پور کے ایک مرد مومن جناب غلام رسول مرحوم کے ذریعہ نور اسلام و ایمان سے سرفراز ہوئے،ابتدائی تعلیم و تربیت سے مولانا فیاض حسین ولید پوری طاب ثراہ نے آراستہ فرما کر بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ سے ملاقات اور ان سے آشنا کرایا۔خطیب اعظم طاب ثراہ آپ کو ولید پور سے لکھنؤ لائے اور جامعہ ناظمیہ میں داخلہ کرایا۔آپ نے جامعہ ناظمیہ میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی میں عصری تعلیم بھی حاصل کی،اس کے بعد اعلی تعلیم کیلئے حوزہ علمیہ نجف اشرف تشریف لے گئے۔عراق کی ظالم حکومت نے جب حوزہ علمیہ نجف اشرف سے طلاب کو باہر کیا تو آپ نجف سے قم مقدس تشریف لے آئے۔

وطن واپسی پر ممبئی شہر میں سکونت اختیار کی۔اور شیعہ جامع مسجد گوونڈی میں ایک عرصہ تک امام جمعہ و جماعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔لوٹس کالونی گوونڈی ممبئی میں جامعہ نور الھدی کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا جسکے ذریعہ ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے،جسکا سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

(۳) قاری ناظم علی صاحب نے اطلاع دی ہے کہ مشہور علمی درسگاہ جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب لکھنؤ کے نوعمر استاد مولانا محمد علی محمدی کوپا گنج،اور جامعہ امامیہ کے طالب علم مولوی محمد جون اور ان کو لینے کے لئے کوپا گنج سے لکھنؤ آئے ہوئے ضمیر حسن اتر ولیا اعظم گڑھ میں ۱۹ مئی ۲۰۲۰ کو ایک سڑک حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔لاک ڈاؤن کی وجہ سے پاس لینے کے بعد وطن سے آئی ہوئی گاڑی میں یہ لکھنؤ سے کوپا گنج جا رہے تھے۔بستی میں کہرام برپا ہوگیا۔رات گئے مرحومین مولانا محمد علی محمدی مولوی محمد جون کی نماز جنازہ مولانا محمد تقی صاحب نے پڑھائی ضمیر حسن کی نماز جنازہ مولانا شمشیر علی مختاری نے پڑھائی۔اس سے قبل جامعۃ الزہرا تنظیم المکاتب لکھنؤ کی ایک طالبہ بھی بلرام پور اسپتال لکھنؤ میں انتقال کر گئیں تھیں۔یہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں۔وطن میرٹھ میں سپرد لحد ہوئیں۔ان انتہائی افسوس ناک

ISSN No.2455-636X

سانحات ارتحال پر علماء و مومنین نے مرحومین کے پسماندگان اور تنظیم المکاتب کے جنرل سکریٹری حجۃ الاسلام الحاج مولانا صفی حیدر زیدی کو تعزیت پیش کی۔

(۴) پتار ضلع اعظم گڑھ سے ڈاکٹر سید احتشام رضا حسینی نے اطلاع دی ہے کہ ملحقہ بستی پاری پٹی کی مشہور علمی شخصیت مولانا حکیم سید علی رضی فیروز رضوی نے ایک عرصہ کی علالت کے بعد ۵ ر جون کو انتقال فرمایا مرحوم ایک طبیب حاذق اور یوپی کے یونانی طبی محکمہ میں حکیم تھے متعدد مقامات پر رہے ماہنامہ اصلاح لکھنؤ کے شائقین میں تھے۔ ان کے واحد جواں سال فرزند نے ان کی زندگی ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا اس سانحہ نے ان کو توڑ کر رکھ دیا۔ مرحوم کی نماز جنازہ حجۃ الاسلام مولانا سلطان حسین پرنسپل جامعہ امام مہدی اعظم گڑھ نے پڑھائی۔

(۵) مدرسہ اسلامیہ کھجوا ضلع سیوان بہار کے پرنسپل اور الہ آباد یوپی کی ایک درسیات میں ماہر شخصیت مولانا سید علمدار حسین صاحب نے 14 مئی کو اپنے آبائی وطن الہ آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا نماز جنازہ جامعہ انوار العلوم کے حجۃ الاسلام مولانا رضی حیدر نے پڑھائی۔ ان کی اہلیہ مرحومہ پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔ مرحوم نے جامعہ ناظمیہ لکھنؤ میں جید اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ انتہائی باصلاحیت عالم بن کر ابھرے۔ مدرسہ اسلامیہ کھجوا میں پہلے استاد رہے پھر پرنسپل منتخب ہوئے۔

(۶) خاقان منزل وزیر گنج لکھنؤ سے فواد زیدی و مراد زیدی صاحبان نے مطلع کیا ہے کہ انکے والد محترم جناب عباس حیدر زیدی ابن رفیع حیدر (سید ذوالفقار علی خان) نے ۱۱ مئی کو داعی اجل کو لبیک کہا امام باڑہ غفرانمآب میں سپرد لحد ہوئے، نماز جنازہ مولانا سرکار حسین صاحب نے پڑھائی چالسیوں کی مجلس ۱۸ جون کو خاقان منزل وزیر گنج میں ہوگی جس میں حجۃ الاسلام مولانا عروج الحسن میثم رضوی کا بیان ہوگا۔

مرحوم کا آبائی وطن چودھرانہ ضلع اناؤ تھا، تعلق دار خانوادہ ہے۔ ان کی جدہ خاقان منزل لکھنؤ سے تعلق رکھتی تھیں وراثت ان تک منتقل ہوئی، یہیں سکونت اختیار کرلی۔ مداح اہل بیتؑ تھے، فخر تخلص تھا۔ راجہ صاحب سلیم پور احمد علی خان مرحوم کی چھوٹی بیٹی مرحومہ نور الضحیٰ کی منجھلی بیٹی ان سے منسوب تھیں۔ ان کی حیات ہی میں وہ بھی رحلت فرما گئی تھیں۔

(۷) جناب میثم رضوی زید پوری نے اطلاع دی ہے کہ ان کے عم معظم جناب سید موحد رضا رضوی زید پوری نے ۶۸ سال کی عمر میں ۶ ر جون کو انتقال کیا۔ میت مکان مسکونہ ٹاپے والی گلی لکھنؤ سے اٹھ کر امداد حسین مرحوم کی کربلا راجہ جی پورم لکھنؤ میں لے جائی گئی۔ نماز جنازہ ان کے سب سے چھوٹے بھائی حجۃ الاسلام مولانا سید زاہد احمد رضوی نے پڑھائی۔ مرحوم خاموش طبع، دیندار مومن تھے۔ کچھ عرصہ تک مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔

(۸) کراچی سے محترمہ معصومہ رضوی نے اطلاع دی ہے کہ ان کے ماموں مجلہ اصلاح کے انتہائی شائق جناب احترام حیدر نقوی ابن سید اظہر حیدر نقوی (قلگت ملتان) نے ۵ جون کو ۸۰ سال سے زائد عمر میں انتقال کیا۔ قبرستان بہشت زہرا میں سپرد لحد ہوئے نماز جنازہ مولانا تقی دانش صاحب نے پڑھائی۔ مرحوم کے کچھ قلمی کام بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔ انہیں ادارہ اصلاح سے قلبی رابطہ تھا۔ مدیر اصلاح کو باصرار مدعو کرتے رہتے تھے۔ زاد راہ بھی محفوظ کر رکھا تھا لیکن پاکستان کے حالات کی وجہ سے کبھی بھی ان کے دعوت نامے کو منظور کرنے کی نوبت نہ آئی۔ فون کے ذریعہ وہ مطلع فرماتے رہتے تھے جس کا انہیں بہت قلق تھا۔ وہ تمام منفی تحریکوں کے سخت مخالف تھے اور چاہتے تھے کہ قوم صحیح راستے پر رہتے ہوئے قابل رشک بلندی حاصل کرے۔

(۹) مشہور صحافی و اہل قلم جناب عالم نقوی کے چھوٹے بھائی جناب عون نقوی نصیر آبادی نے کینسر کے مرض میں ۱۰ ر جون کو لکھنؤ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ نماز جنازہ مولانا سرکار حسین صاحب نے پڑھائی۔ کربلا ملکہ جہاں عیش باغ لکھنؤ میں سپرد لحد ہوئے۔ وہ تحریکوں سے وابستہ تھے بالخصوص تنظیم علی کانگریس لکھنؤ کے سرگرم رکن رہے تھے۔

(۱۰) ادارہ اصلاح لکھنؤ کے سابق رکن جناب حبیب حیدر رضوی نے مطلع کیا ہے کہ ادارہ اصلاح میں کئی سال تک کتابت کی خدمت انجام دینے والے جناب شہنشاہ عالم نے لاک ڈاؤن کے ابتدائی زمانے مارچ میں انتقال فرمایا۔ عرصے سے وہ مریض تھے کربلا دیانت الدولہ کے پاس مقیم تھے۔

ISSN No.2455-636X

(۱۱) ڈاکٹر کلب سبطین نوری کی اطلاع کے مطابق علامہ پروفیسر سید منتظر عباس نقوی (اسلام آباد) نے ۱۵ جون کو کرونا کا شکار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم محقق، ذاکر اور خطیب اہل بیتؑ تھے۔

اخبار مسرت: مشہور استاذ و خطیب مولانا سعادت حسین زیدی پہانوی سابق پرنسپل حامد علی انٹر کالج پہانی نے مطلع کیا ہے کہ ان کی بیٹی انعم فاطمہ کا عقد نکاح یاسر حسین کاظمی ابن وقار حسین کاظمی رائے بریلوی کے ہمراہ ۱۰ ؍جون کو امام باڑہ افسر جہاں بیگم بنجاری ٹولہ لکھنؤ ہوا۔ نکاح کے صیغے مولانا سید محمد مرتضیٰ پاروی اور مولانا محمد حسنین باقری اساتیذ جامعہ ناظمیہ لکھنؤ نے جاری کئے۔

التماس دعا: حجۃ الاسلام مولانا سید حسنین رضوی کراروی جو ون چینل ممبئی میں نشر ہونے والے پروگراموں کی وجہ سے قوم میں مشہور و معروف ہیں۔ اس سے پہلے بھی دہلی اور ممبئی میں بہت سے علمی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ ماہ صیام میں افطار کے وقت فالج کے حملے کا شکار ہوئے اسپتال میں انکشاف ہوا کہ ان میں خطرناک کورونا وائرس کا بھی اثر ہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ بھی مرض سے متاثر تھیں۔ شدت مرض میں موصوف وینٹی لیٹر پر گئے لیکن مومنین کی دعاؤں کی وجہ سے انہیں افاقہ ہوا۔ اور وہ وینٹی لیٹر سے واپس آئے۔ فی الوقت حبیب ہاسپٹل ممبئی میں زیر علاج ہیں۔ (۲) عالمی شہرت یافتہ خطیب علامہ طالب جوہری صاحب شدید علیل تھے، آئی سی یو میں داخل رہے۔ (۳) خانوادۂ اجتہاد کی معروف شخصیت علامہ سید حسن ظفر نقوی کراچی میں وبائی مرض کورونا کے زیر اثر زیر علاج تھیں۔ (۴) حجۃ الاسلام مولانا حسین مہدی حسینی (ممبئی) صدر مجلس علماء مع اپنے خانوادہ کے ایک عرصہ تک مریض و زیر علاج رہے۔ اب بحمد اللہ رو بصحت ہیں۔ (۵) ادارہ اصلاح کے آنریری محاسب جناب علی مہدی تقوی کی بیٹی اہلیہ حیدر عباس صاحب بھی الہ آباد شدید علیل ہیں۔ (۶) جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے صدر شعبۂ فارسی پروفیسر سید عراق رضا زیدی اور ان کی اہلیہ محترمہ ناہید زیدی دم تحریر طبیعتیں ناساز چل رہی ہیں قدرے افاقہ ہے۔ (۷) روزنامہ اودھ نامہ لکھنؤ کے روح رواں جناب وقار رضوی کی والدہ محترمہ گزشتہ طویل عرصے سے شدید مریضہ اور زیر علاج ہیں۔ (۸) باب العلم اوکھلا نئی دہلی کے امام جمعہ و جماعت مولانا اقبال حسین صاحب صاحب فراش ہیں زیر علاج ہیں۔ (۹) اہلیہ ڈاکٹر روشن تقی ۱۱ ؍جون کو ایک بڑے آپریشن کے مرحلے سے گزری ہیں۔ مومنین ان تمام مریضوں کے لئے اوقات دعا میں صحت عاجلہ کی دعا فرماتے رہیں۔

ویبینار: مولانا ڈاکٹر ارشد جعفری کی اطلاع کے مطابق شعبہ علوم مشرقیہ لکھنؤ یونیورسٹی کی جانب سے سہ روزہ تاریخی بین الاقوامی نہج البلاغہ ویبینار ۱۶ ؍۱۷ ؍۱۸ ؍مئی کو منعقد ہوا۔ مختلف علماء و دانشور حضرات نے اظہار رائے کیا۔ مقررین و مقالہ نگار حضرات میں: قائد ملت مولانا کلب جواد نقوی، مولانا نصرت عباس بخاری، پروفیسر شاہ محمد وسیم، پروفیسر عین الحسن، ڈاکٹر جعفر امیر، پروفیسر عرفات ظفر، ڈاکٹر روشن تقی، ڈاکٹر عذرا عابدی، پروفیسر محمد مزمل، پروفیسر عباس مہدی، ڈاکٹر ابو طالب زیدی، پروفیسر اخلاق آہن، پروفیسر فاطمہ پروین، پروفیسر عراق رضا زیدی، پروفیسر وزیر حسن، پروفیسر حسنین اختر، پروفیسر بلقیس فاطمہ حسینی، پروفیسر عزیز الدین ہمدانی وغیرہ۔ اس ویبینار کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ارشد جعفری نے تمام شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

احتجاج: جامعہ امام مہدی سرسی سے جاوید مہدی صاحب کی اطلاع کے مطابق ۹ ؍شوال کو انہدام جنت البقیع کے سلسلے میں منعقدہ مجلس کو پرنسپل حجۃ الاسلام مولانا اقتدار مہدی صاحب نے فرمایا۔ انجمن ہائے ماتمی نے نوحہ خوانی و سینہ زنی کی اور اس مقدس بارگاہ کی تعمیر کا پرزور مطالبہ کیا گیا۔

پرنسپل جامعہ کی اطلاع کے مطابق جامعہ کو ایک معلم کی ضرورت ہے جو ایم اے اور فاضل ہو، نیز ایک کمپیوٹر آپریٹر کی ضرورت ہے جو اردو، ہندی، انگریزی جانتا ہو۔ امیدوار رابطہ کریں۔ (موبائل نمبر: 9897959700)

جلال پور سے مسئول ادارہ تنظیم جعفری شیخ ابن حسن جعفری صاحب نے اطلاع دی ہے کہ عالم و مبصر بالخصوص مبصر اصلاح مولانا حسن عباس فطرت طاب ثراہ کے سانحہ ارتحال پر محلہ جعفر آباد اور عثمانپور میں اظہار تاسف کیا گیا، حوزہ علمیہ بقیۃ اللہ نیوبازار اور مدرسہ امام الصادق نگپور میں بھی ایصال ثواب کیا گیا۔

ISSN No.2455-636X

۱۸۔ **ضراریہ:** ضرار بن عمرو اور حفص فرد اند کے ماننے والے۔ دونوں ہی غلط عقائد کے حامل تھے، جنمیں سے جنت میں رویت خدا کا عقیدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ بنی آدم حواس خمسہ (باصرہ، سامعہ، شامہ، لامسہ و ذائقہ) کے علاوہ ایک چھٹی حس بھی رکھتے ہیں جس سے جنت میں خدا کو دیکھیں گے۔ (الملل والنحل، شہرستانی، ج ۱، ص ۹۰) جبکہ "سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا" (سورہ اسراء، آیت ۴۳) [وہ پاک اور بے نیاز ہے اور ان کی باتوں سے بہت زیادہ بلند و بالا ہے]

ان شاء اللہ اس غلط عقیدہ کا بطلان ہم آئندہ پیش کریں گے۔ ضرار بن عمرو نے غلط عقیدہ کی ترویج کی۔ اس کے پیروکار ضراریہ کہلائے۔

۱۹۔ **صفاتیہ:** معتزلہ کی ایک جماعت اپنے گذشتگان کے برخلاف خدا کے ذاتی وصفاتی افعال میں کسی فرق کے قائل نہیں تھے، یہ خدا کی صفات کے منکر تھے اس لیے صفاتیہ کہلائے بعض نے انکو معطلہ کہا ہے۔ (ملل ونحل، شہرستانی، ج ۱، ص ۹۲۔۹۳)

۲۰۔ **اشعریہ:** ابوالحسن اشعری کے ماننے والے۔ اشعری کا نسب دو ایسے افراد پر منتہی ہوتا ہے جو دونوں منافق، مخالف حق اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے دشمن تھے: ایک ابوموسیٰ اشعری جنکے حالات جلد اول میں بیان ہو چکے اور دوسرے انکے بیٹے ابوبردہ عامر۔

ابوبردہ عامر کوفہ میں شریح کے بعد قاضی معین ہوئے، ابن ابی الحدید کے مطابق حضرت علیؑ کے دشمن تھے، اور یہ دشمنی اپنے باپ سے ورثہ میں لی تھی۔ امام علیؑ کے چاہنے والوں اور دوستوں کے بھی مخالف تھے۔ ایک دن جناب عمار یاسر کے قاتل ابوالعادیہ سے کہا: تم نے عمار کو قتل کیا؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ فوراً ابوالعادیہ کے ہاتھ چومے اور کہا: آتش جہنم ہرگز ان ہاتھوں کو نہیں جلائے گی۔ اسی نے جناب حجر بن عدی کے خلاف بھی معاویہ کے پاس گواہی نامہ لکھ کر روانہ کیا۔ ۱۰۳ھ میں امیر المومنینؑ کی دشمنی ہی میں جہنم کو ٹھکانہ بنایا۔

ابوالحسن اشعری: ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری اہم شاگرد تھے مشہور معتزلی عالم ابوعلی جبائی کے۔ لیکن بعد میں اپنے استاد سے بحث وجدل کے بعد دوری اختیار کرلی اور خود ہی ایک مخصوص طریقہ ایجاد کیا۔ اہل سنت کی تقویت کا سبب ہوئے اپنی مخصوص تقریروں کے ذریعہ ان کے مقاصد کو رونق بخشی۔ معتزلہ کے عقائد واصول میں سے ہر ایک کے مقابلے میں ایک عقیدہ واصل ایجاد کی۔ اسی وقت سے ابوالحسن اشعری کے نظریہ وعقیدہ پر عمل کرنے والوں کو اشعری کہا جانے لگا۔ معتزلہ کے مقابلہ اشاعرہ کی تقویت اور شہرت کا سبب یہ ہوا کہ اکثر خلفاء وحکام وقت نے اپنی سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے اس مذہب کی حمایت کی۔ حکام وقت کی حمایت کی وجہ سے بہت سے علماء بھی اس نظریہ کے حامی ہو گئے۔ اہل سنت کے ان دونوں مضبوط اور قوی مذاہب یعنی اشاعرہ ومعتزلہ کے درمیان ہمیشہ اختلافات رہے حتی کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے رہے۔

معتزلہ کی اساس و بنیاد اگرچہ کسی حد تک عقلی اصولوں پر قائم ہے اور زیادہ تر حق وحقیقت کی صورت میں پیش کیے گئے اور صحت و درستی سے کسی حد تک نزدیک ہیں پھر بھی غالباً ان کی دلیلیں جدلی اور قیاس غیر برہانی ہے۔ فلسفیوں کی کتابوں سے مانوس ہوئے ان کے مبانی کو اپنی رائے کے مطابق پایا اس سے متاثر ہوئے برخلاف اشاعرہ کے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ جو کچھ صدر اسلام میں نہیں تھا وہ بدعت ہے اس لیے حکمت وفلسفہ کے مطالعہ اور اسکے مبانی کی تصدیق کو حرام قرار دیا۔ یہ چیز بھی دونوں کے درمیان مزید اختلاف اور دوری کا سبب ہوئی۔

ابوالحسن اشعری نے روضۃ المناظر میں ابن شحنہ کے مطابق ۳۲۹ھ میں اور دوسرے افراد کے مطابق ۳۳۰ھ میں بغداد میں رحلت کی۔ چونکہ حنبلیوں نے انکی تکفیر اور انکے خون کو مباح قرار دیا تھا اس لیے پوشیدہ طور پر شرعۃ الزوایا میں دفن کیا گیا اور قبر کو پوشیدہ کردیا گیا۔

۲۱۔ **مشبھہ:** شہرستانی کے بقول مضر و کھمس اور احمد بن عطا ھمیسی بصری کے ماننے والے۔ اور دوسرے افراد کے بقول یحیی بن معین، احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحق راھویہ اور داود اصفہانی کے ہم عقیدہ افراد جنھوں نے تشبیہ کے عقیدہ کو رائج کیا اور انکے پیروکار آج بھی اس فاسد عقیدہ کے حامل ہیں۔

اہل سنت میں مشبہہ دو فرقوں میں ہیں: ایک گروہ جو ذات باری کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں خداوند عالم کے لیے مخلوق کی طرح جگہ کی ضرورت ہے اس لیے کہ جو چیز بھی جگہ و مکان نہ رکھتی ہو وہ معدوم ہے نہ کہ موجود اور کہتے ہیں کہ خداوند عالم عرش پر بیٹھا ہوا پیر کرسی پر رکھے ہوئے ہے۔ یہ لوگ تمام اعضاء انسانی کو خدا کے لیے ثابت کرتے ہیں سوائے حلقوم و خرطوم کے۔ اسی طرح کے دیگر کفریات۔

دوسرا فرقہ خدائی صفات کو دوسروں کے صفات سے تشبیہ دیتا ہے۔

۲۲۔ **کرامیہ:** عبداللہ محمد بن کرام کے پیروکار ہیں جو در حقیقت سجستان کا رہنے والا تھا اپنے غلط عقیدہ کی وجہ سے شہر بدر ہوا اور غرشستان (گرجستان) کا رخ کیا۔ چونکہ ظاہر آراستہ و پیراستہ اور متعبد تھا اس لیے شومین و افشین کے رہنے والے دھوکے میں آگئے اور اسکے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔ محمد بن طاہر بن عبداللہ کے زمانے میں ایک گروہ کے ساتھ نیشاپور کی جانب روانہ ہوا وہاں کے عوام نے اس کے ظاہری تقدس کو دیکھ کر اس کی دعوت پر لبیک کہی اور اسکے خرافات و بدعتوں کی پیروی شروع کردی اور کرامیہ کہلائے۔

۲۳۔ **خوارج:** حرقوص بن زہیر، مسعود ابن فدکی تمیمی اور زید ابن حصین طائی جنھوں نے امیر المومنین حضرت علیؑ پر خروج کیا انکے ماننے والے اور انکے پیروکار خوارج کہلائے۔ جب صفین میں حاکم شام کے مقابلے حضرت علی کے سامنے جنگ بندی کے سوا کوئی راستہ نہیں چھوڑا اور اصرار و پافشاری کر کے حکمیت کو قبول کروایا اور اشعث ابن قیس منافق کے ذریعہ امام علیؑ سے بضد ہو گئے کہ ابوموسیٰ ہی کو حکم بنائیں، تو اس کے بعد یہ رسول اکرم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق اسی طرح دین سے نکل گئے جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے۔ اور عبداللہ بن وھب راسبی کے ہاتھوں پر بعنوان امام بیعت کرلی۔ دین میں بہت زیادہ بدعتیں ایجاد کیں، عوام کی ایک تعداد ہر طرف سے لاعلم انکے اطراف میں جمع ہوگئی۔ حضرت علی علیہ السلام اور عثمان و معاویہ کو لعن کرتے تھے اور ان تینوں سے برائت و بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔

اس گروہ میں بھی بہت سی شاخیں ہوئیں جنمیں سے خوارج کے بزرگوں میں ازارقہ، ابو راشد نافع بن ازرق کے ماننے والوں نے ۶۵ھ میں بصرہ سے خروج کیا، اھواز اور اسکے اطراف پر قبضہ کرتے ہوئے فارس و کرمان کے شہروں تک پہنچ گئے۔ خوارج میں اس گروہ کی تعداد دوسروں کے مقابلے بہت زیادہ تھی۔ نجدۃ بن عامر حنفی کے ماننے والے نجدات عاذریہ کہلائے جنھوں نے نجدہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور اس کو امیر المومنین کہتے تھے اور نافع بن ازرق کی تکفیر کرتے تھے۔

خوارج سے الگ ہونے والے فرقوں میں صفوریہ، عجاردہ، اباضیہ اور ثعالبہ ہیں اس میں بھی بہت سے شاخیں ہوئیں۔ (ملل و نحل، ج۱، ص ۱۴۷)

ISSN No.2455-636X

چونکہ ان لوگوں نے بدعتیں ایجاد کیں اور بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا اسلیے مسلمانوں کے تمام فرقے ان لوگوں کو لعن کرتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے ہاتھوں ۴۰ ہجری میں امیر المومنینؑ کی شہادت ہوئی۔ منافق اشعث ابن قیس ملعون جو خوارج سے ملا ہوا تھا اس کے ساتھ مل کر دنیا و آخرت کے شقی ترین اور انتہائی بدترین انسان عبد الرحمن ابن ملجم ملعون نے ۱۹ ماہ صیام کی صبح مسجد کوفہ میں نافلہ صبح کی حالت میں امام علیؑ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۴۔ **ازارقہ:** ابی راشد نافع بن ازرق حروری کے پیروکار۔ یہ خوارج کا اہم فرقہ ہے، جنکی تعداد بھی دوسرے خوارج فرقوں کے مقابلے زیادہ تھی، قدرت وشوکت کے لحاظ سے بھی سب سے مضبوط تھے۔ عبد اللہ بن زبیر کے زمانے میں ایک بڑی تعداد کے ساتھ ان لوگوں نے بصرہ کی جانب کوچ کیا اہواز سے فارس وکرمان اور اطراف کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ابن زبیر کے عمال کو قتل کر دیا۔

۲۵۔ **نجدات عاذریہ:** نجدہ بن عامر حنفی کے ماننے والے ہیں۔ ان لوگوں نے یمامہ سے اپنے لشکر کے ساتھ ازارقہ سے ملحق ہونے کے لیے سفر کیا، راستے میں قبیلہ بنی قیس کے ابوفدیک عبد اللہ بن ثور اور عطیہ بن اسود حنفی جو نافع سے اسکی بدعتوں کی وجہ سے الگ ہوئے گئے، ان لوگوں کی ملاقات نجدہ سے ہوئی، انھوں نے نافع اور ازارقہ سے الگ ہونے وجہ بیان کی اور نجدہ کے ہاتھوں پر بیعت کرلیا اور اسے امیر المومنین نام دیا۔ چونکہ انکی اساس و بنیاد ذاتی اختلافات پر تھی اس لیے یہ بیعت اور لقب زیادہ نہ چل سکے انھیں لوگوں نے نجدہ کی تکفیر کی اور قتل کر دیا۔

۲۶۔ **بیھسیہ:** قبیلہ بنی سعد بن ضبیعہ کے ابی بیہس ہیصم بن جابر کے ماننے والے جس نے عراق میں خوارج کے کچھ افراد کو اپنے ارد گرد جمع کیا، بدعتیں ایجاد کیں، عوام کو گمراہ کیا۔ حجاج بن یوسف نے پیچھا کیا تو بھاگ کر مدینہ روانہ ہوگیا، والی مدینہ عثمان بن حیان مری نے گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ شام سے خلیفہ وقت ولید بن عبد الملک کا خط پہنچا کہ ہاتھ پیر کاٹ کر قتل کر دیا جائے۔ اسی کے حکم کے مطابق قتل کر دیا گیا۔ بعد بیہسیہ فرقہ سے متعدد فرقے وجود میں آئے جن میں سے ایک عوفیہ فرقہ تھا۔ (سابق ص ۱۲۵)

۲۷۔ **مجاردہ:** عبد الکریم عجرد کے پیروکار جو پہلے عطیہ بن اسود حنفی کے ماننے والے تھے۔ عجرد پہلے ابی بیہس کا ماننے والا تھا۔

۲۸۔ **صلتیہ:** عثمان بن ابی صلت یا صلت بن ابی صلت کے پیروکار۔ یہ بھی عجاردہ سے تھا بعض عقائد میں ان سے الگ ہوکر الگ مذہب بنالیا اور کچھ لوگوں کو اپنے اطراف میں جمع کرلیا۔

۲۹۔ **حمزیہ:** حمزہ بن ادرک شامی خارجی کے پیروکار جو بقول شہرستانی عقیدہ قدر اور دیگر بدعتوں میں میمونیہ کی طرح ہیں (سابق ص ۱۲۹)۔ اور بقول مقریزی وابومنصور بغدادی کے یہ لوگ عجاردہ اور حازمیہ خارجیہ کے عقیدہ پر تھے لیکن بعد میں قدر کے عقیدہ پر ان سے الگ ہوگئے۔ ۱۷۹ھ میں ہارون رشید کے دور میں حمزہ نے سجستان کا رخ کیا کچھ ہی عرصہ میں سجستان، خراسان، مکران، قہستان اور کرمان کے لوگ اس کے پیروکار ہوگئے اور اس کو امیر المومنین کہنا شروع کیا۔ متعدد لشکر انکے مقابلے کے لیے گئے لیکن شکست سے دوچار ہوئے بالآخر مامون عباسی کی خلافت کے آغاز میں اس نے جنگ میں انھیں شکست دی بہت سوں کو قتل کیا۔ مامون نے خط لکھ کر

اپنی طرف دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی اور مخالفت پر باقی رہا یہاں تک کہ عبد الرحمن عشاپوری نے جنگ کی جس میں ہزاروں حمزہ کے ساتھی قتل ہوئے، خود حمزہ زخمی ہوا میدان جنگ سے فرار کر کے اطراف میں کشت وکشتار کیا اور اسی میں قتل ہوا۔

۳۰۔ **خلفیہ:** خلف خارجہ کے ماننے والے، خلف قاتل تھا حمزہ بن ادرک کا۔ عقیدہ میں قضاو قدر کے سلسلے میں حمزہ سے جدا الگ ہوگیا تھا۔ کرمان ومکران کے خوارج اس کے پیروکار تھے۔

۳۱۔ **شعیبیہ:** عجاردہ خوارج کے شعیب بن محمد کی پیروی کرنے والے۔ قدر کے مسئلہ پر اس نے عجاردہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنا نظریہ پیش کیا۔

۳۲۔ **میمونیہ:** میمون بن خالد یا میمون بن عمران کے پیروکار۔ میمون بھی خوارج میں عجاردہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن بعد میں اس سے دوری اختیار کی اور اپنے باطل نظریات پیش کیے، منجملہ پوتی نواسی وبھتیجی بھانجی سے نکاح کے جائز ہونے کا فتوی دیا۔ قرآن کی تفسیر بالرائے کرتا اور بعض سوروں مثلا سورہ یوسف کا منکر تھا۔

۳۳۔ **اطرافیہ:** غالب بن شاذان سجستانی کی پیروی کرنے والے۔ پہلے حمزہ بن ادرک کے پیروکار تھے بعد میں جدا ہوگئے۔

۳۴۔ **حازمیہ:** حازم بن علی یا حازم بن عاصم کے پیروکار۔ شعیبیہ عقیدہ پر تھے۔ قدر واستطاعت ومشیت کے بارے میں سنی تھے، امیر المومنین حضرت علیؑ کے سلسلے میں توقف وسکوت کرتے تھے۔

۳۵۔ **ثعالبہ:** ثعلبہ بن عامر یا ثعلبہ بن مشکان کے ماننے والے۔ ثعلبہ ہم عقیدہ تھا عبد الکریم بن عجرد کا لیکن بچوں کی ولایت کے سلسلے میں اختلاف ہوا دونوں الگ ہوگئے۔

۳۶۔ **رشیدیہ:** اصحاب وپیروان رشید طوسی۔ پہلے ثعالبیہ ہی میں تھے، بعض عقائد میں اختلاف ہوا جسکی وجہ سے الگ فرقہ بنالیا

۳۷۔ **اخنسیہ:** اخنس بن قیس کے اصحاب۔ یہ بھی ثعالبہ سے تھے بعض مسائل میں اختلاف ہوا۔

۳۸۔ **شیبانیہ:** شیبان بن سلمہ خارجی کے پیروکار۔ یہ پہلے تو خوارج کے رؤسا میں اور ثعالبہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

۳۹۔ **مکرمیہ:** مکرم بن عبداللہ عجلی یا ابی مکرم بن عبداللہ کے ماننے والے۔ یہ بھی ثعالبہ میں سے تھے بعد میں الگ ہوگئے

۴۰و۴۱۔ **معلومیہ۔ مجہولیہ:** یہ لوگ درحقیقت حازم بن علی کے مذہب حازمیہ کے پیروکار تھے لیکن بعد میں کچھ لوگ معرفت وصفات وافعال باری تعالیٰ کے عقیدہ میں الگ ہوگئے جو معلومیہ کہلائے اس کے بعد انھیں عقائد میں معلومیہ سے پھر کچھ لوگ الگ ہوئے جو مجہولیہ مشہور ہوئے۔

۴۲۔ **اباضیہ:** عبداللہ بن اباض کے پیروکار۔ مروان حمار کے زمانے میں خروج کیا جنگ ہوئی اور قتل ہوا۔

۴۳۔ **حفصیہ:** حفص بن ابی مقدام کے ماننے والے۔ اباضیہ سے جدا ہوئے۔

۴۴۔ **حارثیہ:** حارث بن مزید اباضی کے نظریہ والے۔ یہ بھی اباضیہ سے الگ ہوئے۔

ISSN N: 2455-636X

۴۵۔ **یزیدیه:** یزید بن انیسہ خارجی کے ماننے والے۔ بصرہ کا رہنے والا تھا لیکن ہجرت کر کے فارس کے شہر توں کا رخ کیا۔

۴۶۔ **صفریه۔زیادیه:** زیاد بن اصفر کے ہم عقیدہ، ازارقہ ونجدات اور اباضیہ سے جدا ہوئے۔

۴۷۔ **مرجئه:** قدریہ کی جماعت مرجئہ کہلائی، مرجئہ کے معنی کسی کام کو موخر کرنا ہیں۔ یہ لوگ شیعوں وخوارج اور امیوں کے مقابل کھڑے ہوئے، چونکہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو اس کے فیصلے کو قیامت تک موخر کیا جائے گا اسی لیے مرجئہ کہلائے۔ خود اس فرقہ میں بھی متعدد گروہ تھے شہرستانی کے مطابق یہ لوگ چار گروہ میں تقسیم ہوئے:

مرجئہ خوارج، مرجئہ قدریہ، مرجئہ جبریہ اور مرجئہ خالصہ۔

۴۸۔ **یونسیه:** یونس بن عون نمیری کے پیروکار یونسیہ کہلائے۔ جو مرجئہ سے الگ ہوئے۔

۴۹۔ **عبدیه:** عبید بن مهران مکتب کوفی کے ماننے والے۔ انکا ایک غلط عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے بنی آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

۵۰۔ **غسانیه:** غسان کوفی کے ہم عقیدہ۔ مرجئہ سے الگ ہوئے۔

۵۱۔ **ثوبانیه:** ابو ثوبان مرجئی کے ماننے والے۔ یونسیہ وغسانیہ سے جدا ہوئے۔

۵۲۔ **تومنیه:** ابو معاذ تومنی کے پیروکار۔ یہ بھی اپنے مخصوص نظریات کے قائل تھے۔

۵۳۔ **صالحیه:** صالح بن عمرو صالحی کے پیروکار۔ صالح کا شمار بزرگان معتزلہ میں ہوتا تھا۔ مرجئہ سے الگ ہوئے۔

کتب ملل ونحل کے سلسلے میں وضاحت

آپ حضرات کے مطالبہ پر مذاہب کی مختصر فہرست پیش کی گئی، چونکہ ابتدا میں آپ کے سامنے عبدالکریم شہرستانی کی کتاب ملل ونحل تھی لہذا اسی سے یہ فہرست بیان کی گئی جس سے امت کا اختلاف ظاہر ہے۔

اس کے علاوہ دیگر علمائے شیعہ وسنی نے اپنی کتابوں میں فرق ومذاہب کی تقسیم وطبقہ بندی واختلاف کو پیش کیا ہے: مثلاً:

ابوالقاسم سعد بن عبداللہ قمی (متوفی ۳۰۰ھ) یا ابو محمد حسن بن موسی نوبختی (متوفی ۳۰۰ھ) نے فرق الشیعہ میں۔ ابومنصور عبدالقاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ) نے الفرق بین الفرق میں۔ فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) نے اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین میں۔ ابن حزم ظاہری اندلسی (م ۴۵۴ھ) نے الفصل فی الملل والاھواء والنحل میں۔ ابو المعالی محمد حسینی علوی نے بیان الادیان (تالیف ۴۸۵ھ) میں ابوتراب سید مرتضیٰ (۱) بن داعی حسنی رازی نے الفصول التامۃ فی ھدایۃ العامۃ اور تبصرۃ العوام فی مقالات الانام میں۔ محدث سید نعمت اللہ جزائری نے انوار النعمانیہ میں۔ محمد احمد ابو زہرہ نے المذاہب الاسلامیہ میں۔ نیز دیگر بہت سے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں۔

۱۔ جناب سید معاصر تھے صاحب احیاء العلوم حجۃ الاسلام ابو محمد بن محمد غزالی طوسی کے، مکہ کے راستہ میں دونوں کا طویل مناظرہ ہوا تھا، کہتے ہیں کہ جب سید نے عقلی ونقلی دلیلوں سے ائمہ معصومین کی امامت و ولایت کو ثابت کیا تو امام غزالی نے اپنا مذہب چھوڑ کر مذہب حقہ شیعہ اختیار کر لیا اور کتاب سر العالمین تحریر کی، امام غزالی نے اپنے گھر سے جناب سید کے جانے کے بعد یہ شعر کہا:

شیخ بر ما عرض ایمان کرد ورفت   کہنہ گبری را مسلمان کرد ورفت (مؤلف)

سوال: محترم آپ سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا اہل سنت کی طرح شیعوں میں بھی اختلاف ہے؟ اگر ہے تو مہربانی فرما کر بیان فرمائیں کہ ان کا اختلاف کس طرح کا ہے، اور ان کے نام کیا ہیں؟

تشیع کے نام سے اختلافات

جواب: اولاً: جیسا کہ بیان کیا کہ جب صدر اسلام میں اختلاف کا دروازہ کھلا اور امت کو یہ جرأت دی گئی کہ اسلام کے اصول وفروع میں اختلاف کریں، ہر شخص اظہار نظر کرے، جس طرح چاہیں تبدیلی کریں، کچھ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آکر ایسے افراد کے اردگرد جمع ہوگئے، یہ مرض ہر جاہ طلب کو ہوتا ہی ہے۔ یہی کچھ افراد کے ساتھ بھی ہوا۔ کچھ جاہ طلب، بے دین، خدا سے بے خبر اور فریب خوردہ افراد نے تشیع کو نقصان پہنچانے کے لیے گروہ اور فرقے بنائے، اسکے مقابل ایک تعداد جس کے لیے قرآن نے کہا "وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ"، (سورہ سبا(۳۴)، آیت ۱۳)، "میرے بندوں میں کم ہی لوگ شاکر ہیں"۔ چونکہ قرآن ہی کی نگاہ میں بھی بھی اکثریت فاسق وفاجر اور خدا سے دور ہوتی ہے: اعلان ہے "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ" (آل عمران (۳)، آیت ۱۱۰)

[تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا لیکن ان میں صرف چند مومنین ہیں اور اکثریت فاسق ہے]

انبیاء کے اکثر اصحاب اور امتیں فاسد رہی ہیں

اسی طرح متعدد آیات میں اکثر امتوں کو فاسق وفاجر، کافر و بے عقل اور جاہل و نادان بتایا گیا ہے۔ حتی کہ انبیاء کے بعض خواص ایسے تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے اصحاب خاص اور حواریوں میں بھی دنیا طلب افراد تھے جنھوں نے امتحان کے وقت اپنے کو "معمولی قیمت" میں فروخت کردیا۔ جس کی خبر بھی جناب عیسیٰ نے حواریوں کو دی جب پہاڑ پر انکے ساتھ غذا میں مشغول تھے تو فرمایا: جس کا ہاتھ میرے ساتھ ایک برتن میں ہے وہ مجھے دشمن کے حوالے کرے گا۔ وہ یہودا اسخر یوطی حواری تھا جس نے دوسرے ہی دن یہود سے تیس چاندی کے ٹکڑے لیکر جناب عیسیٰ کو انھیں پکڑوا دیا۔ نتیجتاً اپنے برے انجام کو دنیا ہی میں پہنچا اور قتل ہوا۔

پیغمبر ﷺ نے بھی مسلسل اپنے اصحاب کے مرتد ہونے کی خبر دی تھی جیسا کہ پہلی جلد میں گزر چکا۔ کتنے ہی اصحاب نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جاہ ومنصب اور مال ومنال کے لیے حق کے خلاف قیام کیا اور اللہ ورسول کی مخالفت کی۔ جس کا کامل نمونہ جنگ جمل اور صفین تھی۔ طلحہ وزبیر جو صحابی پیغمبر تھے ان دونوں نے ام المومنین عائشہ کے ہمراہ خلیفہ نبیؐ کے خلاف قیام کیا، جنگ کی اور امت میں فتنہ و فساد ایجاد کیا۔

اسی طرح معاویہ بن ابوسفیان نے بعض اصحاب مثلاً ابوہریرہ، عبید اللہ بن عمر، عمرو بن عاص وغیرہ کے ساتھ صفین میں خلیفہ رسول و

ISSN No.2455-636X

امام وقت کے خلاف جنگ کی اور بہت سے مسلمانوں کا خون بہایا؛ اور جاہ ومنصب اور مال ومنال کے لیے دنیائے فانی کے بدلے آخرت کو بیچ دیا۔ (پہلی جلد میں تفصیل گزر چکی)

لہذا کوئی تعجب نہیں کہ اصحاب رسولؐ کی طرح اگر ائمہ معصومینؑ کے اصحاب کے درمیان بھی جاہ طلب افراد پائے جائیں اور اپنے دنیوی مقاصد کے لیے قیام کریں۔ اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نادان افراد کو گمراہ کریں۔

ثانیاً: مذہب تشیع میں جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ نے خبر دی تھی، بنام حقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ حقیقی معنی میں شیعہ بارہ امام کے ماننے والے کو کہتے ہیں، جو صرف ایک فرقہ تھا اور ہے جس میں اصول وفروع میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن طول تاریخ میں بعض جاہ طلب بے ایمانوں نے اپنے کو شیعوں کے درمیان پیش کر کے دوکانیں کھولیں کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ جمع کیا۔ اپنے کو شیعہ کہلوایا جبکہ صرف شیعہ نما تھے جس طرح اصحاب پیغمبر میں منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔

ظاہراً تو ایسے افراد کا مقصد امیر المومنینؑ کے مقدس نام کی پیروی تھی لیکن باطناً یہ لوگ شیطان کے باطل عقائد کی پیروی کر رہے تھے۔

اسی طرح ہر امامؑ کے زمانے میں ایسے غلط افراد تھے جو سادہ لوح ونادان افراد کو اپنے جال میں پھنساتے اور شبہات ایجاد کرتے تھے۔

جن لوگوں نے بعد میں مذاہب وملل کے حوالے سے کتابیں لکھیں انھوں نے بھی یا تو بغیر تحقیق وجستجو کے یا عمداً ایسے تمام باطل وغلط گروہوں کو شیعوں میں شمار کیا جبکہ شیعہ تو صرف ایک بارہ امامی مذہب ہی تھا اور ہے۔

اب آپ نے اس سلسلے میں جو سوال کیا ہے تو اسی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اللہ کی توفیق وفضل سے حقائق کے بیان کرنے کی کوشش کروں گا، ان شاء اللہ

پہلی غلطی، عبد اللہ ابن سبا کا امیر المومنین علیہ السلام کے سلسلے میں غلو

خاندان عصمت وطہارت کے ماننے والوں کے درمیان جاہ طلب افراد کی طرف سے سب سے پہلا انحراف امیر المومنینؑ کے سلسلے میں غلو تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شیعوں کے درمیان غلو عبد اللہ ابن سبا (جو ابن سوداء کے نام سے مشہور تھا چونکہ اس کی ماں سیاہ فام تھی) کے ذریعہ شروع ہوا اس نے امیر المومنینؑ کے سلسلے میں کفریہ باتیں پیش کیں۔ مشہور کے مطابق وہ یہودی تھا، پیغمبرؐ کے زمانے ہی میں مسلمان ہوا، یہودیت میں اس نے حضرت موسیٰؑ کے وصی جناب یوشع بن نون کے بارے میں غلو کیا تھا، اسلام میں بھی امیر المومنینؑ کے سلسلے میں غلو کیا اور کہا کہ وہ معاذ اللہ خدا ہیں۔ اس نے اپنے لیے بھی نبوت کا دعویٰ کیا، افریقہ وکوفہ اور بعض دوسرے علاقے کے کچھ بے عقل ونادان افراد نے اس کی پیروی کی اور ایک گروہ تشکیل دیا۔ (۱)

۱۔ (اس سلسلے میں تفصیل کے لیے علامہ مرتضیٰ عسکریؒ کی کتاب 'عبد اللہ بن سبا' اور دکتر طٰہٰ حسین کی 'الفتنۃ الکبریٰ' دیکھیے۔ دکتر طٰہٰ حسین نے 'علی وبنوہ' جلد ۲، صفحہ ۹۸ میں لکھا ہے: "ابن سبا اور سبائیت کا معاملہ جعلی وغلط ہے، جب شیعوں اور دوسرے اسلامی مذاہب کے درمیان اختلافات شروع ہوئے تو دشمنان تشیع نے زرخرید افراد کے ذریعہ شیعوں کے درمیان فتنہ ایجاد کرنے کی کوشش کی۔۔۔ در حقیقت ابن سوداء (عبد اللہ ابن سبا) کا وجود خارجی ہی نہیں ہے۔)

یہودیوں کا حیلہ ومکر

درحقیقت یہودی مکار وعیار قوم ہے، جب یہ منفی پروپیگنڈہ سے اپنا مقصد حاصل نہیں کرپاتے تو مثبت پہلو کو اپناتے ہیں تاکہ مکر وحیلہ اور لوگوں کو بیوقوف بناکر اپنا مقصد حاصل کریں۔ جیسا کہ تاریخ میں موجود ہے کہ جب یہودیوں کا ایک گروہ عیسائیوں کے خلاف جنگ و جدال اور قتل وغارت گری کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکا تو اس کے کمانڈر بنام پولس نے یہ حربہ اپنایا کہ میدان جنگ ہی میں بیہوش ہوکر گرگیا۔ تین دن کے بعد جب ہوش آیا تو اس نے کہا عیسیٰ مسیح کی روح میرے اندر حلول کرگئی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں مسیحیت کو مضبوط کروں۔ اس طریقہ سے اس نے مسیحیوں کے درمیان اپنے کو اس طرح پیش کیا کہ وہ اسے عیسیٰ مسیح ہی کی طرح سمجھنے لگے۔ جب دلوں میں اپنی جگہ بنالی تو جناب عیسیٰؑ کے خالص توحیدی مذہب کو ایسا تبدیل کیا اور ایسے کفریات وخرافات اس میں داخل کیے کہ آج اس کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ عیسائیوں کے درمیان پولس کے رسائل کی اہمیت جناب عیسیٰ کی انجیل سے زیادہ ہے، اس کی وضاحت میں نے کتاب 'صد مقالہ سلطانی' میں موجودہ توریت وانجیل کے رد اور قرآن مجید کے اثبات میں پیش کی ہے۔

اسی طرح کے یہودی اسلام میں بھی داخل ہوئے تاکہ اسلام کی جڑوں کو کمزور کریں اور اس دین میں خلل ایجاد کریں لیکن رہبران دین وائمہ معصومینؑ نے ہر دور میں انکی کوششوں کا مقابلہ کیا اور انکے شبہات کا جواب دیتے رہے۔ انھیں افراد میں یہودی عبداللہ ابن سبا بھی تھا جو اسی لیے مسلمان ہوا کہ دین اسلام کی جڑوں کو نقصان پہنچائے۔ اور کسی حد تک اس نے اپنا کام بھی کیا لہٰذا امیرالمومنینؑ نے عبد اللہ بن سبا اور اس کے پیروکاروں کو ختم کیا کس طرح ختم کیا اس میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ عبدالقاہر بغدادی نے الفرق بین الفرق میں، شہرستانی نے ملل ونحل میں، ابن حزم نے الفصل فی الملل والاھواء میں اور دوسرے افراد نے طبری کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے عبداللہ کے ستر ساتھیوں کو جو غالی تھے جلادیا اور عبداللہ کو مدائن کی طرف جلاوطن کردیا۔

البتہ اگر غور کرتے تو واضح ہوجاتا کہ یہ کیسے ممکن ہے امام علیؑ دھوکہ کھاتے ہوئے فریب خوردہ افراد کو تو جلادیں اور خود ابن سبا کو چھوڑ دیں، ہر عقلمند جانتا ہے کہ اس طرح کی تحریروں میں بھی غرض پوشیدہ تھی کہ اس میں امیرالمومنینؑ کے سلسلے میں معاذاللہ یہ کوتاہی دکھائی جائے کہ آپ نے حدود الٰہی کے اجرا میں کوتاہی کی چونکہ ابن سبا آپ کا دوست تھا۔ جبکہ نہ دوست تھا اور نہ امام علیؑ سے کسی طرح کی کوتاہی کا تصور ہے۔

عبداللہ ابن سبا کے سلسلے میں شیعوں کا عقیدہ

لیکن اہل بیت عصمت وطہارت کی پیروی میں شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب عبداللہ ابن سبا کے کفر آمیز رویہ اور باتوں کی خبر امیرالمومنینؑ تک پہنچی تو آپؑ نے ابن سبا اور اس کے غالی پیروکاروں کو حاضر کرکے ان کے عقیدہ کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے امیرالمومنینؑ کی الوہیت کا اقرار کیا تو امام علیؑ نے حکم دیا کہ اپنے کفرآمیز عقیدہ سے توبہ کریں اور اس غلط عقیدہ کو ترک کریں۔ انھوں نے قبول نہیں کیا۔ امامؑ نے انھیں قید کردیا، تین دن تک روزانہ انھیں توبہ کے لیے کہا جاتا لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ اب امامؑ نے حکم دیا کہ ابن سبا کو اس کے ستر ساتھیوں کے ساتھ کنوئیں میں آگ میں جلادیا جائے (تفصیل کے لیے علامہ عسکریؒ کی کتاب عبداللہ ابن سبا دیکھیے)۔

ISSN No.2455-636X